میرا سیاسی سفر
یادداشتیں
مخدوم زادہ سید حسن محمود

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میرا سیاسی سفر

میرا سیاسی سفر

مخدوم زادہ سیّد حسن محمود

یادداشتیں

اشاعت اول ستمبر ۱۹۸۶ء

اشاعت دوم نومبر ۱۹۸۶ء

اشاعت سوئم اپریل ۱۹۸۸ء

سرورق امین الرحمٰن

قیمت ۱۰۰ روپے

طابع میر شکیل الرحمٰن

مطبع جنگ پبلشرز پریس

۱۳۔ سر آغا خان روڈ لاہور

فہرست عنوانات

پیش لفظ ۱۵

باب اول

خاندانی پس منظر ۲۱
پیدائش اور تعلیم ۲۴
میری شادی ۲۵
ایئرفورس کا شوق ۲۵
زمینوں کی نگرانی ۲۵
سیاسی شعور کا آغاز ۲۶
والد صاحب سے اختلاف ۲۸
تارکین وطن کیلئے میری امداد ۲۹
قائداعظمؒ سے ایک یادگار ملاقات ۳۰
ظہور پاکستان اور بہاولپور کی سیاست میں میری شمولیت ۳۳
علامہ اقبال سے تعلقات ۳۵

باب دوم

جمہوریت کے آغاز سے پہلے دو عوامی وزراء کا تقرر ۳۷
گورمانی صاحب کے بعد کرنل اے جے ڈرنگ ۳۸
اصلاحات کی پہلی قسط مشروط طور پر قبول کی گئی ۳۸
ریاستی لیگ کا ڈھونگ ۳۹
بہاولپور مسلم لیگ کنونشن کا انعقاد ۳۹
کنونشن کی قراردادیں ۴۲
بہاولپور میں آل پاکستان مسلم لیگ کے شاخ قائم کرنے کی کوشش ۴۳
بہاولپور کیلئے تنظیمی کمیٹی کا قیام ۴۳
میرے والد وزارت سے علیحدہ ہو گئے ۴۵

باب سوم

نئی اصلاحات کا اعلان ۴۷
اصلاحات منظور کرلیں ۴۸
بلدیاتی انتخابات میں ہماری کامیابی ۴۸
مجلس کے انتخابات اور ہماری کامیابی ۴۸
دو عوامی وزراء کا انتخاب ۴۹
سب سے کم عمر وزیر ۴۹
ملازم کا انتخاب ۵۰
وفاداری کا مظاہرہ ۵۰
مسلم لیگ کی طرف سے اظہار مسرت ۵۰
مجلس میں میری پہلی تقریر ۵۱
حزب اقتدار حزب اختلاف بن گئی ۵۲
تعلیمی ترقی میں میری مساعی ۵۲
علامہ شبیر احمد عثمانی سے استفادے کی کوشش ۵۴
علامہ عثمانی کی وفات ۵۵
مخالفانہ سرگرمیاں ۵۵
میرے خلاف اعلیٰ حضرت کے نام کا استعمال ۵۶
قرارداد کا انجام ۵۷
مخالفوں کی کاروباری ذہنیت ۵۷
مسلم لیگ کے انتخابات ۵۸
مجلس عاملہ کا قیام ۵۸
مخالفین کی مایوسی ۵۹
جمہوری نظام کی مساعی اور مخالفین کا کردار ۵۹
مجلس کو برخاست کرانے کی کوشش ۶۰
جمہوریت کا کارواں بڑھتا رہا ۶۱
عوامی حقوق کی جدوجہد کے محاذ ۶۱
حکومت پاکستان اور ریاست کے مصارف ۶۱
ریاست کی بہبود کیلئے ہماری مساعی ۶۲

دو عملی طرز حکومت کی کامیابی ۶۳
ہماری جدوجہد جاری رہی ۶۳
ذمہ دارانہ نظام حکومت کیلئے اعلیٰ حضرت سے مذاکرات ۶۴
ہمارے غیر متزلزل عزائم اور حکومت پاکستان کا اعتراف ۶۵

باب چہارم

آئینی اصلاحات کی دوسری قسط ۶۷
ہماری غیر معمولی کامیابی اور اس کی وجوہات ۶۸
عوامی وزراء کی تعداد میں اضافہ ۶۹
ہماری دو سالہ خدمات کا سرسری جائزہ ۷۰
شریعت بل ۷۱
ڈیارکی سسٹم خدا کے ہاں بھی نافذ ہے ۷۲
فضول خرچی کا الزام ۷۳
زرعی آمدنی پر ٹیکس ۷۴
تعلیمی پالیسی ۷۴
طبی سہولتیں ۷۴
مہاجرین کی آباد کاری ۷۵
دفاعی اخراجات میں کمی ۷۵
پاکستان کی پارلیمنٹ میں ہماری آواز ۷۶
بہاولپور مجلس کی قرارداد ۷۶
حکومت پاکستان اور اعلیٰ حضرت کے درمیان نیا معاہدہ ۷۶
بھارتی فوج کا اجتماع اور ریاستی عوام کا جوش و جذبہ ۷۹
میری لندن روانگی ۸۰
ڈاکٹر محمود الحسن کی بہاولپور میں آمد ۸۱
جامعہ عباسیہ کے نصاب میں ترمیم کیلئے علامہ سلیمان ندوی کی بہاولپور میں آمد ۸۱
قائد ملت لیاقت علی خاں کی شہادت ۸۲
وزیر اعظم اور گورنر جنرل بدل گئے ۸۲
بہاولپور مجلس کے آئندہ انتخابات ۸۳

وزیراعظم پاکستان کی بہاولپور میں آمد	۸۳
مخالفین کی ہٹ دھرمی	۸۴
مسلم لیگ کونسل کا اضطراب	۸۵
ہماری حکمت عملی	۸۵
خان عبدالقیوم کی طرف سے ہماری حسن کارکردگی کا اعتراف	۸۶
قبل از وقت انتخابات کی تیاریاں	۸۷
محاذ آرائی سے گریز	۸۷
مسٹر گورمانی کی بہاولپور میں آمد	۸۸
مسوّدۂ آئین	۸۸
لیاقت پور اسٹیشن شہید ملّت کی یادگار ہے	۹۶
بہاولپور کا اڑھائی سالہ دور مسٹر گورمانی کی نظر میں	۹۷
ہماری کامیاب مساعی پر گورنر جنرل کا اظہار مسرت	۹۹

باب پنجم

کامل ذمہ دارانہ نظام حکومت	۱۰۱
گورمانی صاحب کا خطاب	۱۰۴
اسٹیٹ انٹیرم ایکٹ	۱۰۶
انتخابی سرگرمیوں کا آغاز	۱۰۹
میرا حلقہ انتخاب	۱۱۱
پارلیمنٹری بورڈ کا فیصلہ اور مخالفین کا اس سے انحراف	۱۱۲
ہمارا منشور	۱۱۳
بہاولپور اسمبلی کے انتخابات	۱۱۴
ناکامی پر مخالفین کا واویلا	۱۱۵
انتخابات کا دوبارہ انعقاد	۱۱۷
اعلیٰ حضرت کی طرف سے سیاسی پارٹیوں کو انتباہ	۱۱۸
پاکستانی زعماء کی ہمارے انتخابات میں دلچسپی	۱۱۹
انتخابات میں ہماری کامیابی	۱۱۹
اعلیٰ حضرت نے ہمیں حسن کارکردگی کے تمغے دیئے	۱۲۰

میں نے وزیراعلیٰ کا عہدہ سنبھال لیا	۱۲۰
ترقی پسند اور رجعت پسند کا مقابلہ	۱۲۱
وزیراعلیٰ منتخب ہونے کے بعد	۱۲۱
نیا سیاسی موڑ۔ رفیق کار بھی مخالف ہو گئے	۱۳۸
ترقیاتی سرگرمیوں کا اجمالی تذکرہ	۱۳۹
سرکاری ملازمین کی تطہیر	۱۳۹
کینیڈا میں میری تقریر	۱۴۰
دریائے ستلج کے پانی کا مسئلہ	۱۴۹
مکتب اسکیم کا اجراء	۱۴۹
میٹرک تک مفت تعلیم	۱۴۹
جامعہ عباسیہ کو یونیورسٹی بنانے کا منصوبہ	۱۴۹
صادق پبلک اسکول کا اجراء	۱۵۰
مزید ترقیاتی اقدامات	۱۵۰
صحافتی سرگرمیوں کا فروغ	۱۵۱
طبقات آبادی کی تفریق کا خاتمہ	۱۵۱
بہاول نگر کے نئے ضلع کا قیام	۱۵۱
ملکی سطح پر ریاست کے وقار میں اضافے کی مساعی	۱۵۲
فیصل آباد کی ایک یادگار مسلم لیگ کانفرنس	۱۵۲
میری تقریر کی غیر معمولی پذیرائی	۱۵۳
جمہوری حکومت کا پہلا بجٹ	۱۵۵
بجٹ کے بجائے مسئلہ ختم نبوت پر تقاریر	۱۵۵
بجٹ پر میری تقریر	۱۵۷
بجٹ کی خصوصیات	۱۶۰
کچھ اہم اقدامات۔ مساجد اور آئمہ مساجد کی اصلاح	۱۶۱
غذائی فصل اگانے کا قانون	۱۶۱
جنرل ایڈمنسٹریشن	۱۶۲
۱۲ افسران کی برخاستگی	۱۶۴
پاکستان کی گاڑی پٹڑی سے اتر گئی	۱۶۶

تبدیلی کا میری ذات پر اثر	۱۶۶
میری کابینہ کے ایک رکن بھی مخالفین میں شامل ہو گئے	۱۶۷
جمہوری روایات کے خلاف ہٹ دھرمی کا مظاہرہ	۱۶۸
الزامات کی نوعیت	۱۶۹
افسران کو میرا انتباہ	۱۶۹
غذائی قلت دور کرنے کیلئے ایک آرڈیننس کے اجرا کی سفارش	۱۷۰
نازک حالات میں مخالفین کا کردار	۱۷۱
مولوی تمیز الدین نے ہمارے زخموں پر پھایا رکھا	۱۷۱
لغاری صاحب کی خوش فہمی دور ہو گئی	۱۷۲
سردار افضل خاں کی برطرفی	۱۷۵
رشوت کے خلاف پاکستان دستور ساز اسمبلی میں میری تقریر	۱۷۶
پاکستان کا آئینی فارمولا	۱۷۶
آئینی فارمولا کے مضمرات	۱۷۷
بہاولپور کا دوسرا عوامی بجٹ	۱۷۹
میری کابینہ میں سید احمد نواز شاہ گردیزی کی شمولیت	۱۸۰
جشنِ استقلال پاکستان پر میری تقریر	۱۸۰
اپنے دور اقتدار کی ترقیوں کا اجمالی جائزہ	۱۸۱
بہاولپور کی ترقیاتی سرگرمیوں پر ایک نظر	۱۸۳
ادغام کی تلوار	۱۸۹
اعلیٰ حضرت کا مجھ پر اعتماد	۱۹۳
اعلیٰ حضرت اور ریاست کا مستقبل	۱۹۴
پاکستان میں ہنگامی حالت کا اعلان	۱۹۹
ریاست کی وزارت اور مجلس بھی برخاست	۲۰۰
ان اقدامات کا پس منظر	۲۰۰
میرا الوداعی پیغام	۲۰۲

باب ششم

ایک یونٹ کی تجویز	۲۰۵

ون یونٹ کے قیام کے ساتھ مسلم لیگ کی تنظیم جدید ۲۰۷
دستوریہ پاکستان کو توڑنے کے خلاف قانونی چارہ جوئی ۲۰۷
وحدت مغربی پاکستان کیلئے گورنر اور وزیر اعلیٰ کا تقرر ۲۰۸
غیر لیگی عناصر کی حکومت میں شمولیت کا جواز ۲۰۸
آئینی کنونشن کیلئے بہاولپوری نمائندگان کی نامزدگی ۲۰۹
پاکستان دستور ساز اسمبلی کے انتخابات ۲۰۹
غلام محمد کی جگہ سکندر مرزا ۲۱۰
غلام محمد میں ذاتی خوبیاں تھیں ۲۱۰
بوگرا کی جگہ محمد علی چودھری ۲۱۱
ریاست کی انفرادیت کا خاتمہ ۲۱۲
میری علیحدگی کی کہانی ۲۱۲
ڈاکٹر خان صاحب کی کابینہ میں مسلم لیگیوں کی شمولیت ۲۱۴
ڈاکٹر خان صاحب کی وزارت میں میری شمولیت ۲۱۴
سیاسی آویزشوں کی ابتداء ۲۱۶
مغربی پاکستان اسمبلی کے بالواسطہ انتخابات ۲۱۶
ڈاکٹر خان صاحب کے خلاف محاذ آرائی ۲۱۸
مسلم لیگ کے زوال کا نقطہ عروج ۲۲۳
ری پبلکن پارٹی کا قیام ۲۲۳
میں بھی ری پبلکن پارٹی میں شامل ہو گیا ۲۲۳
اسمبلی میں مسلم لیگیوں کا جھگڑا ۲۲۴
مسلم لیگ مزید انتشار کا شکار ۲۲۵
چودھری محمد علی بھی مستعفی ہو گئے ۲۲۵
سہروردی صاحب بھی چکمے میں آ گئے ۲۲۵
جداگانہ اور مخلوط انتخابات کا مسئلہ ۲۲۶
پارلیمنٹ ہاؤس کے سامنے مسلم لیگیوں کا مظاہرہ ۲۲۶
ڈاکٹر خان صاحب ہلاک ہو گئے ۲۲۷
مغربی پاکستان کی کابینہ میں میرا کردار ۲۲۷
لوکل گورنمنٹ ریویو کا پیش لفظ ۲۲۹

گداگری کی لعنت ختم کرنے کیلئے مثبت تجاویز	۲۳۰
بلدیاتی اداروں کے متعلق میرا نظریہ	۲۳۰
بہاولپور سے میری دلچسپی	۲۳۵
صوبائی حکومت میں ردّو بدل	۲۳۵
پارٹی کے تنظیمی امور میں میری مساعی	۲۳۶
سیاسی بحران	۲۳۶
ملک میں مارشل لاء لگ گیا	۲۳۶
سیاست دانوں کو گھر بٹھادیا گیا	۲۳۷
کرکٹ کنٹرول بورڈ کا صدر	۲۳۷

باب ہفتم

جنرل ایوب صدر بن گئے	۲۳۹
صدارتی انتخابات	۲۴۰
میرے سیاست میں حصہ لینے پر اعتراض	۲۴۱
محترمہ فاطمہ جناح ہار گئیں	۲۴۱
صوبائی اور قومی اسمبلیوں میں کنونشن مسلم لیگ کی کامیابی	۲۴۲
صدر ایوب کو میری نصیحت	۲۴۲
صدر کا دورہ لاڑکانہ	۲۴۲
بعض اہم خطوط	۲۴۳
کامیابیوں کے بعد زوال اقتدار	۲۴۷
صدر ایوب سے میرا قرب بہاولپور کے مفاد میں تھا	۲۴۸
ایوبی دور کی غلطیاں	۲۴۹
صدر ایوب کو اپنوں نے دھوکہ دیا	۲۵۰
ملک میں دوبارہ مارشل لاء کا نفاذ	۲۵۰
ملک میں مصائب کا آغاز	۲۵۱

باب ہشتم

یحییٰ خاں کا دور	۲۵۳

ذوالفقار علی بھٹو نے اقتدار سنبھال لیا	۲۵۶
کنونشن لیگ کے بعد قیوم لیگ میں میری شمولیت	۲۵۶
بہاولپور مسلم لیگ کا منشور	۲۵۸
ون یونٹ کے بعد بہاولپور کی بحالی کی تحریک	۲۵۸
اس تحریک سے میری عدم دلچسپی کا سبب	۲۵۹
بہاولپور کی بحالی کی تحریک ایک سٹنٹ تھا	۲۶۲
بہاولپور کے متعلق مسلم لیگ کا مؤقف	۲۶۳
میں بہاولپور کی خدمت سے کبھی غافل نہیں رہا	۲۶۴
سندھیوں اور غیر سندھیوں کو متحد رکھنے کیلئے اسلامی محاذ کا قیام	۲۶۶
مسٹر بھٹو کے متعلق میری رائے	۲۶۸
سقوط ڈھاکہ	۲۷۱
مسٹر بھٹو کے نام کھلی چٹھی	۲۷۸
مسٹر بھٹو کے اقتدار سے محرومی کے اسباب	۲۸۱
میرے خلاف مسٹر بھٹو کی کارروائیاں	۲۸۲
بھٹو میں خوبیاں تھیں	۲۸۳
پیپلز پارٹی کے عطیات	۲۸۴
قومی متحدہ محاذ	۲۸۴
پیپلز پارٹی بھی مشرف بہ اسلام ہو گئی	۲۸۶
انتخابات میں زبردست دھاندلی	۲۸۶
قومی اتحاد کے احتجاجی مظاہرے	۲۸۷
ملک کو فوج کے حوالہ کر دیا	۲۸۸
پیپلز پارٹی فسطائیت کے راستے پر	۲۸۸
مسٹر بھٹو کے غیر جمہوری ہتھکنڈوں نے ملک کو جمہوریت سے محروم کر دیا	۲۸۹
فوج سے انتخابات کی توقعات	۲۸۹
متحدہ محاذ میں یکجہتی نہ رہی	۲۹۱
مسلم لیگ کی طرف سے میرا انتخابی دورہ	۲۹۱
پیپلز پارٹی کے دور کی خرابیوں کی چھان بین	۲۹۲
انتخابات میں رکاوٹ	۲۹۲

مسٹر بھٹو کے خلاف مقدمات کا آغاز ۲۹۳
سپریم کورٹ کا مؤقف ۲۹۴
احتساب کے عمل نے قوم کو انتخابات سے دور کر دیا ۲۹۵
متحدہ محاذ کی عمارت میں شگاف پڑ گیا ۲۹۵
مسٹر بھٹو کو سزائے موت ۲۹۶
جنرل ضیاء کا انتخابات سے اجتناب ۲۹۶
سول حکومت کی تجویز ۲۹۷
ملک مزید سیاسی افراتفری کا شکار ۲۹۸
سپریم کورٹ نے مسٹر بھٹو کی سزائے موت کی توثیق کر دی ۲۹۸
۱۹۷۹ء میں بھی انتخابات نہ ہو سکے ۲۹۹
ملک کے حالات انتخابات کیلئے کب موزوں ہوں گے ۲۹۹
میرے مشغلے ۳۰۸

○

پیش لفظ

میں آج سے کافی عرصہ قبل اپنی یادداشتوں پر مبنی کتاب لکھنی چاہتا تھالیکن حالات نے مجھے اس کی اجازت نہ دی۔ پہلے تو سیاسی مصروفیات غالب رہیں پھر میری بیماری آڑے آگئی اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ منقطع رہا۔

میں چاہتا تھا کہ اس کتاب میں وہ سب کچھ آجائے جو میری زندگی میں اب تک پیش آیا ہے ، یعنی بچپن سے بڑھاپے تک اور سیاست سے نجی معاملات تک۔ لیکن یہ سلسلہ اتنا طویل تھا کہ اسے ایک جلد میں سمیٹنا فرصت اور وقت چاہتا تھا ، جو میرے ہاں کمیاب ہے۔

میرا حلقۂ احباب کافی وسیع ہے۔ پھر اہل ضرورت اور حاجت مند لوگوں کی بھی میرے ہاں کافی آمدورفت ہے۔ کوئی اپنے بیٹے کی ملازمت کیلئے آتا ہے اور کسی کا حکومت میں کام ہوتا ہے۔ میں ان کیلئے خطوط لکھتا ہوں اور متعلقہ اصحاب کو ٹیلیفون کرتا ہوں۔ بعض اوقات صبح ناشتے کی بھی نوبت نہیں آتی اور یہ سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ لوگوں کی آمدورفت جاری رہتی ہے اور دوپہر کے دو بج جاتے ہیں۔ یہی حال شام کے اوقات کا ہے جو میری تفریح کیلئے مخصوص ہیں۔ لیکن یہ بھی دوستوں اور اہل ضرورت کی نذر ہو جاتے ہیں۔ اب صرف رات میرے لکھنے پڑھنے کیلئے رہ جاتی ہے۔ اور میں اس میں کسی کو مداخلت کی اجازت نہیں دیتا۔ جب تک جاگ سکتا ہوں مطالعہ کرتا ہوں اور جو کچھ لکھنا ہوتا ہے رات کی تنہائی میں لکھتا ہوں۔

زیر نظر کتاب دراصل میری آپ بیتی ہے جس میں ابتدائی زندگی سے تعلیم تک اور پھر سیاست میں قدم رکھنے کے بعد اب تک کے حالات درج ہیں۔

آپ بیتی لکھنے کا رواج مغربی ممالک میں عام ہے۔ جو شخص کسی میدان میں کوئی بھی خصوصیت

رکھتا ہے اپنے متعلق ضرور کتاب لکھتا ہے۔ لیکن ہمارے ہاں اس کی بہت کمی ہے۔ چند آپ بیتیوں کو چھوڑ کر کسی نے بھی اس طرف توجہ نہیں دی۔

خاص طور پر ہمارے سیاست داں اس طرف سے غافل ہیں۔ حالانکہ ان کی زندگی جن حالات اور اتار چڑھاؤ سے گزرتی ہے وہ نہ صرف معلومات کا ایک نادر خزینہ بلکہ سبق آموز و عبرت انگیز بھی ہوتے ہیں۔ اور پھر ان میں جدوجہد اور سعی مسلسل کی ایک ایسی جھلک بھی ملتی ہے جو دوسروں کیلئے مشعل ہدایت کا کام دیتی ہے۔ یہ آپ بیتیاں دراصل صرف اپنی کہانیاں نہیں ہوتیں بلکہ ملی تاریخ اور قومی ورثے کا درجہ بھی رکھتی ہیں۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ میری اس کتاب سے یہ ضرورت کس حد تک پوری ہوگی لیکن میں نے کوشش کی ہے کہ حالات وواقعات جس طرح میرے سامنے پیش آئے ہیں اور ان میں جس حد تک میرا کردار رہا ہے ان کو بلا کم و کاست قارئین کے لئے پیش کر دوں۔ دراصل زیر نظر تحریر میں سلسلہ کتب کا پہلا حصہ ہے جو میں آئندہ لکھنا چاہتا ہوں۔ اس کتاب میں میری ابتدائی زندگی سے سیاست کے آغاز ' بہاولپور کی سیاست میں میرا حصہ ' ون یونٹ میں میری مساعی اور بھٹو دور کے اختتام تک کے واقعات قلمبند کئے گئے ہیں۔

اس کتاب کے آٹھ باب ہیں جن میں سے آخری ابواب مارشل لاء دور سے تعلق رکھتے ہیں۔ جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ مارشل لاء ہمیشہ ملک میں سیاسی بحران کے نتیجے میں لگا ہے۔ جنرل سکندر مرزا کا مارشل لاء بھی دراصل ایسا ہی بہانہ تھا۔ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان میں ہم آہنگی باقی نہ رہی تھی۔ سیاسی پارٹیاں باہمی چپقلش کی وجہ سے مستحکم نہ رہی تھیں۔ مغربی پاکستان کی سیاست افراتفری کا شکار تھی۔ مختلف انتظامی تبدیلیوں کے باوجود سیاست دانوں میں رسہ کشی جاری تھی۔ سردار عبدالرشید کے بعد مظفر علی قزلباش کے خلاف بھی محاذ آرائی کا سلسلہ قائم تھا۔ ادھر مرکز میں فیروز خان نون کی وزارت مشرقی پاکستان کے حالات کو سنبھالنے میں ناکام رہی تھی۔

سب سے بڑھ کر فوجی جنتا کے دنوں میں ملکی اقتدار پر قبضہ کرنے کی خواہش نے انگڑائیاں لینی شروع کر دی تھیں۔ جنرل سکندر مرزا نہ جانے کب سے یہ منصوبہ بنا رہے تھے کہ پاکستان کا اقتدار اعلیٰ ان کے ہاتھ میں آ جائے۔ انہوں نے اپنی اس خواہش کو پروان چڑھانے میں فوج کے کمانڈر انچیف جنرل ایوب خاں کو بھی اپنا ہمنوا بنالیا تھا۔ چنانچہ ان کے نزدیک ان کی تکمیل آرزو کیلئے اسوقت پاکستان کے حالات نہایت موزوں تھے۔

صدر جنرل ایوب خاں کے بعد جنرل یحییٰ کا دور آتا ہے۔ اور پھر مسٹر بھٹو اقتدار میں آتے ہیں۔ جس فوج کی مدد سے وہ اقتدار کی کرسی پر بیٹھے تھے وہی فوج ان کے زوال اقتدار کا موجب بنی اور وہ نہ صرف اقتدار

سے بلکہ اس دنیا سے بھی ہمیشہ کیلئے جدا ہو گئے۔

جستہ جستہ میں نے ان تمام حالات کا اس کتاب میں ذکر کیا ہے لیکن فی الحقیقت یحییٰ، صدر ایوب اور بھٹو کے ادوار پر میری الگ الگ کتابیں زیر ترتیب ہیں میں نے کوشش کی ہے کہ واقعات کی حد تک انہیں جوں کا توں پیش کر دیا جائے۔ میں نے دانستہ طور پر کسی کی دل آزاری کی کوشش نہیں کی تاہم اگر نادانستہ طور پر کوئی بات کسی کے خلاف چلی گئی ہے تو میں ان سے معذرت خواہ ہوں۔

میرے والد کا ۵/ اگست ۷۸ء کو انتقال ہوا اور میں سایہ پدری سے محروم ہو گیا

(مخدوم زادہ) حسن محمود

پیدائش — ۳ نومبر ۱۹۲۲ء
وفات ۲۶ اگست ۱۹۹۶ء

فہرست تصاویر

سید غلام میراں شاہ اور خواجہ ناظم الدین — صفحہ ۳۶
مخدوم زادہ سید حسن محمود اپنے والد محترم کے ہمراہ — ۴۴
مطالعہ کرتے ہوئے — ۹۸
مولوی تمیزالدین کے ساتھ — ۱۰۰
آبائی گھر — ۱۱۶
اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے — ۱۳۴
پنجاب اسمبلی سے واک آوٹ — ۱۵۶
پنجاب اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے — ۱۷۴
لائبریری میں — ۱۹۶
شاہین عتیق الرحمٰن کے ساتھ اسمبلی کی لابی میں — ۲۰۴
سجاد حسین قریشی۔ نواز شریف' منظور احمد وٹو' پیر سید کبیر علی شاہ اور حسن محمود — ۲۲۲
صدر ایوب غلام میراں شاہ' بھٹو' جونیجو اور سید حسن محمود — ۲۴۴
سید حسن محمود اور مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) کے ممبران — ۲۵۲
سید حسن محمود اپنے بڑے بیٹے احمد محمود کے ساتھ الیکشن ۸۵ء جیتنے کے بعد دعا مانگ رہے ہیں — ۳۰۴

باب اول

خاندانی پس منظر

میں نہ تو کوئی بزرگ ہوں اور نہ بزرگانہ خصائل کا مالک لیکن بدنام کنندان نکونامے چند کے مصداق بزرگوں سے نسبی تعلق ضرور رکھتا ہوں اور اسی وجہ سے مخدوم زادہ میرے نام کا جزو ہے جو میری شناخت بھی بن گیا ہے اور نسبتاً میرے اصل نام سید حسن محمود سے زیادہ مشہور ہو گیا ہے۔ اہالیان بہاولپور مجھے ہمیشہ مخدوم زادہ کے نام سے ہی یاد کرتے ہیں۔

سیاسی اور نظریاتی اعتبار سے کسی شخصیت کی اچھائیوں یا برائیوں پر سب کا اتفاق نہیں ہوا کرتا اس بارے میں مجھے کبھی خوش فہمی نہیں رہی لیکن ایک بات ایسی ہے جس پر نہ میں نے کبھی ماضی میں کسر نفسی سے کام لیا ہے اور نہ ہی آئندہ اس کے اظہار میں پس وپیش کی ضرورت محسوس کرتا ہوں کہ محمد بن قاسم کی گزرگاہ کے حوالے سے تہذیب و تمدن کے گہوارے' مشرقی روایات کے امین اور خواجہ غلام فرید علیہ الرحمتہ کے عارفانہ نغموں کی مہک میں بسی ہوئی سرزمین بہاولپور میں پیدا ہونے پر مجھے ہمیشہ فخر رہا ہے اور یقیناً اسی پس منظر میں کچھ خصوصیات ضرور ایسی ہو سکتی ہیں جو مجھے اپنے بزرگوں اور گردوپیش کے ماحول سے ورثہ میں ملی ہوں گی۔

اس سے پہلے کہ میں اپنی داستان حیات قلم بند کروں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں اپنے خاندانی پس منظر کا یہاں مختصراً ذکر کر دوں۔

میرے بزرگ جو حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کی اولاد میں سے تھے نویں صدی ہجری میں حلب و شام سے ترک سکونت کر کے ہندوستان آئے تھے اور انہوں نے برصغیرؔ کے

مشہور تاریخی وروحانی مرکز اوچ کو جو سابق ریاست بہاولپور کے وسطی شہر احمد پور شرقیہ سے تقریباً دس میل کے فاصلے پر واقع ہے اپنا مسکن بنایا۔ اوچ شریف کو اپنا مسکن بنانے والے میرے نہلے بزرگ سید محمد غوث حلبی تھے جن سے نہ صرف یہاں قادری سلسلے کی داغ بیل پڑی بلکہ پورے برصغیر میں تصوف کے اس سلسلے کو فروغ حاصل ہوا۔

حضرت سید محمد غوثؒ کی اولاد میں سید عبدالقادر ثانیؒ بڑی با اثر روحانی شخصیت کے مالک تھے مخلوق خدا نے ہزاروں کی تعداد میں آپ سے روحانی فیض حاصل کیا تھا اکثر سلاطین وقت آپ کے حلقہ ارادت میں شامل تھے چنانچہ حاکم سندھ سلطان حسین مرزا اور سلطان سکندر لودھی کو بھی آپ سے نسبت ارادت تھی۔

آپ کی ہی اولاد اوچ گیلانی کی سجادگی پر فائز ہوتی چلی آ رہی ہے سید عبدالقادر ثانیؒ کے فرزند سید عبدالرزاق گیلانیؒ اور ان کے فرزند سید حامد گنج بخش تھے سید حامد گنج بخش کے فرزند سید خلیل اور ان کے فرزند سید محمد زمانؒ تھے جن سے میرے خاندان کا سلسلہ چلا۔

سید محمد زمان نے اوچ کو خیرباد کہہ کر دوسرے مقامات کا رخ کیا۔ ان کے پوتے سید محمد زمان ثانیؒ نے صادق آباد ضلع رحیم یار خان کے قصبہ جمال دین والی میں سکونت اختیار کی۔ جمال دین والی کسی زمانے میں ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جسے میرے بزرگوں خاص طور پر میرے والد نے ایک بارونق اور معاشی لحاظ سے خوشحال قصبے کی صورت دے دی۔ پاکستان کی شاید ہی کوئی ایسی بڑی سیاسی، مذہبی، علمی اور قومی شخصیت ہوگی جس کا شرف میزبانی جمال دین والی کی سرسبز و شاداب سرزمین کو حاصل نہ ہوا ہو یا میرے بزرگوں اور اہل خاندان نے ان مقتدر رہنماؤں کی پذیرائی میں اپنی منفرد روایات کو ملحوظ نہ رکھا ہو۔

سید محمد زمان شاہ ثانیؒ کے پرپوتے سید اشرف الدین ان کے فرزند سید جیون شاہ ان کے فرزند سید شرف الدین اور ان کے فرزند میرے والد گرامی مخدوم الملک سید غلام میراں شاہ ہیں۔ میرے بزرگوں کو والیان حکومت کی طرف سے بہت سی مراعات حاصل تھیں اور ان کی طرف سے بہت سے احکام اور نوشتے میرے پاس محفوظ ہیں۔ مثلاً ۱۱۹۳ھ میں ایک حکم تیمور بادشاہ کی جانب سے ہے جس میں تمام سابقہ مراعات کو بحال رکھنے کا حکم ہے اور سابقہ انتظامات کو قائم رکھنے کا اختیار دیا گیا ہے تیمور شاہ والیٔ کابل کا تسلط ملتان اور بہاولپور تک تھا تیمور شاہ نواب مبارک کو یرغمال بنا کر اپنے ساتھ لے گیا تھا بعد میں اسے رہائی ملی اور اسے اختیارات حکمرانی عطا ہوئے۔ اس کے علاوہ ۱۲۲۶ھ اور ۱۲۵۹ھ میں نواب بہاولپور کی طرف سے سابقہ مراعات بحال رکھنے کا حکم ہے جن میں میرے پردادا سید جیون شاہ صاحب کو حسب سابق انتظام وانصرام بحال رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کی ساخت پرداخت پر اطمینان کا اظہار کیا گیا ہے۔
۱۹۰۱ء کے ایک مراسلے میں نواب بہاول خان کی جانب سے شادی میں شرکت کا دعوت نامہ ہے ان تمام مراسلات میں میرے بزرگوں کو جن خطابات سے نوازا گیا ہے ان میں خادمان کرامت بیان سیادت و

نقابت مرتبت صفوت و نجابت منزلت سلسلہ خاندان عظام نیز جناب فیض مآب مہر سپہر ولایت قطب فلک صفوت و ہدایت مطلع انوار ربّانی منبع اسرار یزدانی حضرت مخدوم الملک کے القاب ہیں چنانچہ ۲۵ جمادی الثانی ۱۳۵۰ھ میں نواب صادق محمد خان خامس نے ان القاب سے میرے والد صاحب کو ملقب کیا ہے۔

نواب محمد بہاول خاں اپنی شادی کی اطلاع دیتے ہیں۔ اور اس میں شمولیت کی دعوت دیتے ہیں۔

خادمان کرامت بنیان سیادت و نقابت مرتبت صفوت و نجابت
منزلت خاندان عظام عضادہ دران کرام مخدوم محمد اشرف الدین شاہ صاحب سلمہٗ

بعد از سلام و استمداد ادعیات آنکہ از اینجا کہ میری شادی مبارک بادی ایں جانب کی بتاریخ ۲۴ ربیع الاول ۱۳۱۹ھ مطابق ۱۱ جولائی ۱۹۰۱ء بروز پنج شنبہ رات جمعہ کو معین کیا گیا ہے۔ پس تشریف لانا آپ کا اس موقع سعید پر ضروری ہے۔ لہٰذا بذریعہ تحریر ہذا التماس ہے کہ بروز چہار شنبہ بسواری ریل گاڑی بوقت ۱۲ بجے دن بمقام بہاولپور تشریف لاکر منبسط فرماویں فقط زیادہ نیاز۔

المرقوم ۱۵ جون ۱۹۰۱ء

الراقم
محمد بہاول خاں عباسی

ایک خط نواب محمد بہاول خاں عباسی نے ۳۰ ستمبر ۱۹۰۴ء کو میرے بزرگ محمد اشرف الدین شاہ صاحب کے نام لکھا تھا اور اپنے ہاں بچہ تولد ہونے کی اطلاع دی تھی۔

سیادت و نقابت پناہ صفوت و نجابت دستگاہ مخدوم محمد
اشرف الدین شاہ صاحب سلمہٗ

بعد از سلام خیریت انجام مکشوف ضمیر ہو۔ الحمد للہ والمنۃ علی احسانہ والشکر اللہ علیہ نوالہ کہ بتاریخ نو زدہم ماہ رجب المرجب ۱۳۲۲ھ مطابق ۳۰ ستمبر ۱۹۰۴ء شب جمعہ وقت ۱۱ بجے فرزند دلبند بخانہ اینجانب تولد ہوا۔ دعا ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ اس کو اپنے حفظ و امان میں رکھ کر عمر طبعی کو پہنچائے۔

نامہ ہذا اطلاعاً ارسال ہے اور نگارش ہے کہ ۲۳ رجب المرجب ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۴ اکتوبر ۱۹۰۴ء روز سہ شنبہ کو بمقام بہاول پور شامل دربار ہوں۔

۱۹ رجب المرجب ۱۳۲۲ھ مطابق ۳۰ ستمبر ۱۹۰۴ء

راقم
محمد بہاول خاں عباسی

میرے والد کو ورثے میں کافی زرعی اراضی ملی تھی جسے انہوں نے جدید طریقوں پر منظم کیا۔ حالانکہ زمینداری کے معاملے میں بہت سے زمیندار ان سے زیادہ وسیع املاک رکھتے تھے لیکن انہوں نے جس عمدہ طریقے سے اپنی زمینوں کا نظام سنبھالا اس سے ان کی آمدنی دوسرے زمینداروں کے لئے قابل رشک بن گئی۔ انہیں خدا نے بڑی نفاست طبع کا مالک بنایا ہے۔ جس کی جھلک ان کی تمام زندگی میں ملتی ہے۔ انہوں نے اپنی رہائش کے لئے بھی نہایت عمدہ اور جدید طرز کی عمارات بنوائی ہیں۔ بہاولپور کے زمینداروں میں وہ پہلے زمیندار ہیں جنھوں نے جدید طرز زندگی کو بھی اپنایا ہے اور اپنی قدیم خاندانی روایات کو بھی برقرار رکھا ہے۔ انہوں نے اپنی نفاست طبع کو اپنی ذات تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ پورے جمال دین والی کو بھی اسی انداز سے آباد کیا ہے یہاں سڑکیں بازار اور عام رہائشی مکانات میں بھی سلیقے اور خوش وضعی کے آثار نظر آتے ہیں۔

میرے والد صاحب نے اپنے مزارعوں کے مکانات بھی تعمیر کرائے ہیں اور وہ عام زمینداروں کے مکانات سے بہتر اور عمدہ آراستہ ہیں۔ یہاں آنے والے پرائم منسٹر صاحبان اور دوسرے عمائدین ملک جب ان مکانوں کو دیکھتے ہیں تو حیرت میں رہ جاتے ہیں۔ میرے والد صاحب نے اپنے ذاتی خرچ سے ہسپتال، ڈسپنسری اور سکول کی عمارات بھی تعمیر کرائی ہیں۔

پیدائش اور تعلیم

میری پیدائش میرے نانا محمد امین خان لودھی کے دولت کدے پر بہاولپور میں ۲۷ نومبر ۱۹۲۲ء کو پیر کے دن صبح ۹ بجے ہوئی محمد امین خان لودھی امرائے شہر میں سے تھے اور اس زمانے میں سپرنٹنڈنٹ پولیس کے عہدے پر فائز تھے۔ گویا آنکھ کھولتے ہی میں نے دیہاتی ماحول کی بجائے شہر کی رونق دیکھی۔

میری پرورش و تربیت جس ماحول میں ہو رہی تھی وہ زمیندارانہ جاہ و جلال کے ساتھ بزرگانہ رعب و داب کا بھی مظہر تھا لیکن اس ماحول سے مجھے قطعی مناسبت نہ تھی۔ مجھے اپنے والد کے آگے لوگوں کا جھکنا اور سجدے کرنا پسند نہ تھا چنانچہ میں ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد ۱۹۳۳ء میں چیفس کالج لاہور میں داخل ہو گیا جہاں مجھے سر فیروز خان نون کی سرپرستی حاصل رہی۔ ملک صاحب مجھ پر بے حد شفقت کرتے تھے اور میرا ہر طرح خیال رکھتے تھے ان کے ہاں کی تنور کی گرم گرم روٹیاں مجھے آج بھی یاد آتی ہیں۔

میں اگرچہ پڑھائی کم اور کھلنڈرہ زیادہ تھا لیکن کسی امتحان میں مجھے ناکامی نہیں ہوئی۔ کرکٹ، شکار اور پیراکی میرے محبوب مشغلے تھے چودھری عطاء اللہ کی نگرانی میں میرے یہ شوق پورے ہوتے رہے کرکٹ کے کوچ مسٹر محمود تھے جو باقاعدگی سے ہمیں کرکٹ کھلایا کرتے تھے۔ واٹر پولو ٹیم کا میں کپتان تھا۔ گورنمنٹ کالج کی ٹیم سے ہمارے اکثر مقابلے ہوا کرتے تھے جس میں ہم کو ہی فتح حاصل ہوتی تھی۔

میری شادی

چیفس کالج لاہور میں تقریباً چھ سال گزارنے کے بعد میں نے ۱۹۳۹ء میں گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لے لیا۔ اگلے سال یعنی ۱۹۴۰ء میں علی گڑھ چلا گیا وہاں ابھی ایک سال ہی گزرا تھا کہ تعلیم کا سلسلہ ترک کرنا پڑا جس کا مجھے شدید رنج ہے۔ کاش علی گڑھ میں جو اس وقت پورے ملک کی قومی، نظریاتی، تعلیمی اور تہذیبی جدوجہد کا سب سے اہم مرکز تھا مجھے مزید قیام کا موقع ملتا اور میں اس کی تحریک میں حصہ لیتا لیکن وہ جو کہا جاتا ہے "من درچہ خیالم و فلک درچہ خیال" قدرت کو یہی منظور تھا۔ ۱۹۴۱ء میں مجھے شادی کے بندھن میں جکڑ دیا گیا اور مزید تعلیم کی تمنا دل کی دل ہی میں رہ گئی۔

میری اولاد میں چھ بیٹیاں اور دو بیٹے ہیں۔ بڑے فرزند احمد محمود ہیں جو میرے جانشین ہوں گے۔ دوسرے بیٹے اکبر محمود ہیں بڑے بیٹے کی شادی ہو چکی ہے۔ چھوٹے بچے کا رشتہ بھی کر دیا ہے۔ بیٹیاں سب شادی شدہ ہیں۔

ایئر فورس کا شوق

میں ایئر فورس میں جانے کا شوق رکھتا تھا چنانچہ میں سید میراں شاہ صاحب کے ساتھ دہلی گیا۔ جہاں سر ملک فیروز خان نون سے ملا جو ان دنوں وائسرائے کونسل کے ڈیفنس ممبر تھے۔ اسی دوران بیگم وقار النسا نون سے بھی میری ملاقات ہوئی۔ ملک صاحب سے ان کی شادی بعد میں ہوئی۔ اعلیٰ حضرت ہز ہائی نس بھی دہلی میں مقیم تھے۔ انہیں جب میری خواہش کا پتہ چلا تو وہ سمجھے کہ شاید میں فوجی وردی پہننے کا شوق رکھتا ہوں اور انہوں نے مجھے اعزازی کپتان بنا کر ڈیرہ نواب بھیج دیا۔

زمینوں کی نگرانی

میرے والد صاحب نے میرا جیب خرچ جو ۲ ہزار روپے ماہوار مقرر کیا ہوا تھا جسے بند کر کے ایک زمین کا ٹکڑا مجھے دے دیا جس سے ان کے خیال کے مطابق میں دو ہزار روپے حاصل کر سکتا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ اگر اس زمین سے کم آمدنی ہوئی تو وہ پوری کر دیں گے لیکن اگر اس میں اضافہ ہوا تو مجھے مل جائے گا۔ میں نے ڈیرہ نواب میں ملٹری ٹریننگ کے بعد پہلے اس زمین کا سروے کیا اور محسوس کیا کہ اگر آبی وسائل بہتر ہوں تو آمدنی بڑھ سکتی ہے۔ ان دنوں محکمہ آبپاشی کے افسران انگریز ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ میرے علاقے کے سپرنٹنڈنگ انجینئر مسٹر میکسن تھے۔ جن سے مل کر میں نے آبپاشی کے منصوبے پیش

کئے۔ جو منصوبہ میں نے پیش کیا تھا اسے انہوں نے ازراہ دوستی منظور کر لیا۔ یہ واٹر کورس تھا جو زمین کی سطح سے چھ فٹ اونچا تھا اور میری زمین میں سے گذرتا تھا۔ میں نے اس طرح زمین کی آمدنی ۵۵ ہزار روپے لگائی تھی۔ میرے والد صاحب کو جب اس منصوبے کا علم ہوا تو وہ بہت ناراض ہوئے اور کہا کہ تم بہت فضول خرچ واقع ہوئے ہو' علاقے کے لوگ بھی حیران تھے۔ لیکن اللہ کے فضل سے یہ منصوبہ کامیاب رہا اور ایک دفعہ بھی اس کی کارکردگی میں فرق نہیں آیا۔ لیکن جب اس کا پہلا بجٹ ۳۵ ہزار روپے ہوا جس میں ۲۴ ہزار روپے کا اضافہ تھا تو والد صاحب کو بہت خوشی ہوئی ، یعنی اب میری آمدنی ۲ ہزار کے بجائے ۳ ہزار ہو گئی تھی۔ چنانچہ انہوں نے میری کامیاب زمینداری سے خوش ہو کر مجھے اپنی پوری جائیداد کا مینیجر مقرر کر دیا۔ مینیجر کی حیثیت سے میں نے نہ صرف زمینوں کی دیکھ بھال کی بلکہ اس کی آمدنی میں بھی اضافے کی کوشش کی۔

سیاسی شعور کا آغاز

۴۷۔ ۱۹۴۶ء میں ایک نیم سرکاری تنظیم "زمیندارہ ایسوسی ایشن" کے نام سے بہاولپور میں قائم ہوئی تھی جس کے صدر میرے والد تھے۔ اراکین ایسوسی ایشن نے مجھے اس کا نائب صدر بنا دیا۔ میں ایسوسی ایشن کے اجلاسوں میں باقاعدگی کے ساتھ شرکت کرتا تھا اگرچہ ایسوسی ایشن کے ارکان میں میری عمر سب سے کم تھی لیکن اس کی کارگزاریوں میں میرا حصہ سب سے زیادہ تھا جو معاملات وہاں زیر غور آتے ان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا ایسوسی ایشن کا مقصد جہاں زمینداروں کے مسائل کا حل کرنا ان کی ترقی و بہبود کے لئے کام کرنا اور اُنکے حقوق و مفادات کی نگرانی کرنا تھا وہاں عام سیاسی و معاشی امور پر بھی غور و خوض کرنا اور اس سلسلے میں تجاویز پیش کرنا تھا ہندو مسلمان اور سکھ سب اس کے ممبر تھے۔

انہی دنوں میں مجھے مزارعین کی بہبود کا خیال آیا اور میں نے انجمن مزارعین بنا ڈالی۔ کاشتکاروں کو قرضہ کی سہولتیں بہم پہنچائیں اور نقشہ جات بنوا کر مختلف فصلوں کی کاشت کیلئے انہیں تیار کیا۔ اس انجمن کی جانب سے مزارعین میں بٹائی کا اصول طے کرایا۔

میرے والد صاحب زمینوں کو بیکار ضائع کرنے کے قائل نہیں تھے۔ لیکن جب میں دیکھتا کہ کوئی زمین کا ٹکڑا خالی پڑا ہوا ہے تو وہاں سڑکیں تعمیر کرا دیتا اور یہ کام عموماً رات کو کرتا تھا۔
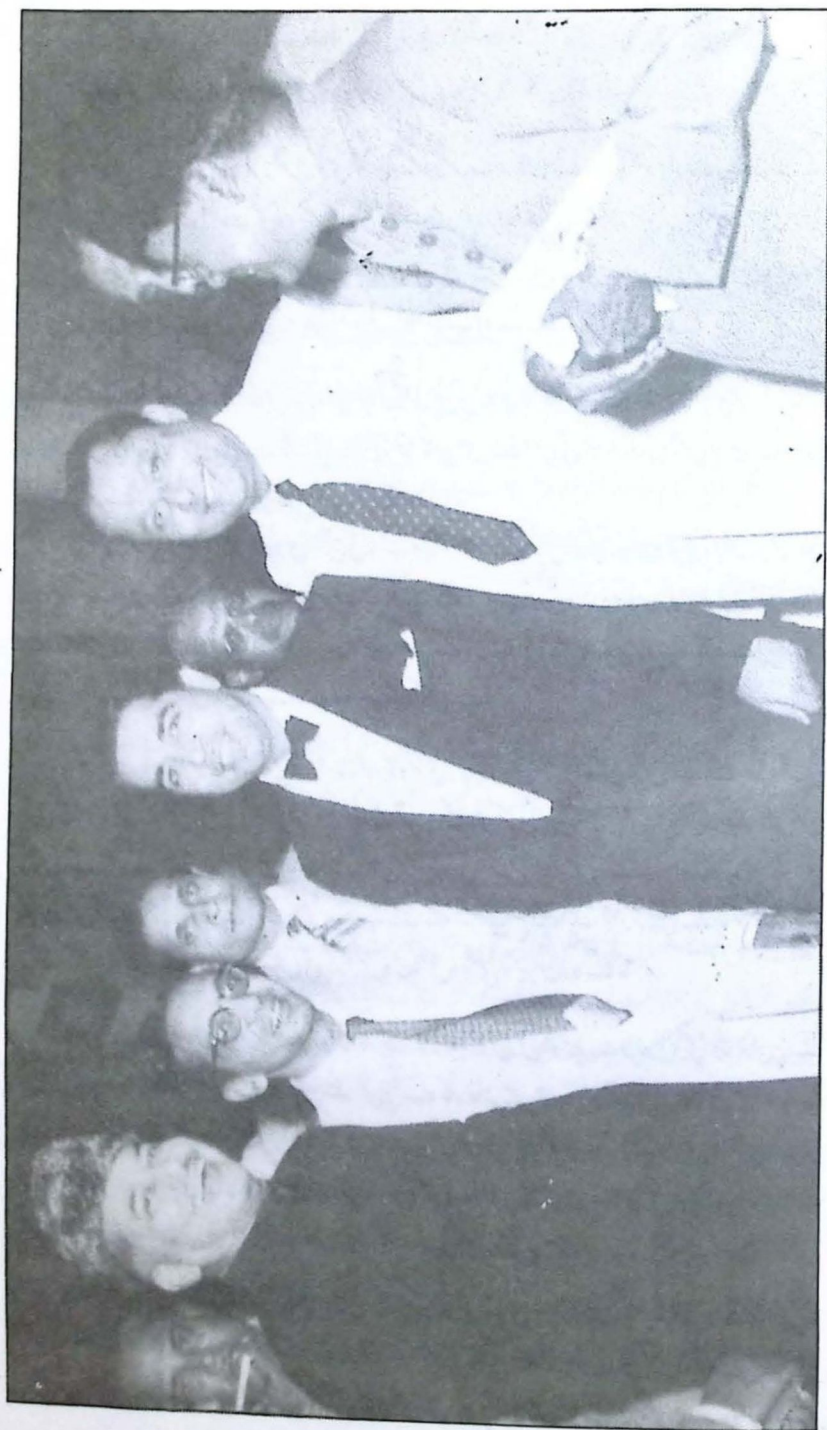
والد صاحب سے اختلاف

میری آزادروی اور طرز فکر ایسوسی ایشن کے دوسرے ارکان کے لئے بالعموم اور میرے والد کے لئے بالخصوص ناقابل برداشت تھی وہ جس قدر مصلحت بین اور دوراندیش تھے اور مسائل پر اظہار خیال . . . کے معاملے میں حزم واحتیاط سے کام لینے کے عادی تھے، میں اتنا ہی بےباک اور تیزوطرار تھا چنانچہ اکثر امور میرے اور میرے والد کے درمیان اختلاف کا موجب ہوتے تھے۔

مثلاً ریاستی قوانین کے مطابق یہ رواج تھا کہ والدین کی جائیداد کا اصل حقداران کا بڑا بیٹا ہوتا ہے۔ حالانکہ اس رواج کا براہ راست مجھے فائدہ پہنچتا تھا لیکن میں نے اس کی مخالفت کی جس پر میرے والد صاحب مجھ سے ناراض ہوگئے اور مجھ سے بولنا بھی چھوڑ دیا۔
یہ صورتحال دیکھ کر میں ایسوسی ایشن کی نائب صدارت سے مستعفی ہو گیا۔ اور دل برداشتہ ہو کر گھر سے چلا گیا۔ اس وقت میری جیب میں صرف ۷ روپے تھے۔ جب میری والدہ صاحبہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے مجھے بیس ہزار روپے دیئے اور کہا کہ خالی جیب گھر سے باہر نہ جاؤ۔ میں نے یہ روپے لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ بھی تو اصل میں میرے والد صاحب کی کمائی ہے۔

گھر سے باہر جا کر میں نے لیور برادرز اور دوسری کمپنیوں کی ایجنسیاں لیں جس سے مجھے کافی آمدنی ہوئی۔ اس زمانے میں بینکوں کا موجودہ طریقہ نہ تھا۔ مجھے جو آمدنی ہوتی انہیں اپنے پاس رکھتا۔ میں ان دنوں ایک چھوٹے سے کوارٹر میں رہتا تھا۔ لیکن ایجنسیوں کی آمدنی سے میں نے ایک موٹر خریدی اور اسی کوارٹر میں اپنے والد کی دعوت کی۔ والد صاحب کہتے تھے کہ اب تم مجھے ایک کوارٹر میں لے جا کر کھانا کھلاؤ گے۔ لیکن جب وہ وہاں گئے اور وہاں کی آرائش وزیبائش دیکھی تو حیران رہ گئے۔

اس کے بعد میں نے دھنپت مل والا کارخانہ اور پیر کاٹن مل جو میرے والد کی تھی مستاجری پر لے لئے۔ پھر سردار ہربنس سنگھ سے جو دھنپت مل والے کارخانہ میں حصہ دار تھا اس سے ۱۶/۳ حصہ لے لیا۔ میں نے کراچی میں دھنپت مل سے بات چیت کی تھی وہ بھی ۱۶/۳ حصہ دینے پر راضی تھا لیکن بعد میں ۱۹۴۷ء میں یہ صاحبان ترک وطن کر کے چلے گئے تو میں نے ای۔پی موں سے یہ کارخانہ اپنے نام الاٹ کرالیا۔ اس وقت سنگل کی آمدنی سے اس میں زیادہ آمدنی ہوتی تھی۔

جمال دین والی کے دوران قیام میں مجھے بہاولپور کی سیاسی سرگرمیوں کا مطالعہ کرنے کا موقع ملا تھا۔ آمرانہ اور ملوکانہ نظام حکومت کے خلاف جو تحریکیں ریاست میں چل رہی تھیں مجھے ان میں خاصی کشش معلوم ہوتی تھی۔ میرا دل چاہتا تھا کہ میں بھی عملی طور پر ان میں حصہ لوں لیکن میرے والد ان میں

مزاحم تھے۔ وہ پرانی وضع قطع کے آدمی تھے۔ امرائے بہاولپور سے احترام و آداب کے جو روابط خاندانی طور پر چلے آرہے تھے ان میں وہ کسی قسم کی رخنہ اندازی کے روادار نہ تھے۔ دربار بہاولپور کی طرف سے انہیں جو عزت و وقار حاصل تھا اس کا انہیں ہمیشہ پاس رہتا تھا۔ نواب سر صادق محمد خاں مرحوم نے انہیں مخدوم الملک کے خطاب سے بھی نوازا ہوا تھا۔ اس لئے یہ تمام باتیں اس راہ میں حائل تھیں جو میں عوامی سطح پر اختیار کرنی چاہتا تھا۔

بہرحال ان رکاوٹوں کے باوجود مجھے عمائدین ریاست سے ملنے اور ان سے تبادلہ خیالات کرنے کے مواقع حاصل رہے سر رچرڈ کرافٹن وزیر اعظم بہاولپور اور ای پی مون ریونیو منسٹر بہاولپور سے میری اکثر ملاقاتیں رہتیں۔ انہیں میرے عزائم و خیالات اور مجھے ان کے نظریات اور ریاستی پالیسی کا علم ہوتا رہتا تھا۔ وہ مجھے ایک ذہین اور ہونہار جوان کہہ کر ہمیشہ میری پذیرائی کرتے اور میری پرجوش گفتگو سے خوش ہوتے۔

لیکن ان تمام حوصلہ افزاء حالات کے باوجود مجھے عوامی سطح پر کوئی کام کرنے کی اجازت نہ ملی اور ۱۹۴۷ء میں، میں نے اپنا نجی کاروبار محمود اینڈ کمپنی کے نام سے کراچی میں شروع کر کے وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

تارکین وطن کیلئے میری امداد

قیام پاکستان کے وقت عجیب کیفیت تھی۔ جہاں مشرقی پنجاب اور ہندوستان کے دوسرے علاقوں سے مہاجرین یہاں آرہے تھے، یہاں کی غیر مسلم آبادی ہندوستان کا رخ کر رہی تھی۔ اس وقت مہاجرین کو یہاں آباد کرنے کا کام جہاں ہمارے پیش نظر تھا جس کے لئے ہم اپنی سی کوشش کر رہے تھے وہاں غیر مسلموں کو یہاں سے بخیر و عافیت رخصت کرنا بھی ہمارے فرائض میں سے تھا۔ ہمارے علاقے میں غیر مسلموں کی خاصی تعداد تھی۔ جن حضرات کے ذمے یہ کام تھا انہوں نے ان بے کس اور مجبور انسانوں کو بحفاظت یہاں سے رخصت کرنے کے بجائے انہیں بری طرح لوٹا اور بعض حضرات نے تو ٹرک بھر بھر کر انہیں سرحد پار پہنچانے کے بجائے گولی کا نشانہ بنا کر ہمیشہ کی نیند سلا دیا۔

میں نے اس وقت محض انسانی جذبہ کے تحت مسلح ہو کر انہیں سرحد عبور کرانے کی ذمہ داری قبول کی اور کم از کم اپنے علاقے کے ان لوگوں کو جو ہندوستان جانا چاہتے تھے اپنی حفاظت میں پاکستانی سرحد کے پار پہنچایا اور انہیں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچنے دیا۔ ان کا سارا مال و اسباب جو وہ اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے انہیں اپنے ساتھ لے جانے میں ان کی مدد کی۔ یہ لوگ عموماً دہلی گئے ہیں اور وہاں اپنے کام کاج میں مصروف ہیں۔ یہ آج بھی جب ۱۹۴۷ء کا وہ زمانہ یاد کرتے ہیں تو میری بے لوث خدمات کو یاد کر کے آنکھوں میں اشک بھر لاتے ہیں۔ اگر آج مجھے دہلی جانے کا موقع ملے تو یہ لوگ یقیناً میری بڑی آؤ بھگت

کریں گے۔

قائداعظمؒ سے ایک یادگار ملاقات

میرے والد اگرچہ عملی سیاست سے دور رہے تھے لیکن سندھ کی سیاست میں حصہ لیتے تھے اور وہاں کے سیاست دانوں سے ان کے تعلقات تھے۔ جب برصغیر کے مسلمانوں نے اپنے آزاد وطن کی تحریک شروع کی تو وہ مسلم لیگ کی اس تحریک سے قطعی طور پر خود کو الگ نہ رکھ سکے۔ چنانچہ انہوں نے اکثر مواقع پر مسلم لیگ کو اپنے گراں قدر چندوں سے نوازا۔ قائداعظم اور محترمہ فاطمہ جناح سے رابطہ کا آغاز بھی یہیں سے ہوا۔ جب پنجاب میں یونینسٹ گورنمنٹ کے خلاف تحریک چلی تو مجھے بھی اپنے والد کے ہمراہ ملیر ہاؤس کراچی میں قائداعظمؒ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ اس موقع پر میں نے رضاکارانہ طور پر اپنی خدمات اس تحریک کے لئے پیش کی تھیں، جس پر قائداعظمؒ نے مجھے اپنے علاقے میں مسلم لیگ کی تنظیم کا کام کرنے کا حکم دیا تھا۔

اس زمانے میں ریاست کے وزیر اعظم نواب مشتاق احمد گورمانی تھے۔ جن کا تقرر ملک فیروز خاں نون کی سفارش پر ہوا تھا۔ نواب گورمانی بڑی پراسرار شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی فصیح البیانی بہت مشہور تھی۔ لوگوں کو اپنا ہم نوا بنانے کا انہیں فن آتا تھا۔ جب پاکستان بنا تو ان کے متعلق مشہور تھا کہ وہ ریاست کا الحاق ہندوستان سے کرانا چاہتے ہیں۔ ان پر یہ الزام بھی تھا کہ وہ اس سلسلے میں کئی مرتبہ دہلی بھی گئے اور وہاں کانگرسی لیڈروں سے بھی ملے ہیں۔ بہاولپور میں جو لوگ نظریہ پاکستان کے مخالف تھے اور ریاست کو ہندوستان سے ملانے کیلئے کوشاں تھے ان کے متعلق بھی کہا جاتا تھا کہ انہیں نواب گورمانی کی سرپرستی حاصل ہے۔ مخالفین پاکستان کا یہ نعرہ تھا کہ ہمیں اس ڈومینین سے ملنا چاہئے جو ہمیں کھانڈ اور کپڑا دے سکے اور ہمیں زمینوں کی سیرابی کیلئے پانی مہیا کر سکے۔ ان لوگوں میں جو پیش پیش تھے ان میں علامہ رحمت اللہ ارشد، چودھری رحمت اللہ اور علی احمد رفعت خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ علامہ ارشد اور رفعت اخبار بھی نکالتے تھے جو بالترتیب کائنات اور ستلج تھے۔ جن میں پاکستان کے خلاف مضامین شائع ہوتے تھے۔

علامہ ارشد دینی مدارس کے انسپکٹر تھے لیکن یہ سرکاری ملازمت ان کی سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے سے انہیں روکتی تھی۔ وہ بے دھڑک سرکاری ملازمت کے باوجود سیاست میں حصہ لیتے تھے۔

بہرحال میرے زمانہ وزارت میں انہیں اسی بناء پر ملازمت سے فارغ کر دیا گیا۔ یہی فضا تھی جس کی بناء پر ریاست بہاولپور کے پاکستان میں الحاق کا مسئلہ تاخیر سے طے ہوا۔

قیام پاکستان سے پہلے بہاولپور میں مسلم لیگی خیال کے اخبارات بھی تھے۔ یہ انصاف اور نوائے مسلم تھے۔ جو بہاولپور کے کانگرسی اخبارات کے مخالفانہ پروپیگنڈے کا جواب دیتے تھے۔ نوائے مسلم کے مالک پیرزادہ سلیم اسلم ایڈووکیٹ تھے جو مسلم لیگ کے زبردست حامی اور تحریک پاکستان کو کامیابی

سے ہمکنار دیکھنا چاہتے تھے۔ انصاف کے ایڈیٹر حیات زرین تھے جنھوں نے کانگریسی اخبارات کا منہ توڑ جواب دیا۔ ظہور پاکستان کے بعد بہاولپور سے الہام ' پرواز اور مسلمان بھی نکلنے لگے ۔ ان اخبارات نے بھی مسلم لیگی نظریات کا ساتھ دیا اور کانگریسی اخبارات کے پروپیگنڈے کا توڑ پیش کیا۔ الہام کے مدیر شہاب دہلوی تھے جو قیام پاکستان سے پہلے دہلی سے یہ اخبار نکالتے تھے اور مسلم لیگ اور پاکستان کے زبردست حامیوں میں سے تھے۔ قیام پاکستان کے بعد یہ دہلی سے ہجرت کر کے بہاولپور آ گئے اور یہیں سے اپنے اخبار کا دوبارہ اجراء کر دیا۔ ان کے مسلم لیگ میں شامل ہونے سے کانگریسی اخبارات کا زور ٹوٹا۔

میرے دور وزارت میں تو بہاولپور کے اخبارات کی تعداد ایک درجن سے بھی زیادہ ہو گئی تھی بہر حال عبدالحمید صحرائی کے اخبار بے باک اور ملک حیات کے اخبار رہبر نے مسلم لیگی گروپ کو بڑی تقویت دی۔

اس گروپ نے مل کر کانگریسی اخبارات اور ان کے کرتا دھرتا لوگوں کی قلعی کھولنے کا پروگرام بنایا تھا انہوں نے ان کانگریسی اخبارات کے مضامین پر مشتمل بہت سے پمفلٹ بھی شائع کیے تھے اور پاکستان کو ان کے مذموم عزائم سے آگاہ کیا تھا ان پمفلٹوں میں گندم نما جو فروش اور برادران یوسف بطور خاص ذکر کے قابل ہیں جنہیں انہیں لوگوں کے مضامین نقل کر کے یہ ثابت کیا تھا کہ جو لوگ آج پاکستان کے ہمدرد بن رہے ہیں قیام پاکستان سے پہلے ان کا کردار و عمل کیا تھا۔

علامہ اقبال سے تعلقات

ملک کے جن عمائدین سے میرے والد کے خصوصی تعلقات تھے ، ان میں علامہ اقبال بھی شامل تھے۔ ان سے میرے والد کی خط و کتابت بھی تھی اور وہ بعض قومی امور پر بھی تبادلہ خیالات کرتے تھے۔ اپنے والد کے نام علامہ اقبال کے چند خطوط یہاں درج کرتا ہوں۔

لاہور

۲۳ جون ۱۹۳۷ء

مخدوم و مکرم جناب پیر صاحب

آپ کا نوازش نامہ ملا ، جسے پڑھ کر میں بہت متاثر ہوا اس ملک اور اس زمانے میں جبکہ اولیائے اسلام کی اولاد نے اپنے اسلاف کے تمام اوصاف کھو دیئے ہیں اور ان کی بزرگی کو اپنی ریاست کا ایک ذریعہ بنالیا ہے ' میں آپ کے وجود کو غنیمت تصور کرتا ہوں۔ مجھ کو یقین ہے کہ آپ کا اخلاص اور وہ محبت جو آپ کو حضور رسالت مآبؐ سے ہے آپ کے خاندان پر بہت بڑی برکات کے نزول کا باعث ہو گی۔ باقی میری نسبت جو حسن ظن آپ کو ہے وہ بھی محض آپ کے اخلاق کریمانہ کا نتیجہ ہے۔

مخلص محمد اقبال

لاہور

یکم جولائی ۱۹۳۷ء

مخدوم و مکرم جناب قبلہ پیر صاحب

آپ کا خط جو ملا ہے آپ کی صفائی باطن کی دلیل ہے کیونکہ میں بھی ۱۶ جولائی ۱۹۳۷ء کے بعد ہی کشمیر جانے کا عزم کر رہا ہوں۔ اگرچہ ابھی تک فیصلہ نہیں کر سکا۔ میرے لڑکے جاوید کا اسکول ۱۶ جولائی کو بند ہو گا۔ اگر میں نے قطعی فیصلہ کشمیر جانے کا کر لیا تو اس کو چند روز پہلے سکول سے چھٹی دلائی جا سکتی ہے۔ میں نے اپنے بعض دوستوں کو کشمیر کوٹھی کے لئے خطوط بھی لکھے ہیں جن کے جواب کی توقع آج یا کل تک ہے۔ میرے ایک دوست سید مراتب علی شاہ آرمی کنٹریکٹر نے پرسوں یہ بھی وعدہ کیا ہے کہ اگر آپ کشمیر جانے کا عزم کر لیں تو میری سب سے بڑی کار جس میں سات آٹھ آدمی بیٹھ سکتے ہیں آپ کشمیر لے جا سکتے ہیں' اگر سارے معاملے میں ایک رکاوٹ ہے جو اگر دور نہ ہوئی اور کوئی غیر متوقع رکاوٹ پیش نہ آئی تو میں اس کا آپ سے ذکر بوقت ملاقات زبانی کروں گا۔

امید ہے آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ اگر میں کشمیر جا سکا تو آپ کی معیت باعث برکت ہو گی۔

والسلام

محمد اقبال

جاوید منزل

۲۹ مارچ ۱۹۳۸ء

مخدوم الملک جناب قبلہ پیر صاحب

السلام علیکم۔ امید کہ میرا خط جو جمال الدین والی میں آپ سے پہلے پہنچ گیا تھا ، آپ کو مل گیا ہو گا۔ خدا کا شکر ہے کہ سفر میں صاحبزادہ بھی آپ کے شریک حال تھے۔ اس عمر میں سعادت حج نصیب ہونا ان کی خوش نصیبی کی دلیل ہے۔

میں نے آپ کے مخلص کا خط پڑھا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ کے احباب اور مخلصین آپ سے اس روحانیت کی بنا پر جو آپ نے اپنے آباؤ اجداد سے ورثے

میں پائی ہے بہت بڑی بڑی امیدیں رکھتے ہیں۔ ان امیدوں میں میں بھی شریک ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ آپ کو اس امر کی توفیق دے کہ آپ اپنی قوت 'ہمت' اثر' رسوخ اور دولت و عظمت کو حقائق اسلام کی نشر و اشاعت میں صرف کریں۔ اس تاریک زمانے میں حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی خدمت یہی ہے۔ کچھ عجب نہیں کہ جلد آپ کی طبیعت میں ایک بڑا انقلاب پیدا ہو جس کی ابھی تک آپ کو توقع نہیں۔ افسوس ہے کہ شمال مغربی ہندوستان میں جن بزرگوں نے علم اسلام بلند کیا ان کی اولادیں دنیوی، جاہ و منصب کے پیچھے پڑ کر تباہ ہو گئیں اور آج ان سے زیادہ جاہل کوئی مسلمان مشکل سے ملے گا۔ اللہ ماشاء اللہ۔ وقت تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ انہیں بزرگوں کی اولاد سے کسی میں روحانیت پیدا کر دے اور کلمہ اسلام کے اعلاء پر مامور کرے باقی خدا کے فضل سے خیرت ہے' امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔

میں آپ کے جانے سے چند روز بعد بیمار ہو گیا۔ یہاں تک کہ زندگی سے مایوسی تھی۔ دمے کے متواتر دورے ہوئے اب تک یہ سلسلہ جاری ہے گو دمے میں بہت کچھ افاقہ ہو گیا۔

والسلام
محمد اقبال

ظہور پاکستان اور بہاولپور کی سیاست میں میری شمولیت

جب پاکستان کا ظہور ہوا ہے میں اس وقت عملی طور پر تو کسی سیاسی جماعت سے وابستہ نہیں تھا۔ لیکن لاہور اور علی گڑھ کے ماحول نے میرے فکر و نظر کو مسلم لیگی خیالات سے ہم آہنگ اور نظریہ پاکستان کا ہمنوا، ضرور بنا دیا تھا۔ ادھر والد صاحب کا مسلم لیگ کی طرف جھکاؤ اور قائد اعظمؒ سے ان کے روابط ایسے محرکات تھے۔ جو مجھے مسلم لیگ کے لئے کام کرنے پر مجبور کر رہے تھے۔ چنانچہ جب قیام پاکستان کا اعلان ہوا تو نہ صرف دوسرے مسلمانوں کی طرح مجھے بے پایاں مسرت حاصل ہوئی بلکہ سیاسی میدان میں کام کرنے کا ایک جذبہ اور امنگ میرے دل میں انگڑائیاں لینے لگی۔

مجھے یقین تھا کہ بدلتے ہوئے حالات بہاولپور کے لئے بھی نوید جانفزا ثابت ہوں گے اور صدیوں سے غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ریاستی عوام اپنے ضمیر کی آزادی کے مطابق اپنا مستقبل تعمیر کر سکیں گے چنانچہ قیام پاکستان کے ساتھ ہی ریاست میں جمہوریت کی تحریک زور شور سے شروع ہو گئی۔

ریاست کے عوام دو سیاسی مکتب فکر میں بٹے ہوئے تھے۔ ایک طبقہ کانگریس اور نیشنلسٹ علماء کے زیر اثر تھا اور نظریہ پاکستان کا مخالف تھا۔ اور دوسرا مسلم لیگی نظریات کا حامی و موید تھا۔ لیکن اس نظریاتی اختلاف کے باوجود ریاست میں جمہوری نظام کے قیام پر سب متفق و متحد تھے۔ البتہ طریق کار دونوں کا مختلف تھا۔ ایک بیک جنبش قلم ریاستی نظام کو تبدیل کرنا چاہتا تھا اور دوسرا تدریج و امہال کا قائل تھا۔ اس سلسلے میں دونوں باہم دست و گریبان بھی ہوتے رہے تھے اور ایک دوسرے کے خلاف صف آراء بھی تھے۔ کانگریسی اور نیشنلسٹ خیال کا گروہ اگرچہ منظم تھا اور وسائل و ذرائع بھی نسبتاً زیادہ رکھتا تھا لیکن مسلم لیگی خیال کا گروپ کم استطاعتی اور تنظیمی اعتبار سے کمزور ہونے کے باوجود خاصا فعال بھی تھا اور مخالف گروپ کے لئے کافی دردسر بھی بنا ہوا تھا۔

قیام پاکستان سے پہلے اگرچہ قانونی طور پر بیرون ریاست کی سیاسی جماعت کے نام پر یہاں کوئی جماعت قائم نہیں ہو سکتی تھی لیکن پاکستان کے ساتھ ہی عملاً یہ پابندی ختم ہو گئی اور متذکرہ دونوں گروپوں نے باقاعدہ جماعتی تنظیم کا آغاز کر دیا۔ مسلم لیگی خیال کا گروپ تو خیر بجا طور پر اب کھلم کھلا خود کو مسلم لیگی کہتا تھا اور مسلم لیگ کے نام پر اپنی تنظیم قائم کرنے میں بھی حق بجانب تھا لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ جو قیام پاکستان سے پہلے مسلم لیگ کے ازلی دشمن تھے اور مسلم لیگی نظریات کو مسلمانوں کے حق میں سم قاتل کہتے تھے وہ بھی راتوں رات چولا بدل کر مسلم لیگی بن گئے تھے اور مسلم لیگی گروپ سے بالا ہی بالا آل پاکستان اسٹیٹس مسلم لیگ سے مل کر ریاست میں ریاستی لیگ کی تنظیم کرنے کے ذمہ دار بن گئے تھے۔

چونکہ مجھے قیام پاکستان سے قبل اس نیشنلسٹ اور کانگریسی گروپ کی ریشہ دوانیوں کا پوری طرح علم نہیں تھا اور میں اسے جمہوریت کا علمبردار سمجھتا تھا اس لئے اس گروپ کے بعض سرکردہ افراد قیام پاکستان کے بعد ریاست میں مسلم لیگ کے قیام کی جدوجہد میں مجھے اپنا ہمنوا بنانے میں بھی ایک حد تک کامیاب ہو گئے اور میں نے حامی بھر لی تھی کہ میں ان کے ساتھ مل کر ریاست میں مسلم لیگ کی تنظیم کروں گا۔ اور جب یہ شاہی پلیٹ فارم بن جائے گا تو ہم اس پلیٹ فارم سے جمہوری نظام کے قیام کی مساعی کا آغاز کریں گے۔

ابھی آل پاکستان اسٹیٹس مسلم لیگ کی ہدایات کی روشنی میں بہاولپور میں ریاستی مسلم لیگ کی تنظیم کا پروگرام بن رہا تھا کہ مجھے اس گروپ کے کرتا دھرتا لوگوں کے سابقہ کردار کا پتہ چلا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے قیام پاکستان سے پہلے ریاست میں مسلم لیگی افکار کے لئے کام کیا تھا انہیں نظرانداز کر کے یہ لوگ جو دراصل کانگریس کے حامی تھے آج نہ صرف مسلم لیگ کے دامن میں پناہ لینا چاہتے ہیں بلکہ اس پر قبضہ کر کے حکومتی وسائل و اختیارات کے مالک و مختار بھی بن جانا چاہتے ہیں۔

اس عرصے میں مسلم لیگ کے حقیقی علمبرداروں سے بھی ملنے کا اتفاق ہوا۔ یہ لوگ مجھے بہت سیدھے اور مخلص نظر آئے۔ اپنے وسائل و ذرائع کے فقدان کے باوجود اُنکے حوصلے اور عزائم بلند تھے۔ جب اس گروپ نے مجھے اپنے ساتھ کام کرنے کی دعوت دی تو میں بلا تامل اس کے لئے آمادہ ہو گیا اور میں نے یہ حقیقت بخوبی ذہن نشین کرلی کہ جو لوگ مشکل اور نامساعد حالات میں ملک بھر کے مسلمانوں کی واحد نمائندہ تنظیم کا دامن پکڑے رہے ہیں اور رکاوٹوں کے باوجود تحریک پاکستان میں دل و جان سے حصہ لیتے رہے ہیں پاکستان کی بقا' ترقی اور استحکام کی حقیقی تمنا سے ان کے دل ہی سرشار ہو سکتے ہیں۔ نظریہ پاکستان پر جس فرد یا گروہ کو ذرا سا بھی شک وشبہ ہو' یا سیکولر طرز فکر اس کا شعار ہو وہ تاریخ پاکستان کے اس قافلے کا ساتھ زیادہ دور تک نہیں دے سکتا۔

یہ میرے بہاولپور کی سیاست میں عملی طور پر حصہ لینے کی ابتداء تھی۔ اس کے بعد میں نے ریاست میں مسلم لیگ کو کس طرح منظم کیا۔ مخالفین سے کس طرح دوبدو ہوئی۔ ان کا اثر کس طرح ٹوٹا اور اُن مراحل سے گزر کر بہاولپور میں جمہوری نظام کے قیام میں کامیابی ہوئی۔ یہ ایک طویل داستان ہے جس کی تفصیل آئندہ صفحات میں پیش کروں گا۔

باب دوم

جمہوریت کے آغاز سے پہلے دو عوامی وزراء کا تقرر

ریاست میں باقاعدہ اور منظم جمہوری حکومت کے قیام کی مساعی کے آغاز سے پہلے نواب بہاولپور نے حلقہ زمیندارانہ کی طرف سے میرے والد مخدوم الملک سید غلام میراں شاہ صاحب کو اور شہری آبادی کی طرف سے سید غلام مرتضیٰ شاہ صاحب کو جو ہائیکورٹ کے جج تھے کابینہ وزارت میں شامل کر لیا تھا۔ میرے والد کو وزارت مہاجرین اور سید غلام مرتضیٰ شاہ صاحب کو وزارت تعلیم کا قلمدان سونپا گیا تھا۔

قیام پاکستان کے بعد ریاست میں مہاجرین کی کافی تعداد آ گئی تھی جن کی آبادکاری اور بحالی کا مسئلہ خاصا پریشان کن تھا۔ ادھر جن غیر مسلموں نے یہاں سے آکر سکونت کی تھی ان کی جائداد کا انتظام و انصرام بھی کوئی آسان نہ تھا۔ میرے والد نے بحیثیت وزیر مہاجرین دونوں امور کی طرف خاص توجہ دی۔ اور نہایت جانفشانی سے کام لے کر ان مسائل کو بڑی خوش اسلوبی سے حل کیا۔ مہاجرین کو ان کے احوال کے مطابق آباد کرنے میں تو انہوں نے نہ صرف سرکاری سطح پر بلکہ ذاتی طور پر بھی دامے درمے قدمے سخنے ہر ممکن مدد کی اور اس کے صلے میں حکومت سے کوئی معاوضہ نہیں لیا۔ انہوں نے بطور ٹوکن ایک روپیہ ماہوار اپنی تنخواہ مقرر کرائی تھی۔

گورمانی صاحب کے بعد کرنل اے جے ڈرنگ

نواب مشتاق احمد گورمانی کی خدمات مرکزی حکومت کو سونپ دی گئیں اور وہ امور کشمیر کے وزیر بنا دیئے گئے۔ ان کے بعد یہاں کرنل اے جے ڈرنگ وزیر اعظم بن کر آئے۔ یہ پولیٹیکل سروس کے آدمی تھے۔ بڑے مدبر اور معاملہ فہم تھے۔ ریاستی مسائل پر بھی ان کی گہری نظر تھی۔ ان کی آمد کے بعد مخالفین نے ان کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔ اور انگریز وزیر اعظم کے خلاف ایک محاذ بنالیا۔ حالانکہ دیکھا جائے تو اس کا دم غنیمت تھا۔ ان پر کسی شخص سے رعایت کا الزام بھی نہیں لگ سکتا تھا۔ یہ بالکل غیر جانبدارانداز میں کام کر رہے تھے۔ لیکن کانگریسی حضرات نے انہیں بھی اپنی مخالفت کے لئے چن لیا اور ان کی فوری علیحدگی کا مطالبہ شروع کر دیا۔

اصلاحات کی پہلی قسط مشروط طور پر قبول کی گئی

۷ نومبر ۱۹۴۸ء کو اعلیحضرت امیر بہاولپور نے ریاست میں جمہوری حقوق کے سلسلے میں اصلاحات کی پہلی قسط کا اعلان کیا تھا جس کی رو سے مقامی ادارے یعنی پنچائتیں ' میونسپل کمیٹیاں اور ڈسٹرکٹ بورڈ وغیرہ عوامی سطح پر منظم ہونے تھے۔ شاہی فرمان میں کہا گیا تھا کہ سردست یہ قدم محدود ہے کیونکہ نئے رائے دہندگان اور عوامی نمائندگان کو اپنے فرائض کی ادائیگی اور اپنے اختیارات کو صحیح طور پر استعمال کرنے میں تجربہ اور وقت درکار ہے۔ جب آنے والی ذمہ داریاں سنبھالنے کی یہ پوری استعداد حاصل کر لیں تو پھر تمام ذمہ داری ان کے سپرد کر دی جائے گی۔

عوامی حلقے ان اصلاحات سے مطمئن نہ تھے۔ وہ گروپ جس پر کانگرسی ہونے کا الزام تھا اس نے تو ان اصلاحات کو قطعی مسترد کر دیا تھا لیکن پرانے مسلم لیگی گروپ نے بھی اس شرط کے ساتھ انہیں

قبول کیا تھا کہ ان اصلاحات پر عمل درآمد کے بعد دستور ساز اسمبلی کا فوری قیام عمل میں لایا جائے گا اور عبوری عرصے کے لئے پاپولر وزراء کا تقرر کیا جائے گا چنانچہ اس ردوقدح کا سلسلہ جاری تھا کہ ۲۲ جنوری ۱۹۴۹ء کو ایک پریس کانفرنس میں ریاست کے وزیر اعظم کرنل اے جے ڈرنگ نے یہ اعلان کیا:

> ''اعلیٰ حضرت امیر بہاولپور نے یہ منظور فرمالیا ہے کہ وہ آئندہ بہاولپور میں صرف آئینی حکمران کی حیثیت سے رہیں گے اور آپ کی ۲۵ سالہ سلور جوبلی کے موقع پر جو مارچ میں ہو رہی ہے وسیع پیمانے پر مزید اصلاحات کا اعلان کیا جائے گا''

ریاستی لیگ کا ڈھونگ

ابھی تک ان اصلاحات کا پوری طرح تعین نہیں ہوا تھا نہ سابقہ نافذ کردہ اصلاحات پر عمل در آمد شروع ہوا تھا کہ بہاولپور میں سیاسی پارٹیوں کی کشمکش عروج پر پہنچ چکی تھی ہر پارٹی خود کو مسلم لیگ کی دعویدار ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی تھی۔ اس وقت تک آل پاکستان سٹیٹس مسلم لیگ کا بھی ریاستوں میں خاصا عمل دخل تھا۔ وہ اور ریاستوں کی طرح بہاولپور میں بھی اپنے قدم جمانے کی فکر میں تھی۔ لطف کی بات یہ ہے کہ غیر لیگی گروپ اس کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا اور اس نے اس کی اشیرباد سے پرانے لیگیوں کو نظرانداز کر کے ریاستی لیگ کی ایک شاخ ریاست میں قائم بھی کر دی تھی۔ یعنی وہ لوگ جو صحیح معنی میں پاکستان بننے سے پہلے بھی مسلم لیگ کے حامی تھے دُودھ کی مکھی کیطرح اس ریاستی لیگ کی تنظیم سے خارج کر دیئے گئے تھے اور جنھوں نے مسلم لیگ اور پاکستان کی مخالفت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی وہ اس کے کرتا دھرتا بن بیٹھے تھے۔

یہی وہ وقت تھا جب میں نے بہاولپور کی سیاست میں عملی طور پر حصہ لینے کا فیصلہ کیا تھا پرانے مسلم لیگی جنہیں ریاستی مسلم لیگ نے نظرانداز کر دیا تھا میرے ساتھ شریک تھے ان میں بڑے انتھک اور مخلص کارکن بھی تھے جنھوں نے ریاست کے کانگرسی گروپ کی ریشہ دوانیوں کا قلع قمع کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا ان کے پاس بہاولپور کے اخبارات کے ایسے متعدد تراشے اور ایسا مطبوعہ میٹریل تھا جو مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کی مخالفت پر مشتمل تھا انہوں نے مختلف کتابچوں کے ذریعہ ان کانگرسیوں کی قلعی کھولی اور پاکستان کے مسلم لیگی حلقوں کو ان کے بھیانک ماضی کی تصویر دکھائی اس سلسلے میں میں نے بھی پہلی مرتبہ کراچی میں ایک پریس کانفرنس بلا کر ان کانگرسیوں کے اسٹیٹس مسلم لیگ سے گٹھ جوڑ کی پول کھولی اور ریاست کے حالات سے بیرون ریاست سیاسی حلقوں کو باخبر کیا۔

بہاولپور مسلم لیگ کنونشن کا انعقاد

میری طبیعت کا خاصا ہے کہ یا تو میں کوئی کام کرتا نہیں لیکن جب کرتا ہوں تو اسے انتہا تک پہنچا کر دم لیتا ہوں اور اس کے لئے نہ دن دیکھتا ہوں نہ رات چوبیس چوبیس گھنٹے لگاتار کام کر کے بھی نہیں تھکتا۔ چنانچہ جب میں نے بہاولپور میں مسلم لیگ کی تنظیم کا کام شروع کیا تو اپنی افتاد طبع کے مطابق ایک دن نچلا نہیں بیٹھا۔ کراچی کا دورہ کرنے کے بعد ریاست کے دور دراز علاقوں تک کا دورہ کیا۔ ایک سرے سے دوسرے تک بارہا گیا ہر جگہ سیاسی کارکنوں سے ملا اور زمینداروں کا وہ طبقہ جو اب تک بہاولپور کی عملی سیاست میں حصہ لینے سے کتراتا تھا اسے اپنے ساتھ کام کرنے پر آمادہ کیا جب ایک حد تک فضا ہموار ہو گئی تو میں نے اپنے رفیقوں کے مشورے سے ایک آل بہاولپور مسلم لیگ کنونشن منعقد کرنے کا

پروگرام بنایا۔

اس کنونشن کی خبریں اخبارات میں شائع ہوئیں تو مخالفین نے بوکھلا کر میرے خلاف پراپیگنڈہ مہم شروع کردی اور طرح طرح کی باتیں مجھ سے منسوب کر کے مقامی اخبارات کی زینت بنائی جانے لگیں جس کے بعد مجھے مجوزہ کنونشن کے متعلق ایک وضاحتی بیان جاری کرنا پڑا جس کا متن درج ذیل ہے ؛

"میری توجہ اس بیان کی طرف مبذول کرائی گئی ہے جو میری طرف سے کسی غیر ذمہ دار شخص نے اخبار کے تازہ ضمیمہ میں شائع کرایا ہے جو کچھ اس بیان میں میرے منہ سے کہلوایا گیا ہے اس کا مجھ سے اور واقعات سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ اخبار کے کسی نمائندے نے مجھ سے کراچی میں یا کراچی سے واپسی پر کوئی ملاقات ہی نہیں کی واقعہ یہ ہے کہ "آل بہاولپور مسلم لیگ" کی طرف سے جو کنونشن منعقد ہو رہا ہے میں اس کی استقبالیہ کمیٹی کا صدر ہوں اور اس کے انتظامات میری نگرانی میں ہو رہے ہیں یہاں میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میرا تعلق کسی جماعت سے نہیں رہا میں صرف پاکستان مسلم لیگ کا ایک ادنیٰ خادم اپنے آپ کو تصور کرتا ہوں اور اس کے نظریئے پر غیر متزلزل یقین رکھتا ہوں لیکن مقامی پارٹیوں کی باہمی آویزش سے نہ مجھے پہلے کوئی تعلق تھا اور نہ اب کوئی واسطہ ہے میں ہر اس جماعت سے مل کر کام کرنے کے لئے تیار تھا جو آل پاکستان مسلم لیگ کی وفادار ہو اور مسلمانوں کی صحیح طور پر نمائندہ ہو۔ اور اسلامی اخوت، یکجہتی اور مساوات کے اصولوں پر کام کرنا چاہتی ہو اس نظریئے کے ماتحت جب ریاستی مسلم لیگ کی تنظیم کا سوال پیدا ہوا تو میں نے شخصیتوں اور ذاتی میلانات سے بالاتر ہو کر مسٹر محمد محمود سیکرٹری مسلم لیگ کی دعوت پر لبیک کہی کیونکہ میرا مقصد ریاست بہاولپور اور پاکستان کی خدمت تھا۔ اس جماعت میں کچھ عرصہ کام کرنے کے بعد مجھ پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ ریاستی مسلم لیگ کی تشکیل صحیح جمہوری اصولوں پر نہیں ہو رہی اور بدقسمتی سے اس کا تنظیمی ادارہ ایسے لوگوں کے ہاتھ میں آ گیا ہے جو ریاستی مسلم لیگ کو ذاتی اغراض و مقاصد کی جولا نگاہ بنانا چاہتے ہیں ان کے فکر و نظر کا دائرہ اتنا تنگ ہے کہ اس میں سوائے ان کی ذات کے کسی کے سمانے کی قطعاً گنجائش نہیں ہے مجھے یہ دیکھ کر اور بھی تاسف ہوا کہ پرائمری لیگ کی ممبر سازی اس طریقے سے کی جارہی ہے کہ سوائے ایک خاص محدود جماعت کے ہواخواہوں اور حاشیہ برداروں کے

کوئی انتخاب میں نہ آسکے میرا اعتقاد یہ ہے کہ اسلام ایک ایسا نظام معاشرت وتمدن ہے جس کی بنیاد اخوت ومساوات کے قدرتی اصولوں پر ہے اور یہاں انا ولاغیری، مہاجر ومقامی، آباد کار وغیر آباد کار کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں چاہتا تھا کہ ہم سب مل کر ایک ایسی لیگ کی بنیاد ڈالیں جو قبائل اور مقامی عصبیتوں سے بالاتر ہو کر اور قید رنگ وبو سے آزاد ہو کر تمام بہاولپور کے مسلمانوں کو ایک مرکز پر جمع کر دے اور زمام اختیار ایسے لوگوں کے ہاتھ میں دے جو اہل ہوں اس قسم کے لوگ میری رائے میں امن، اتحاد اور یکجہتی کی روح پھونک سکتے ہیں اور ریاست کے بسنے والوں کی معیشتی و سیاسی اصلاح و ترقی کے لئے مفید ہو سکتے ہیں میرا یہی نظریہ تھا کہ ہماری لیگ کا نظام وطرز عمل اس طرح کا ہونا چاہئے کہ ہم آئندہ چل کر اپنی سیاست اور نظام حکومت کو شریعت اسلامی اور کتاب وسنت کے روشن اصولوں پر قائم کر سکیں۔

"میں نے ریاستی مسلم لیگ میں کچھ دن رہ کر یہ بخوبی دیکھ لیا کہ وہاں جو افراد کارفرما ہیں ان کے نظریات مسلم لیگ کے خلاف ہیں میں کسی ایسی جماعت کے ساتھ تعاون نہیں کر سکتا تھا جو کانگرسی یا غیر لیگی سیاست کی گود میں پلی ہو۔ میں ایسی جماعت کے اقتدار کو ملک وملت کے لئے ایک شدید خطرہ محسوس کرتا ہوں بایں ہمہ میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی صورت افتراق کی پیدا ہو اور میری خواہش یہی تھی کہ ریاستی مسلم لیگ کی تشکیل صحیح جمہوری اصولوں پر ہو اور خانہ ساز جماعت بندی وجانبداری کے الزام سے اس کا دامن پاک ہو۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اس کوشش میں ناکام رہا اور مسٹر محمود سیکرٹری اسٹیٹس مسلم لیگ نے میرے مطالبات کو تحریری طور پر درست تسلیم کرنے کے بعد ان کو ماننے سے انکار کر دیا اور اپنی معذوری کا اظہار کیا۔ ان حالات میں میرے لئے اور کوئی چارہ کار نہ رہا سوائے اس کے کہ میں ایک نام نہاد اور مفروضہ ریاستی مسلم لیگ سے کنارہ کش ہو جاؤں۔ ۱۵ فروری کو لیگ کنونشن ہو رہا ہے اس میں تمام بہاولپور کے باشندوں کو بلالحاظ طبقہ وبلاتعین جماعت دعوت عام دی جا رہی ہے تاکہ ہم سب مل جل کر ایک صحیح مسلم لیگ قائم کریں جس کا الحاق پاکستان مسلم لیگ سے ہو اور جو تنگ نظریوں اور خود غرضیوں سے محفوظ رہ کر ریاست بہاولپور کے مسلمانوں اور پاکستان کی صحیح خدمت سرانجام دے سکے اس لیگ کا دروازہ سب کے لئے کھلا ہے اور اس

کے انتخابات کھلے اور غیر جانبدارانہ ہوں گے اور سب کو ممبر بننے اور لیگ کی کمیٹیوں کے لئے ممبر منتخب کرنے کا موقع حاصل ہو گا۔

"اسلام زندہ باد پاکستان پائندہ باد"

یہ کنونشن ۱۵ فروری ۱۹۴۹ء کو بہاولپور کی عید گاہ کے وسیع میدان میں منعقد ہوا تھا۔ غالباً ریاست کی تاریخ میں اتنا بڑا سیاسی اجتماع پہلی بار ہوا تھا اور اس میں شہری آبادی کے علاوہ دیہی آبادی کی بھی بھرپور نمائندگی ہوئی تھی۔ کنونشن کے پہلے اجلاس کی صدارت مخدوم شمس الدین گیلانی سجادہ نشین اوچ شریف نے کی تھی۔ میں نے بحیثیت صدر مجلس استقبالیہ خطبہ استقبالیہ پیش کیا جس میں کنونشن کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالنے کے ساتھ ساتھ ریاست کے پرانے کانگرسی عنصر کے چہروں پر سے نقاب اٹھایا اور بہاولپور میں مسلم لیگ کو صحیح خطوط پر منظم کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔

کنونشن کی قرار دادیں

"پاکستان مسلم لیگ کی موجودگی میں کسی اور ریاستی مسلم لیگ کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے آل بہاولپور سٹیٹ مسلم لیگ کا نام پاکستان مسلم لیگ بہاولپور رکھا جائے اور اس کا باضابطہ الحاق آل پاکستان مسلم لیگ سے کرایا جائے"۔

کنونشن کے دوسرے اجلاس میں بھی گرما گرم تقریریں ہوئیں اور کئی قرار دادیں بھی منظور ہوئیں ایک قرار داد اس مضمون کی تھی کہ

"بہاولپور میں دستور ساز اسمبلی کا قیام عمل میں لایا جائے جس کے سب ممبران منتخب ہوں اسمبلی کے قیام سے قبل پاکستان مسلم لیگ بہاولپور کے مشورے سے عبوری حکومت بنائی جائے"

ایک اور قرار داد میں اسلامی اصولوں اور کتاب و سنت پر مبنی جمہوری نظام حکومت قائم کرنے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔

آخر میں طے پایا کہ پاکستان مسلم لیگ بہاولپور کی تنظیم اور انتخابات کی تکمیل تک اور کنونشن کے اغراض و مقاصد کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ایک کنوینر مقرر کیا جائے چنانچہ اس غرض کے لئے میرا نام پیش ہوا تو متفقہ طور پر سب نے اسے منظور کیا میں نے کنوینر منتخب ہونے پر جو تقریر کی تھی اس کا یہ جملہ قابل ذکر ہے۔

"میں ریاست میں خدا کی حکومت قائم کرانے کے لئے حتی الوسع
پرامن ذرائع سے اس وقت تک جدوجہد کرتا رہوں گا جب تک میں اور
میری جماعت اس نیک مقصد میں کامیاب نہ ہو جائے۔"

بہاولپور میں آل پاکستان مسلم لیگ کے شاخ قائم کرنے کی کوشش

یہ کنونشن بڑا کامیاب رہا تھا اور باہر کے اخبارات میں بھی اس کی خاصی پبلسٹی ہوئی تھی ابھی ہم سوچ رہے تھے کہ ہمارا دوسرا قدم کیا ہونا چاہئے کہ ہمیں معلوم ہوا کہ ۲۰ فروری ۱۹۴۹ء کو پاکستان مسلم لیگ کا اجلاس کراچی میں ہو رہا ہے چنانچہ طے پایا کہ بہاولپور کے مسلم لیگی کارکنوں کا ایک وفد اس موقع پر کراچی جاکر عمائدین مسلم لیگ سے ملے اور انہیں اس بات پر آمادہ کرے کہ وہ پاکستان مسلم لیگ کی باقاعدہ شاخ قائم کرنے کے لئے مسلم لیگ کے آئین میں ترمیم کرائیں۔

حسب قرارداد وفد کراچی گیا اور عمائدین مسلم لیگ سے ملا دوسرے رہنماؤں کے علاوہ سرحد کے وزیر اعلیٰ سردار اورنگ زیب سے بھی ملاقات کی جو مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کے رکن تھے انہیں جب بہاولپور میں کانگرسیوں کی ریشہ دوانیوں کا حال سنایا گیا اور مسلم لیگ کی قراردادیں بھی دکھائی گئیں تو وہ مسلم لیگ کونسل کے اجلاس میں یہ قرارداد پیش کرنے پر رضامند ہو گئے کہ ریاستی باشندوں کو بھی پاکستان مسلم لیگ کا ممبر بنانے کی اجازت دی جائے چنانچہ ۲۰ فروری کو مسلم لیگ کا اجلاس چودھری خلیق الزمان کی صدارت میں ہوا اور سردار اورنگ زیب نے حسب وعدہ متذکرہ قرارداد پیش کی تو خان لیاقت علی خان نے بھی اس کی تائید کی جس کے بعد مسلم لیگ کے آئین کی دفعہ ۶۵ میں متفقہ طور پر یہ ترمیم کی گئی کہ آئندہ پاکستان میں شامل ہونے والی تمام ریاستوں کے باشندے بھی براہ راست مسلم لیگ کے ممبر بن سکتے ہیں اس موقع پر خان لیاقت علی خان نے اس قرارداد کی حمایت میں تقریر بھی کی جس میں کہا کہ اب پاکستان بن چکا ہے اور ریاستوں کے حالات بھی بدل چکے ہیں للذا ان بدلے ہوئے حالات میں پاکستان مسلم لیگ کے علاوہ کسی دوسری ایسی سیاسی جماعت کی ضرورت نہیں جو مسلم لیگ سے الگ ہو کر اپنی جداگانہ حیثیت کو برقرار رکھے۔

بہاولپور کیلئے تنظیمی کمیٹی کا قیام

اس تقریر اور پاکستان مسلم لیگ کے آئین میں ترمیم کا بہاولپور کے لیگی حلقوں میں بڑا خوشگوار اثر ہوا اور ہم نے پاکستان مسلم لیگ کی ہدایات کی روشنی میں بہاولپور میں مسلم لیگ کی تنظیم کرنے کا فیصلہ کیا چنانچہ لیگ کی مرکزی قیادت سے میں نے رابطہ قائم کیا جس کے بعد بہاولپور کے لئے ایک تنظیمی کمیٹی نواب افتخار حسین ممدوٹ کی سرکردگی میں بنادی گئی مجھے بھی اس کمیٹی کا رکن نامزد کیا گیا تھا مخالفین نے اس پر بڑا واویلا کیا اور

ایک محضرنامہ کے ذریعہ پاکستان مسلم لیگ سے یہ مطالبہ کیا کہ ان کی ریاستی لیگ کو پاکستان مسلم لیگ میں ایک صوبائی یونٹ کی حیثیت سے شامل تصور کیا جائے پاکستان مسلم لیگ نے نہ صرف اس مطالبے کو مسترد کر دیا بلکہ انہیں ہدایت کی کہ اپنی ریاستی لیگ کو فی الفور ختم کر دیں۔ لیکن یہ ان ہدایات کے بر خلاف اپنی ریشہ دوانیوں میں حسب سابق مصروف رہے اپنی ریاستی لیگ کے انتخابات بھی کرائے اور یہ تاثر دینے کی ناکام کوشش کی کہ انکی ریاستی لیگ ہی بہاولپور کی عوامی نمائندہ جماعت ہے لیکن بالآخر جب ان کا کوئی حربہ کامیاب نہ ہوا اور انہیں یقین ہو گیا کہ پاکستان مسلم لیگ کے تحت بہاولپور میں جو لیگ قائم ہونے والی ہے اس کو حکومت کا اعتماد حاصل ہو گا تو انہوں نے حیلے بہانوں سے اس میں گھسنے کی کوشش کی لیکن پرانے لیگی بھی ان کی طرف سے غافل نہ تھے لہٰذا انہوں نے پاکستان مسلم لیگ کی تنظیمی کمیٹی کے سامنے جس کا اجلاس عباس منزل میں نواب افتخار حسین خان ممدوٹ کی صدارت میں ہو رہا تھا یہ قرار داد پیش کر دی کہ

> ”کوئی صاحب جن کے متعلق یہ ثابت ہو جائے کہ وہ قیام پاکستان سے قبل ایک سال یا قیام پاکستان کے بعد پاکستان یا مسلم لیگ کے مفاد کے خلاف تخریبی کارروائی کرتے رہے ہیں وہ آئندہ دو سال تک صرف مسلم لیگ کے ابتدائی ممبر بن سکیں گے اور انہیں کوئی عہدہ یا ذمہ داری سپرد نہیں کی جائے گی“۔

تنظیمی کمیٹی نے یہ قرار داد منظور کر لی۔ اس کے بعد نواب ممدوٹ نے ایک پریس کانفرنس کے ذریعہ بہاولپور میں مسلم لیگ کی تنظیم کے کام پر اظہار اطمینان کیا اور ساتھ ہی یہ خوشخبری بھی سنائی کہ مسلم لیگ کی مرکزی کونسل میں ریاست بہاولپور کے لئے ۳۰ نشستیں مخصوص کی گئی ہیں بہر حال یہ ہماری جدوجہد کا نتیجہ تھا کہ نہ صرف بہاولپور میں مخالفین کی طرف سے قدم قدم پر رکاوٹیں کھڑی کرنے کے باوجود تنظیمی امور خوش اسلوبی سے انجام پاتے رہے بلکہ مرکزی لیگ کونسل نے بھی بہاولپور کو باضابطہ نمائندگی دینے کا فیصلہ کر لیا۔

میرے والد وزارت سے علیحدہ ہو گئے

مسلم لیگ کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں اور کچھ اپنی ذاتی مصروفیات کی بناء پر میرے والد وزارت مہاجرین سے مستعفی ہو گئے تھے اس لئے انہوں نے بھی میرے ساتھ مسلم لیگ کی تنظیم میں خاصا حصہ لیا اور بہاولپور کے طول و عرض کے دورے کئے۔

ہم باپ بیٹے نے بہاولپور میں مسلم لیگ کی تنظیم کے سلسلے میں محنت اور جانفشانی سے تو کام لیا ہی تھا لیکن اس غرض کے لئے بے دریغ روپیہ بھی صرف کیا تھا۔ اس وقت تک مسلم لیگ کے پاس کوئی ایسا فنڈ نہ تھا جو تنظیمی ضروریات پر خرچ کیا جا سکتا۔ اس کمی کو ہم نے اپنی ذاتی آمدنی سے پورا کیا اور جہاں جس

قدر روپے کی ضرورت ہوئی ہم نے اس پر خرچ کرنے میں ذرا تامل نہیں کیا۔

بہاولپور کی سیاست میں آنے سے پہلے میرا کراچی میں اچھا خاصا کاروبار تھا جو معقول آمدنی کا ذریعہ تھا۔ اس کی نہ صرف تمام آمدنی بہاولپور کی سیاست کی نذر ہوتی رہی بلکہ ان مصروفیات نے آگے چل کر مجھے اتنی مہلت بھی نہ دی کہ میں اپنے کاروبار کی دیکھ بھال کر سکوں نتیجہ یہ ہوا کہ بہت حد تک میرا کراچی کا تمام کاروبار ٹھپ ہو کر رہ گیا اور مجھے لاکھوں روپیہ کا نقصان ہوا تاہم میں مطمئن تھا کہ جس نیک مقصد کا میں نے بیڑا اٹھایا ہے وہ کامیابی سے ہمکنار ہو رہا ہے اور میری محنت کے ثمر سے بہاولپور کے عوام کو متمتع ہونے کی امید پوری ہو رہی ہے۔

باب سوم

نئی اصلاحات کا اعلان

۸ مارچ ۱۹۴۹ء کو اعلیٰ حضرت امیر بہاولپور نے نئی اصلاحات کا اعلان کر دیا جس کے مطابق یہ طے ہوا کہ

"ریاست بھر کے تمام مقامی اداروں کے منتخب ممبران کی تعداد ۱۶۶ ہو گی جن میں سے ۱۱۸ ممبران میونسپل کمیٹیوں کے اور ۴۸ ممبران ڈسٹرکٹ بورڈوں کے ممبر ہوں گے۔

۲۔ ریاست میں ایک کونسل قائم ہو گی جو مجلس کہلائے گی مجلس کے ارکان کی تعداد ۲۵ ہو گی ، جن میں سے ۱۶ ارکان کو مقامی اداروں کے ممبران منتخب کریں گے اور باقی ارکان کی نامزدگی اعلیٰ حضرت کریں گے۔

۳۔ ۲۵ ارکان کی ہی مجلس دو وزیر چنے گی جنہیں وزارت تعلیم وصحت اور وزارت لوکل گورنمنٹ کے قلمدان تفویض کئے جائیں گے۔

۴۔ دیگر وزراء اعلیٰ حضرت کے نامزد کردہ ہوں گے ، جن کو وزارت مال وغیرہ کے محکمے سونپے جائیں گے اور وزیر اعظم کو حکومت پاکستان والئ ریاست کی رضامندی سے مقرر کرے گی۔

اس اعلان کے ساتھ ہی یہ واضح کر دیا گیا تھا کہ ڈسٹرکٹ بورڈوں اور میونسپل کیٹیوں کے لئے ممبران کا انتخاب آخر مارچ سے شروع ہو کر ماہ اپریل کے وسط تک مکمل ہو جائے گا اور آخر اپریل میں کونسل کی تشکیل عمل میں آئے گی۔

اصلاحات منظور کر لیں

یہ اصلاحات اگرچہ جمہوری نقطہ نظر سے خاصی تشنہ اور ناکافی تھیں لیکن ہم نے اس خیال سے انہیں قبول کر لیا کہ آمریت کو جمہوریت میں تبدیل کرنا بیک جنبش قلم بہت مشکل ہے۔ صدیوں کی روایات ختم ہوتے ہوتے ہی ہوں گی اور پھر چونکہ حکومت پاکستان بھی ریاستوں کو آہستہ آہستہ جمہوریت کی راہ پر ڈالنا چاہتی ہے اس لئے بھی ہم نے فیصلہ کیا کہ سردست اس کو قبول کر لینا چاہئے۔
یہ جو اصلاحات نافذ کی گئی تھیں یہ اپنے طرز میں "ڈیارکی سسٹم" تھا جس کے متعلق عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ اسے جہاں بھی نافذ کیا گیا یہ کامیاب نہیں ہو سکا بہر حال ہم نے اس سلسلے میں جہاں صبر و تحمل سے کام لیا وہاں اسے ایک چیلنج سمجھ کر بھی قبول کر لیا چنانچہ آئندہ واقعات سے یہ ثابت ہو گا کہ ہم نے اس تجربے کو کامیاب کر کے دکھایا جس کے بعد اعلیٰ حضرت مکمل جمہوری نظام ریاست میں قائم کرنے پر مجبور ہو گئے گو اس میں پورے چار سال لگ گئے لیکن بالاخر ہم نے اپنی منزل کو پا لیا اور یہ ثابت کر دیا کہ ہم حکومت کی تمام ذمہ داریوں سے عہدہ بر آ ہونے کے قابل ہیں۔

بلدیاتی انتخابات میں ہماری کامیابی

پروگرام کے مطابق بلدیات کے انتخابات اپریل تک مکمل ہو جانے چاہئیں تھے لیکن کچھ انتظامی دشواریوں کی وجہ سے اپریل کی بجائے مئی میں یہ انتخابات ہوئے یہ انتخابات سیاسی معرکہ آرائی کی حیثیت رکھتے تھے ریاستی لیگ اور پاکستان مسلم لیگ بہاولپور دونوں میدان میں تھیں۔ ان انتخابات میں حصہ لینے کے لئے دونوں کی طرف سے امیدوار نامزد کئے گئے تھے اور دونوں کی طرف سے زور و شور سے کنویسنگ ہوئی تھی۔ ویسے مسلم لیگیوں کا یہ پہلا امتحان تھا جس میں انہوں نے شاندار کامیابی حاصل کی اور بلدیاتی اداروں کی کل ۱۱۸ نشستوں میں سے ۹۰ نشستیں اور ڈسٹرکٹ بورڈ کی ۴۸ نشستوں میں سے ۴۲ نشستیں مسلم لیگ نے جیت لیں۔

مجلس کے انتخابات اور ہماری کامیابی

بلدیاتی انتخابات کے بعد مجلس کے انتخابات کا مرحلہ باقی تھا اس غرض کے لئے ۱۸ مئی ۱۹۴۹ء مقرر تھی ڈسٹرکٹ بورڈوں کے ۴۸ ممبران کو مجلس کے لئے ۱۲ ارکان اور میونسپل کیٹیوں کے ۱۱۸ ممبران

کو ۴۱ ارکان چننے تھے۔ اس انتخاب کے نتائج بھی مسلم لیگ کی توقع کے عین مطابق بر آمد ہوئے اور ۱۶ میں سے ۱۵ نشستیں مسلم لیگ کے حصے میں آئیں ان منتخب ہونے والے ممبران میں ایک میں بھی تھا۔ اس کے بعد مجلس کے مسلم لیگی ارکان نے مجھے مجلس میں مسلم لیگ پارٹی کا لیڈر منتخب کر لیا چنانچہ ۲۹ مئی ۱۹۴۹ء کو بہاولپور مجلس کے منتخبہ ارکان کے ایک اجتماع سے ریاست کے وزیر اعظم کرنل اے جی ڈرنگ نے خطاب کیا تو ان کے جواب میں مجھے تقریر کرنے کا موقع ملا میری اس تقریر کا لب لباب یہ تھا۔

"ہم سب نے عزم کیا ہے کہ نہایت درجہ اخلاص اور یکجہتی کے ساتھ بہاولپور کے عوام کی خدمت کریں گے اور ان کے حالات درست کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ کوشش کریں گے امید ہے کہ حکومت کے جملہ کارکنان ہمارے ساتھ پورا پورا تعاون کریں گے۔ عالی مرتبت وزیر اعظم نے اس سلسلے میں جو یقین دلایا ہے ہم اس کے شکر گزار ہیں"۔

دو عوامی وزراء کا انتخاب

نافذ کردہ اصلاحات کے مطابق بہاولپور مجلس کی تشکیل کے بعد مجلس کے صدر کا انتخاب ہونا تھا جس کے لئے ممبران مجلس نے سید عنایت حسین شاہ کو منتخب کیا شاہ صاحب پنجاب کے سابق چیف سیکرٹری مسٹر فدا حسین کے خسر تھے اس انتخاب کے بعد مجلس کے ممبران میں سے دو وزیر لئے جانے تھے اور اس کے لئے میرے مشورے سے میاں فتح محمد لالیکا کو لیا گیا۔ مجھے تعلیم و صحت پبلٹی اور لوکل باڈیز کے محکمے سپرد کئے گئے جب کہ لالیکا صاحب کو پنچایت 'ایگریکلچر' سول سپلائز کے محکمے سونپے گئے۔

سب سے کم عمر وزیر

میری عمر اس وقت ۲۷ سال بھی نہیں ہوئی تھی اور اس لحاظ سے پاکستان کے تمام وزراء میں میں سب سے کم عمر تھا۔ اس میں یقیناً میری مساعی سے زیادہ اللہ رب العزت کا مجھ پر کرم تھا یہ ایک طرح سے میرا امتحان بھی تھا مخالفین تو کہتے ہی تھے کہ یہ کل کا لڑکا کیا حکومتی کاروبار چلائے گا میں بھی اپنی جگہ اسے ایک غیر معمولی ذمہ داری سمجھتا تھا جسے بہر حال میں نے خود اعتمادی سے نبھایا اور لوگوں نے دیکھ لیا کہ جسے وہ کل کا لڑکا سمجھتے ہیں وہ کسی بھی آموزدہ کار سیاستدان سے کم نہیں۔ بہر حال کابینہ وزارت میں عوامی نمائندوں کے علاوہ جن صاحبان کو شامل کیا گیا تھا ان میں خان بہادر سید احمد فنانشل کمشنر اور بریگیڈیئر محمد عباس ولی عہد ریاست شامل تھے اور کابینہ کی سربراہی وزیر اعظم ریاست کرنل اے جی ڈرنگ کے سپرد تھی۔

ملازم کا انتخاب

وزیر بننے کے بعد مجھے اپنے اردلی کا انتخاب خود کرنے کا اختیار دیا گیا تھا جب میرے سیکرٹری نے اس سلسلے میں مجھ سے دریافت کیا تو میں نے کہا کہ دارالسلام (سرکاری مہمان خانہ) میں جو چپڑاسی مقرر ہے اس کی خدمات مجھے دے دی جائیں۔ اس چپڑاسی سے نہ تو میری شناسائی تھی اور نہ اس کے کام کاج کا تجربہ تھا۔ لیکن کئی سال پہلے کی بات ہے کہ جب میں اس وقت کے وزیر اعظم کی دعوت پر بہاولپور آیا تھا اور دارالسلام کے مہمان خانے میں وزیر اعظم کے ایماء پر ٹھہرا تھا تو اس چپڑاسی سے واسطہ پڑا تھا اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ میں وزیر اعظم کا مہمان ہوں بلکہ اس نے ناخواندہ مہمان سمجھ کر میرا سامان کمرے سے اٹھا کر باہر رکھ دیا تھا اور پھر مجھے وزیر اعظم سے رابطہ قائم کر کے اس صورت حال سے مطلع کرنا پڑا تھا۔ غرض اس نے اس وقت مجھے سرکاری مہمان خانہ میں ٹھہرنے کی اجازت دی جب اسے یہ اطمینان ہو گیا کہ واقعی میں وزیر اعظم کا مہمان ہوں۔

میں نے بحیثیت وزیر اپنا اردلی بنانے کے سلسلے میں اسے بلوایا تو وہ اس واقعہ کو یاد کر کے بہت ڈرا۔ اس کا خیال تھا کہ میں اس بد تمیزی کا اس سے بدلہ لوں گا لیکن جب وہ میرے پاس آیا اور میں نے اسے بتایا کہ میں نے اپنے اردلی کیلئے اسکا انتخاب کیا ہے تو وہ بخوشی تیار ہو گیا۔

وفاداری کا مظاہرہ

یہ شخص جس کا نام محمد سعید تھا میری وزارت ختم ہونے کے بعد بھی میرے ساتھ رہا یہ بڑا وفادار اور خیر خواہ انسان تھا۔ پوری عمر اس نے میرے ساتھ نبھادی ایک دفعہ میری سیاسی فضول خرچی کے نتیجے میں مجھے مالی بحران سے واسطہ پڑا اور میری خانگی ضروریات کے لئے بھی چند روپوں کے سوا میرے پاس کچھ نہ تھا تو یہی محمد سعید جو میرا واقف حال بھی تھا مجھ سے دو دن کی رخصت لے کر اچانک غائب ہو گیا میں تو سمجھا کہ شاید میری تنگ دستی نے اسے مجھ سے دور کیا ہے لیکن ایک دن بعد ہی جب اس نے آکر میرے سامنے روپوں کی ایک تھیلی یہ کہہ کر رکھی کہ یہ میری اب تک کی کمائی ہے جو میں نے آپ سے ہی حاصل کی ہے تو میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ یہ پورے بیس ہزار روپے کی رقم تھی اس کے بعد میرے پرائیویٹ سیکرٹری نے یہ خیر خواہی دیکھی تو وہ بھی بھاگ دوڑ کر کے کہیں سے بیس ہزار روپے لے آئے اور اس طرح تنگی ترشی کے وہ دن پورے ہو گئے۔

مسلم لیگ کی طرف سے اظہار مسرت

چونکہ اب تک جتنے اقدامات ہوئے تھے وہ سب پاکستان مسلم لیگ بہاولپور کی نمایاں کامیابی کے

مظہر تھے اس لئے مسلم لیگ نے اس موقع پر اظہار مسرت کے طور پر ایک جلوس نکالنے کا فیصلہ کیا جو میری رہائش گاہ عباس منزل سے نکلا اور شہر کے تمام بازاروں سے ہوتا ہوا ٹاؤن ہال (موجودہ پبلک لائبریری) پر آکر ختم ہوا اس جلوس میں عوام نے بڑے جوش و خروش سے شرکت کی تھی مجلس کی منتخبہ و نامزد کردہ ممبران اور مسلم لیگی وزراء بھی شریک جلوس تھے جلوس کے شرکاء پر جگہ جگہ پھولوں کی بارش کی گئی عجب عید کا سا سماں تھا سید احمد نواز شاہ گردیزی مرحوم ایک سفید گھوڑے پر سوار جلوس کے آگے آگے تھے۔

مجلس میں میری پہلی تقریر

جون میں اس نو منتخب مجلس کا اجلاس ٹاؤن ہال بہاولپور میں ہوا میں نے اور میرے ساتھی وزیر فتح محمد لالیکا کے علاوہ اراکین مجلس نے حلف اٹھائے کرنل ڈرنگ وزیر اعظم بہاولپور نے مجلس کے قیام پر اعلیٰ حضرت کا پیغام تہنیت پڑھ کر سنایا پھر میں نے تقریر کی جس میں میں نے کہا کہ

> "اس ریاست میں یہ پہلا موقع ہے کہ عوام اور حکومت کے نمائندے ایک دوسرے کے دوش بدوش کاروبار حکومت میں حصہ لینے کے لئے جمع ہوئے ہیں میں اس مبارک موقع پر اپنی پارٹی کی طرف سے اعلیٰ حضرت امیر بہاولپور کی خدمت میں تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ یہ امر موجب مسرت ہے کہ ریاست کی پہلی مجلس میں باشندگان ریاست کے دوش بدوش آباد کار بھی ہیں زمیندار بھی اور کاشتکار بھی، شہری بھی اور دیہاتی بھی حتیٰ کہ غیر مسلم اقلیت کا نمائندہ بھی موجود ہے۔
>
> جہاں تک موجودہ اصلاحات کا تعلق ہے میں قانونی موشگافیوں سے قطع نظر یہ سمجھتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت سرکار عالی کا یہ منشا ہے کہ ریاست کے جملہ مسائل پر سرکاری اور عوامی نمائندے کامل یگانگت کے ساتھ سوچ بچار کیا کریں گے۔
>
> میری پارٹی جس کو آل پاکستان مسلم لیگ کی دوستی اور تعاون کا شرف حاصل ہے ہمہ وقت اس امر کی کوشش کرے گی کہ باشندگان ریاست کے تمام طبقوں میں اتحاد، اخوت اور یگانگت قائم رکھے اور ان سب کا معیار زندگی بلند کرنے اور ان کے موجودہ حالات کو بہتر بنانے کے لئے ہر ممکن اقدام کرے۔
>
> ہمارا منتہائے مقصود چونکہ ریاست میں اسلامی شریعت کی اساس پر مبنی کامل ذمہ دارانہ نظام حکومت ہے اس لئے میں اپنی پارٹی کی طرف سے اس

"قرار داد مقاصد" کا خیر مقدم کرتا ہوں جو حال ہی میں آنریبل لیاقت علی خان وزیر اعظم پاکستان کی تحریک پر پاکستان کی مجلس دستور ساز نے منظور کی ہے۔

میں ایوان کی توجہ پاکستان کے موجودہ سیاسی مسائل کی طرف بھی مبذول کرانا چاہتا ہوں پاکستان کا دفاع و استحکام ہر وقت ہمارے پیش نظر رہنا چاہئے کشمیر کا مسئلہ جس وقت تک منصفانہ طور پر خوش اسلوبی سے طے نہیں ہو جاتا پاکستان کا دفاع یقیناً خطرے میں ہے اور ان حالات میں ہمیں اپنے انتہائی مقدور تک یکجہتی، بے غرضی اور تندہی سے کام کرنا چاہئے"۔

حزب اقتدار حزب اختلاف بن گئی

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ ایگزیکٹو کونسلران اور نامزد ممبران کے مقابلے میں منتخب ممبران اسمبلی اور وزراء میں حد امتیاز قائم رکھنے کے لئے ہم نے مجلس کے پہلے ہی اجلاس میں اپنی نشستیں سرکاری ممبران سے علیحدہ کر لیں اور خود کو اپوزیشن کی حیثیت دے دی۔ اس کے ساتھ ہی جہاں ہم نے اپنے محکموں کے سلسلے میں عوامی نمائندگان کے سامنے جوابدہ ہونا قبول کیا وہاں ایگزیکٹو کونسلروں کے محکموں پر اپنی تنقید کا حق تسلیم کرا لیا گویا یہ مجلس اپنی نوعیت کی انوکھی مجلس تھی ہم وزارت میں بھی شامل تھے اور حزب اختلاف کا کردار بھی ادا کرتے تھے عموماً تو یہ ہوتا ہے کہ اسمبلی میں حزب اقتدار کی چلتی ہے لیکن ہم نے اس کے برعکس حزب اقتدار کو اپنی مرضی کے تابع بنا لیا۔

تعلیمی ترقی میں میری مساعی

تعلیم کا شعبہ میری تحویل میں آنے کے بعد ریاست میں تعلیمی سرگرمیاں کافی تیز ہوئیں میں تعلیم کو انسان کی بنیادی ضرورت سمجھتا ہوں اور یہ رائے رکھتا ہوں کہ اگر قوم کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنا ہے تو اسے زیور علم سے پوری طرح آراستہ ہونا چاہئے چنانچہ اسی جذبے کے تحت میں نے ریاستی عوام کو تعلیم کی ممکنہ سہولتیں فراہم کرنے کی کوشش کی اس سلسلے میں اکتوبر ۱۹۴۹ء کے مہینے میں ایک تعلیمی کانفرنس منعقد کرائی گئی۔ یہ کانفرنس ایس ای کالج میں میری صدارت میں منعقد ہوئی اور اس میں طلبہ کے والدین، طلبہ اور اساتذہ نے شرکت کی۔ مقصد یہ تھا کہ سب مل کر اس امر پر غور کریں کہ ریاست میں تعلیم کا معیار کس طرح بڑھایا جائے اور اس راہ میں جو مشکلات حائل ہیں انہیں دور کرنے کی کوشش کی جائے میں نے اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ

"کچھ عرصے سے میں کالج اور ریاست کے دیگر تعلیمی اداروں کے حالات کا بغور مطالعہ کر رہا ہوں اور مجھے یہ احساس ہے کہ ریاست میں تعلیم کے معیار کو بلند کرنے کے لئے فوری طور پر اصلاحات کی ضرورت ہے۔

میں تمام ریاست کے طلبہ کے والدین سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ آنے والی نسل کو بہتر بنانے میں اور ان کو پاکستان کی سچی خدمت کے لائق بنانے میں ہمارے ساتھ پورا تعاون کریں۔

یہ ایک بین حقیقت ہے کہ اساتذہ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ والدین کی صحیح تربیت کا بھی طلبہ پر بڑا اثر ہوتا ہے میں اساتذہ اور والدین دونوں سے پُر زور اپیل کرتا ہوں کہ وہ پوری طرح متحد ہو کر اپنے نوجوانوں کی حالت سدھاریں اور ان کو صحیح راستہ پر چلائیں۔ حقیقت میں پاکستان کی فلاح' اقتصادی مضبوطی اور قوت کا دارومدار تعلیم پر ہے۔

میں نے تعلیمی اداروں کی اصلاح اور تعلیم کا معیار بلند کرنے کے لئے ایک منصوبہ بنایا ہے جس کی تفصیل عنقریب آپ کو معلوم ہو جائے گی سردست جو تجاویز منظور کی گئی ہیں ان میں سے چند یہ ہیں

۱۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی طرح طلبہ کے لئے ایک یونیفارم ضروری کر دی گئی ہے ان کو ذاتی پہچان کے لئے کارڈ بھی دیئے جائیں گے۔

۲۔ طلبہ کی عام نگرانی اور انفرادی طور پر ان کی نگہداشت کے لئے خصوصی انتظامات کئے جائیں گے۔

۳۔ نماز فوجی تربیت اور کھیل کالج کے تمام طلبہ کے لئے ضروری قرار دے دیئے گئے ہیں۔

۴۔ طلبہ کی معلومات میں اضافے کے لئے مباحثے، تعلیمی کانفرنسیں تاریخی و جغرافیائی حیثیت سے اہم بیرونی مقامات کے دوروں کے لئے رقوم مختص کی گئی ہیں۔

۵۔ کھیلوں میں عمدہ تربیت کے لئے ماہرین کی خدمات حاصل کی جائیں گی۔

۶۔ تعلیم اور کھیل دونوں میں طلبہ کی ہمت افزائی کے لئے چند مزید وظائف منظور کئے گئے ہیں۔ لاوارث اور غریب طلبہ کو ریاست اور بیرون ریاست تعلیم حاصل کرنے کے لئے خاص طور پر وظائف دیئے جائیں گے۔

بہر حال ریاست کے تعلیمی مسائل ہر وقت میری توجہ کا مرکز رہیں گے اور

میری کوشش ہوگی کہ ریاست میں تعلیم کا معیار اتنا بلند ہو کہ وہ صرف ریاست کے عوام کے لئے ہی نہیں بلکہ پاکستان کے باشندوں کے لئے بھی باعث اطمینان ہو"۔

یوں تو مجھے ریاست کی ہمہ جہتی ترقی کی فکر دامن گیر رہتی تھی لیکن جو شعبے میری تحویل میں تھے یا میرے ساتھی وزیر کے پاس تھے انہیں اصلاح و ترقی کی جو مساعی کی جا سکتی تھیں ان کے لئے میں کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔ چنانچہ ریاست کا ۵۰۔ ۱۹۴۹ء کا جو بجٹ مرتب ہوا اس میں میری کوشش سے تعلیم اور زراعت کے شعبوں کے لئے سابقہ ادوار کے مقابلہ میں بیش از بیش رقوم مختص کی گئیں مثلاً محکمہ تعلیم کے لئے گذشتہ سال کے مقابلہ میں ۶ لاکھ روپے زائد رکھے گئے اور اس طرح زراعت کے سلسلے میں جو رقم مختص کی گئی وہ سابقہ بجٹ کے مقابلہ میں ڈھائی لاکھ روپے زائد تھی چنانچہ اس اضافی رقم سے ریاست میں مزید چار ہائی سکول چار مڈل سکول اور ساٹھ پرائمری سکول کھولے گئے۔ اس کے علاوہ بہاولنگر انٹر کالج میں ایف ایس سی کی کلاس کا اجراء کیا گیا۔ صنعتی سکول کی ترقی کے لئے ۲۵ ہزار روپے کی زائد رقم خرچ کی گئی۔ طبی شعبے میں بھی صرف وکٹوریہ ہسپتال کی ترقی و توسیع کے لئے ڈیڑھ لاکھ روپے رکھے گئے۔ دیہی علاقوں میں ڈسپنسریاں کھولنے کی گنجائش رکھی گئی اس طرح زراعت کی ترقی کے لئے زائد رقوم مختص کرنے کے علاوہ ان تجاویز کو بروئے کار لایا گیا جن سے پیداوار میں اضافہ ہو۔

علامہ شبیر احمد عثمانی سے استفادے کی کوشش

میرا ارادہ ریاست کی تعلیم میں ایک انقلابی تبدیلی پیدا کرنے کا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ طلبہ میں صحیح اسلامی سیرت پیدا کرنے کے لئے پرائمری سے مڈل جماعتوں تک نصاب تعلیم میں اس ضرورت کے مطابق ترمیم کی جائے۔ میں اس سلسلے میں ہندوستان گیر شہرت کے حامل ماہرین تعلیم کی مجلس مشاورت طلب کرنی چاہتا تھا چنانچہ اس غرض کے لئے میں نے علامہ شبیر احمد عثمانی، ڈاکٹر ذاکر حسین اور سید سلیمان ندوی سے رابطہ بھی قائم کر لیا تھا لیکن میری خواہش کے مطابق ڈاکٹر ذاکر حسین اور سید سلیمان ندوی تو بہاولپور تشریف نہ لا سکے لیکن علامہ شبیر احمد عثمانی نے میری درخواست کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے اپنی بیماری اور ضعف و اضمحلال کے باوجود بہاولپور آنا قبول فرما لیا چنانچہ ۹ دسمبر ۱۹۴۹ء کو وہ بہاولپور تشریف لائے اور میری رہائش گاہ عباس منزل میں قیام فرمایا۔ یہاں تین روز تک وہ نصاب تعلیم کے سلسلے میں بہاولپور کے ماہرین تعلیم کے ساتھ تبادلہ خیالات کرتے رہے۔

علامہ عثمانی کی وفات

یہ سلسلہ ابھی جاری تھا اور کوئی قطعی رائے مرتب نہیں ہو سکی تھی کہ ۱۳ دسمبر کو صبح کے وقت اچانک ان پر دل کا دورہ پڑا میں نے ڈاکٹروں کو فوراً طلب کیا جنھوں نے انہیں بچانے کی ہر ممکن تدبیر کی لیکن کوئی دوا کارگر نہ ہوئی اور صبح گیارہ بجے انہوں نے اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ میں نے اس حادثہ فاجعہ کی اطلاع حکومت پاکستان اور مولانا کے اعزا کو دی۔ ساتھ ہی تجہیز و تکفین کے انتظامات شروع کر دیئے۔ ساڑھے تین بجے مولانا کی میت ہزاروں آدمیوں کے ہجوم میں ایس ای کالج کے گراؤنڈ میں لائی گئی جہاں ساڑھے چار بجے کے قریب ان کی نماز جنازہ ادا کی گئی جس میں عوام کی کثیر تعداد کے علاوہ عمائدین حکومت اور عام وزراء نے شرکت کی۔ نماز جنازہ کے بعد ان کا جنازہ پاپیادہ بہاولپور ریلوے سٹیشن پہنچایا گیا جہاں سے کراچی میل کے ذریعہ کراچی کے لئے روانہ ہو گیا۔ دیگر متعدد حضرات کے علاوہ میں بھی جنازے کے ساتھ کراچی گیا۔ مجھے اس حادثے کا دوگنا صدمہ تھا ایک تو یہ کہ مولانا جیسی عظیم علمی شخصیت سے ہم محروم ہو گئے اور دوسرا یہ کہ جس نیک مقصد کے لئے انہیں بہاولپور آنے کی زحمت دی گئی تھی وہ بھی پوری طرح حاصل نہ ہو سکا بہرحال یہ فخر بہاولپور کو حاصل رہا کہ یہاں کے نصاب تعلیم کی تدوین میں علامہ شبیر احمد عثمانی جیسی شخصیت کے ابتدائی مشورے ہمارے شریک حال رہے۔

مخالفانہ سرگرمیاں

حالانکہ میری یہ پالیسی رہی تھی کہ میں کاروبار حکومت میں بلاامتیاز و جماعتی تفریق ہر ایک کے ساتھ مساوی سلوک کروں سیاسی طور پر بھی یہ چاہا کہ ہر شخص کو خدمت کا موقع دیا جائے۔ یہاں تک کہ جو لوگ قیام پاکستان سے قبل مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کے مخالف رہے تھے ان کی معاندانہ و مخالفانہ روش کے باوجود حتی الامکان پاکستان مسلم لیگ بہاولپور کی تنظیم میں بھی حصہ دیا۔ حالانکہ میری جماعت کی اکثریت ان کے ساتھ اس حسن سلوک کی مخالف تھی لیکن میں نے ان کی ناراضگی بھی گوارا کی اور ان لوگوں کو مسلم لیگ میں بھی جگہ دی لیکن ان کی معاندانہ روش میں کبھی کمی نہیں آئی اور جب بھی موقع ملا انہوں نے میرے خلاف کسی ہنگامہ آرائی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی چنانچہ بہاولپور مجلس کے قیام کے بعد ریاست کی سیاسی فضا قدرے پرسکون تھی کہ اچانک میرے خلاف ایک شورش برپا کر دی گئی اور میرے خلاف بہاولپور مجلس میں قرارداد عدم اعتماد پیش کرنے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ بعض ممبران مجلس کی جانب سے وزیر اعظم بہاولپور کو ایک محضر نامہ بھی پیش کیا گیا جس میں مجھ پر اظہار عدم اعتماد کرنے کے ساتھ ساتھ یہ کہا گیا تھا کہ وہ میرے بجائے مخدوم روشن چراغ صاحب کو اپنا لیڈر بنانا چاہتے ہیں۔

میرے خلاف اعلیٰ حضرت کے نام کا استعمال

اس قرار داد کے پس پردہ تو دراصل وہی کانگرسی عنصر تھا جس کا ذکر اوپر کیا جاچکا ہے لیکن جنہیں اپنا آلہ کار بنایا گیا تھا ان میں سید غلام مرتضیٰ شاہ اور مخدوم روشن چراغ خاص طور پر قابل ذکر ہیں مخدوم روشن چراغ، میجر شمس الدین کے واسطے سے ولی عہد بہادر اور نواب بہاولپور کے قریب تھے اور اس تعلق کی وجہ سے لوگوں میں یہ تاثر دیا جاسکتا تھا کہ نواب صاحب مجھے مجلس کی قیادت سے ہٹانا چاہتے ہیں چنانچہ انہوں نے اس سلسلے میں یہ پروپیگنڈہ بھی کیا اور اس غلط تاثر کے تحت اکثر ممبران مجلس سے میرے خلاف عدم اعتماد کی قرار داد پر دستخط بھی کرالئے جب حالات نے یہ نازک صورت اختیار کی تو مجبوراً مجھے اخباری بیان کے ذریعہ یہ احتجاج کرنا پڑا کہ

> "بعض سرکاری افسران نہ صرف ناجائز طور پر ممبران مجلس کو میرے خلاف قرار داد عدم اعتماد پر دستخط کرنے پر مجبور کر رہے ہیں بلکہ اعلیٰ حضرت کا نام بھی استعمال کر رہے ہیں"۔

میرے اس احتجاج کے بعد اعلیٰ حضرت نے ۸ جنوری ۱۹۵۰ء کو یہ بیان جاری کیا کہ

> "ہمیں یہ سن کر بے حد افسوس ہوا ہے کہ بعض سیاسی اقتدار کے متمنی صاحبان رائے عامہ کو متاثر کرنے کے لئے لوگوں میں یہ پراپیگنڈہ کرتے ہیں کہ سیاسی معاملات میں ہمارا ہر قسم کا تعاون انہیں حاصل ہے۔ ہمیں نظام نو کی کامیابی کے سوا کسی فرد یا افراد کی مخصوص کامیابی یا ناکامیابی سے قطعاً کوئی دلچسپی نہیں ہے"

قرار داد کا انجام

اس بیان کا خاطر خواہ اثر ہوا اور مخالفانہ سرگرمیوں میں کافی فرق پڑا۔ بہرحال یہ بات میرے اور میرے دوستوں کے لئے تعجب انگیز تھی کہ چند ماہ میں مجھ میں وہ کون سی خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں کہ جو لوگ کل تک میرے حامی تھے وہ میرے خلاف عدم اعتماد کا اظہار کرنے لگے ہیں۔ تحریک عدم اعتماد پر دستخط کرنے والے وہ صاحبان بھی تھے جو مسلم لیگ کے ٹکٹ پر منتخب ہوئے تھے اس لئے مسلم لیگ ان کے خلاف پارٹی ڈسپلن کے تحت کارروائی کر سکتی تھی لیکن اس کی نوبت نہ آئی اور بھٹکے ہوئے راہی خود بخود راہ راست پر آ گئے چنانچہ ۶ فروری ۱۹۵۰ء کو جب مجلس کا اجلاس اس غرض کے لئے منعقد ہوا تو سید غلام مرتضیٰ شاہ نے جو اس قرار داد کے محرک تھے وہ اس پر بحث کو ملتوی کرنے کی درخواست کرنے لگے اور چودھری فرزند علی ممبر مجلس کے اس قانونی نکتے پر کہ اس پر بحث سے پہلے اس کے آئینی پہلو پر غور کرنا

ضروری ہے شاہ صاحب نے کہا جناب صدر قرار داد پر بحث کرنے کے بجائے اس کے قانونی پہلو پر بحث کی اجازت دے دیں۔

میں نے اس مرحلے پر مداخلت کرتے ہوئے کہا کہ

"میں قانون کا فائدہ اٹھانا نہیں چاہتا میری خواہش ہے کہ اگر ممبران مجھے اس قابل سمجھتے ہیں تو قیادت اور وزارت پر قائم رہوں گا ورنہ اپنے سے بہتر آدمی کے لئے جگہ خالی کرنے کو تیار ہوں اور اکثریت کے روبرو اپنا سر تسلیم خم کر دوں گا"۔

چونکہ شاہ صاحب کو یہ حقیقت معلوم ہو چکی تھی کہ ان کی پیش کردہ قرار داد کی حمایت میں کوئی بھی ممبران کے ساتھ نہیں اس لئے وہ کسی بہانے سے اسے ملتوی کرانا چاہتے تھے لیکن ہاؤس نے التوا کی اجازت نہ دی اور صدر مجلس کو شاہ صاحب سے یہ کہنا پڑا کہ وہ اپنی قرار داد واپس لے لیں یا اس پر فیصلہ کرا لیں چنانچہ انہوں نے اپنی تحریک واپس لینے کی درخواست کی جس کی صدر مجلس نے اجازت دے دی۔ غرض اس طرح وہ قرار داد جس پر مخالفین کو نوے فیصد اراکین مجلس کی حمایت کا دعویٰ تھا اس کی محرک کے علاوہ کسی ایک ممبر نے بھی تائید نہ کی اور محرک کو اپنی قرار داد واپس لینی پڑی۔

مخالفوں کی کاروباری ذہنیت

میرے مخالفین کا رویہ میرے ساتھ ہمیشہ ذاتی نوعیت کا رہا اگر یہ اختلاف اصولی ہوتا تو مجھے خوشی ہوتی لیکن ان کی سیاست تو ذاتیات کے گرد گھومتی تھی جہاں ان کے مفادات پر زد پڑتی وہ بلبلا اٹھتے اور ذاتی نقصان کو قومی نقصان کا نام دے کر میرے خلاف واویلا شروع کر دیتے۔ قرار داد عدم اعتماد کی ناکامی کے بعد انہیں یہ فکر لاحق تھی کہ کہیں وہ مراعات جو تجارت وغیرہ کے سلسلے میں انہیں حاصل ہیں ان سے محروم نہ ہو جائیں چنانچہ اس کے سدباب کے لئے وہ مجھ سے ضمانت چاہتے تھے اور اس کے عوض مجھے یہ اطمینان دلانا چاہتے تھے کہ آئندہ وہ میری کبھی مخالفت نہیں کریں گے میں اس سودے بازی کے حق میں نہ تھا جہاں تک تجارتی واقتصادی مفادات کا تعلق ہے میرے نزدیک اس میں سب برابر کے شریک تھے کوئی اس وجہ سے تجارتی مفادات سے محروم نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ میرا یا حکومت کا مخالف ہے لہٰذا میں یہ ضمانت دینے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتا تھا کہ انہیں یہ اطمینان دلا دیا جائے کہ ان کی سیاسی مخالفت کے نتیجے میں انہیں کوئی اقتصادی یا معیشتی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا چنانچہ ایک دن ان میں کچھ صاحبان میری قیام گاہ پر جمع ہوئے اور انہوں نے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ اگر وہ اس اصول کو تسلیم کر لیں کہ "تجارت ہماری اور سیاست آپ کی" تو ہم کبھی آپ کی راہ میں مزاحم نہیں ہوں گے میں نے اس کے جواب میں کہا کہ مجھے صرف اس بات کی ضمانت چاہئے کہ آپ پورے خلوص کے ساتھ مسلم لیگ میں کام

کرنے کا عہد کریں گے جہاں تک دوسرے مفادات کا تعلق ہے بہاولپور کے دوسرے شہریوں کی طرح آپ بھی ان کے مستحق ہوں گے۔ اور میں محض اس بنا پر کہ آپ میرے سیاسی مخالف ہیں آپ کو تجارتی، اور کسی مراعات سے محروم نہیں کروں گا اس کے باوجود انہوں نے میرے اطمینان کے لئے ایک عہد نامہ پر دستخط کر کے میرے حوالہ کر دیا جس میں میری قیادت میں مسلم لیگ کا کام پورے خلوص سے کرنے کا عہد کیا گیا تھا اندازہ کیجئے کہ یہ حصول مقاصد کے لئے کس حد تک آگے چلے جاتے تھے اور انہیں اپنا ذاتی مفاد کس درجہ عزیز تھا۔

مسلم لیگ کے انتخابات

بہر حال ۶ جون ۱۹۵۱ء کو پاکستان مسلم لیگ بہاولپور کے انتخابات ہوئے تو چودھری رحمت اللہ مرحوم نے جو ہمارے سب سے زیادہ مخالف تھے میرے والد مخدوم الملک سید غلام میراں شاہ کا نام صدارت کے لئے تجویز کیا جسے اتفاق رائے سے منظور کر لیا گیا دیگر عہدیداران یہ منتخب ہوئے تھے۔

۱۔ سینئر وائس پریذیڈنٹ	میاں فرید خان لالیکا
۲۔ جونیئر نائب صدر (۱)	حاجی شیر محمد
۳۔ جونیئر نائب صدر (۲)	چودھری فرزند علی ایڈووکیٹ
۴۔ جنرل سیکرٹری	شیخ عبدالرحمٰن ایڈووکیٹ
۵۔ جوائنٹ سیکرٹری	(۱) چودھری محمد شفیع (۲) حاجی عبدالغفور رحمانی (۳) شیخ عبدالحمید صحرائی
۶۔ خزانچی	سید احمد نواز شاہ گردیزی

مجلس عاملہ کا قیام

۱۱ر جولائی ۱۹۵۰ء کو صدر مسلم لیگ نے اپنے خصوصی اختیارات سے مندرجہ ذیل مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کا اعلان کیا۔

۱۔ مخدوم زادہ حسن محمود	لیڈر لیگ اسمبلی پارٹی
۲۔ میاں فتح محمد لالیکا	وزیر زراعت
۳۔ سردار محمد افضل خان لغاری	ممبر مجلس
۴۔ میاں محمد بخش لکھویرا	ممبر مجلس
۵۔ مخدوم محمد محسن شاہ	ممبر مجلس
۶۔ مخدوم شمس الدین گیلانی	ممبر مجلس

۷۔ چودھری امام دین	صدر بلدیہ بہاولپور
۸۔ چودھری بشیر احمد چیمہ	صدر ضلع لیگ (یزمان)
۹۔ چودھری عبدالحمید	جنرل سیکرٹری ضلع مسلم لیگ رحیم یار خان
۱۰۔ راؤ حفیظ الرحمٰن	ہارون آباد
۱۱۔ ملک محمد اسلم	رحیم یار خان
۱۲۔ چودھری جمال الدین	ممبر مجلس
۱۳۔ سید شہاب دہلوی	سینئر نائب صدر بلدیہ بہاولپور
۱۴۔ چودھری عبدالغنی	فورٹ عباس
۱۵۔ حافظ احمد یار	بہاولپور
۱۶۔ مولوی محمد اصغر	

مخالفین کی مایوسی

مخالف عنصر کو توقع تھی کہ انہیں مجلس عاملہ میں ضرور نمائندگی ملے گی لیکن جب انہیں اس میں اپنا کوئی نام نظر نہ آیا تو وہ اپنے عہد نامے کے باوجود آپے سے باہر ہو گئے اور یہ اعتراض جڑ دیا کہ صدر کو مجلس عاملہ نامزد کرنے کا اختیار نہیں چونکہ یہ اعتراض مسلم لیگ کے آئین و ضوابط کے خلاف تھا اس۔ لئے اس کی کہیں کوئی شنوائی نہ ہوئی اور اس طرح پاکستان مسلم لیگ بہاولپور کی تشکیل کا مرحلہ مخالفین کی زبردست مخالفتوں کے باوجود خیر و خوبی سے طے ہو گیا۔

جمہوری نظام کی مساعی اور مخالفین کا کردار

بہاولپور میں مسلم لیگ کی تشکیل کے بعد اب جمہوری نظام حکومت کے قیام کی مساعی میں بظاہر کوئی رکاوٹ نہیں رہی تھی اور یہ توقع تھی کہ اب جماعتی بنیاد پر جمہوریت کا حصول آسان ہو جائے گا لیکن ہمارا وہ مخالف ٹولہ جو ہماری مخالفت کا کوئی نہ کوئی بہانہ تلاش کرتا رہتا تھا اب بھی نچلا نہیں بیٹھا اور کچھ نہیں تو اس نے ریاستی وزیر اعظم کے خلاف ایک نیا محاذ کھول دیا ان کا مطالبہ تھا کہ ریاست کا وزیر اعظم جو انگریز ہے اسے فی الفور یہاں سے ہٹا کر اس کی جگہ کسی مسلمان کا تقرر کیا جائے۔

حالانکہ انگریز وزیر اعظم کے تقرر سے نہ اسلام کو کسی قسم کا خطرہ لاحق تھا اور نہ ریاستی مسلمانوں کے مذہبی رسوم و عقائد پر کوئی زد پڑتی تھی لیکن یہاں تو غرض مخالفت سے تھی چاہے وہ مخالفت برائے مخالفت ہی کیوں نہ ہو اس لئے انہوں نے اسے بھی ایک جذباتی مسئلہ بنا دیا اور بڑے پیمانے پر اس کے خلاف مظاہروں کا سلسلہ شروع کر دیا یہاں تک کہ مسلم لیگ کونسل کے اجلاس میں بھی اس مضمون کی قرار داد

پیش کر دی گئی کہ سال رواں کے اختتام تک کرنل ڈرنگ وزیر اعظم ریاست بہاولپور کو وزارت عظمیٰ کے عہدے سے فارغ کر کے ان کی جگہ کسی مسلمان کو ریاست کا وزیر اعظم مقرر کیا جائے۔

کونسل میں اس قرار داد پر بڑی لے دے ہوئی اکثر ارکان نے اس قرار داد کے خلاف تقریریں کیں جن میں شیخ عبدالرحمٰن جنرل سیکرٹری مسلم لیگ شہاب دہلوی سید عبدالوہاب شاہ اور چودھری محمد اسحاق پیش پیش تھے اور انہوں نے انگریز وزیر اعظم کی علیحدگی کو موجودہ حالات کے تقاضوں کے خلاف قرار دیا تھا لیکن میں نے اس موقع پر صرف یہ کہا کہ

> "مجھے حیرت ہے کہ ہم اس بات کی کوشش کر رہے ہیں کہ موجودہ وزیر اعظم کے بعد جو شخص آئے وہ ہمارا منتخب کردہ ہو اور قرار داد کے محرک ابھی تک اس کے متمنی ہیں کہ دوسرا وزیر اعظم بھی حکومت پاکستان نامزد کرے"۔

مجلس کو برخاست کرانے کی کوشش

بہر حال اس کے بعد قرار داد مسترد کر دی گئی اور ہم نے ذمہ دارانہ نظام حکومت کے لئے پھر سے اپنی مساعی کا آغاز کر دیا۔ خیال تھا کہ جو طوفان اٹھایا گیا تھا وہ اب دب گیا ہے اور اب ہم زیادہ دلجمعی و یکسوئی کے ساتھ اپنی مہم کو تیز کر سکیں گے لیکن ہمارے مخالف بھی کوئی ایسے ویسے شاطر نہ تھے کہ آسانی سے ہمت ہار بیٹھتے۔ انہوں نے اس چلتی گاڑی میں اب روڑا اٹکانے کی یہ تدبیر سوچی کہ کسی طرح ہمیں بے وقوف بنا کر مجلس ہی کو برخاست کرا دیں۔ چنانچہ انہوں نے یہ مطالبہ کیا کہ وزارت تو بدستور قائم رہے لیکن مجلس فی الفور توڑ دی جائے کیونکہ یہ صحیح عوام کی نمائندہ نہیں۔ وہ یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ یہ ہمارے مخالف نہیں۔ ان کی یہ چال بالکل اس شعر کے مصداق تھی۔

مٹھی میں دل تمہارا لیا کس فریب سے
تعریف کی عدو کی تمہارے قدم لئے

لیکن ہم نے بھی کوئی کچی گولیاں نہیں کھیلی تھیں۔ ان کی شاطرانہ چالیں دیکھتے دیکھتے ہم میں بھی سیاسی شطرنج کا کچھ شعور پیدا ہو گیا تھا لہٰذا ہم نے اس تحریک کی قطعی حوصلہ افزائی نہ کی مخالفین نے پھر ایک قدم اور آگے بڑھ کر ایک تیر چلایا اور اعلیٰ حضرت امیر بہاولپور سے مل کر انہیں یہ بتایا کہ سرکار عالی کی رعایا اپنی موجودہ حالت پر مطمئن اور قانع ہے جمہوریت ان کے لئے سود مند نہیں لہٰذا اس سلسلے میں مزید کسی اقدام کی ضرورت نہیں بلکہ جو کچھ اب تک کیا گیا ہے اسے بھی ختم کر دیا جائے۔

اعلیٰ حضرت بڑے جہاندیدہ اور مدبر انسان تھے بھلا ان پر ان سیاسی بہروپیوں کا کیا اثر ہوتا ہاں یہ ضرور ہوا کہ جو لوگ انہیں اب تک جمہوریت کا علمبردار سمجھتے تھے ان کی نظر میں ان کی قلعی کھل گئی۔

جمہوریت کا کارواں بڑھتا رہا

اس قسم کے مواقع کے باوجود ہمارا سفر جاری رہا اور جمہوریت کا کارواں اپنی منزل کی طرف بڑھتا رہا مسلم لیگ کونسل یا مسلم لیگ کی مجلس عاملہ میں جہاں موقع ملتا ہم بڑے شد و مد کے ساتھ ریاست میں مکمل ذمہ دارانہ نظام حکومت کا مطالبہ کرتے ۲۹، ۳۰ اکتوبر ۱۹۵۰ء کو مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کا اجلاس ہوا تو اس میں ایک قرار داد منظور کی گئی جس میں اعلیٰ حضرت سے استدعا کی گئی کہ وہ جلد از جلد کامل ذمہ دارانہ نظام حکومت کا نفاذ فرمائیں ساتھ ہی میری سربراہی میں ایک مذاکراتی کمیٹی اس غرض کے لئے تشکیل دی گئی تاکہ وہ اعلیٰ حضرت سے مل کر باشندگان بہاولپور کا صحیح نصب العین پیش کرے۔

عوامی حقوق کی جدوجہد کے محاذ

ہماری عوامی حقوق کی جدوجہد کے دو محاذ تھے ایک اندرون ریاست جس کا تعلق براہ راست اعلیٰ حضرت امیر بہاولپور کی ذات سے تھا دوسرا بیرون ریاست جس کا تعلق پاکستان کی مرکزی حکومت سے تھا اندرون ریاست ہم اس امر کی کوشش کر رہے تھے کہ اعلیٰ حضرت ریاست کی عنان اقتدار عوام کو سونپ دیں اور بیرون ریاست ہماری کوشش یہ تھی کہ ریاستی عوام کے حقوق پاکستان کی سطح پر بھی تسلیم کئے جائیں اور انہیں قومی اداروں میں نمائندگی دی جائے۔

حکومت پاکستان نے پاکستان دستور ساز اسمبلی میں ریاست خیرپور اور ریاست بہاولپور کے لئے ایک ایک نشست مخصوص کی تھی جس کی نمائندگی کا اختیار والیان ریاست کو دیا گیا تھا ہم نے کوشش کی کہ پاکستان دستور ساز اسمبلی میں ایک کی بجائے کم از کم دو بہاولپور کے نمائندے ہوں اور ان کی نامزدگی نہ ہو بلکہ انکا انتخاب بہاولپور کی مجلس کرے۔

حکومت پاکستان اور ریاست کے مصارف

بہاولپور مسلم لیگ کونسل میں ایک قرار داد اس مضمون کی بھی منظور کی گئی تھی کہ

> ”حکومت پاکستان دفاع کے لئے جو ایک کروڑ روپے کی رقم ریاست بہاولپور سے وصول کرتی ہے اس میں کمی کی جائے“۔

اسکے علاوہ حکومت پاکستان نے سرحدی پولیس کے ۱۵ لاکھ روپے سالانہ اخراجات کا بوجھ بھی ریاست پر ڈال رکھا تھا جس وجہ سے ریاست کی تعلیمی، صنعتی اور اقتصادی ترقی میں رکاوٹ پڑ رہی تھی۔ جہاں تک پاکستان کے دفاع کا تعلق ہے ہم نے حکومت پر یہ واضح کر دیا تھا کہ اس کے لئے بہاولپور کے ۲۰ لاکھ باشندے ہر طرح کی جانی و مالی قربانیاں دینے کے لئے کمربستہ ہیں لیکن حکومت کا فرض ہے کہ وہ بہاولپور پر

مالی بوجھ اتنا ہی ڈالے جتنا وہ اسے اٹھانے کی سکت رکھتا ہے پھر یہ بات بھی ہمارے لئے سوہان روح تھی کہ مرکزی حکومت جس طرح دوسرے صوبوں کو امداد دیتی ہے اس طرح کسی قسم کی امداد بہاولپور کو نہیں دے رہی۔ حالانکہ مرکزی مصارف آمد کے سلسلے میں دیگر صوبہ جات کی طرح ریاست بہاولپور سے ہی آمدنی وصول کی جاتی ہے اور ریاست کی حدود سے جو ریل گزرتی ہے اس کی آمدنی اور ڈاک خانے کی آمدنی بھی کلیتہً مرکز کو جارہی ہے۔

ہمیں معلوم تھا کہ ریاست بہاولپور کی اقتصادی حالت پاکستان کے دوسرے صوبوں سے بہتر ہے فی کس آمدنی کے لحاظ سے ہم اول نمبر پر ہیں ہمارے مقابلے میں پنجاب مقروض ہے خدا نے ہمیں قدرتی وسائل سے بھی نوازا ہے اراضی کی زرخیزی اور آبپاشی کے ذرائع کی فراوانی ہے روئی اور نیشکر کی بہتات ہے اور ان سے تجارتی نفع اٹھانے کے لئے کارخانے قائم بھی ہیں اور مزید بھی قائم کئے جاسکتے ہیں لیکن مرکزی حکومت کا رویہ ہمارے ساتھ وہ نہیں تھا جو ہونا چاہئے تھا ہماری اقتصادی زندگی اور ہماری حکومت کی مالیات پر مرکزی حکومت کی پالیسی براہ راست اثرانداز ہوتی تھی اگرچہ ہم نے اپنی اقتصادی اور مالیاتی پالیسی کو حکومت پاکستان کی پالیسی سے ہم آہنگ رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن حکومت پاکستان نے اپنی درآمدو برآمد کی پالیسی وضع کرنے میں اور بین الحکومتی محاصل کا تعین کرنے میں ریاست کی اقتصادی ضروریات کو پیش نظر نہیں رکھا۔

ان مدات آمدنی و محاصل سے جنہیں مرکزی قرار دیا گیا تھا ریاست کو تقریباً ۷۰ لاکھ روپے سالانہ وصول ہوتے تھے اور یہ باج گزاری اس تناسب سے ۳۰ لاکھ سے زیادہ تھی انکم ٹیکس کے معاملے میں بھی ریاست بہاولپور کے تجارتی طبقے کے ساتھ زیادتی ہو رہی تھی اگر یہاں کے بیوپاری کوئی مال اپنے ایجنٹوں کے پاس برآمد کر کے کراچی بھیجتے یا ان کی معرفت درآمد کرتے تو ان کو دوہرا ٹیکس ادا کرنا پڑتا ایک طرف وہ بہاولپور میں انکم ٹیکس ادا کرتے تو دوسری طرف ان کے ایجنٹوں کو کراچی میں انکم ٹیکس ادا کرنا پڑتا اشیائے درآمد پر بکری ٹیکس کا بھی یہی حال تھا جس کی وجہ سے کپڑا سیمنٹ لوہا اور دیگر ضروریات زندگی یہاں مہنگی تھیں اور خریداروں پر دوہرے ٹیکس کا بار پڑتا تھا۔

ریاست کی بہبود کیلئے ہماری مساعی

بہرحال ابھی ہم اصلاحات کے ابتدائی دور میں تھے ہمیں حکومت کے کامل اختیارات حاصل نہ تھے ریاست کی پالیسی میں اعلیٰ حضرت امیر بہاولپور اور ان کے وزیر اعظم کا عمل دخل تھا اس کے باوجود ریاست کی بہبود کے لئے جو کچھ ہم کر سکتے تھے کرتے تھے۔

دو عملی طرز حکومت کی کامیابی

دو عملی طرز حکومت (Diarchy system) کا چلانا کوئی آسان کام نہیں اس میں ایک طرف سرکاری نمائندے ہوتے ہیں اور دوسری طرف عوامی نمائندے۔ عموماً ان کی باہمی کشمکش اس نظام کی ناکامی پر منتج ہوتی ہے چنانچہ جب یہ اصلاحات نافذ ہوئی تھیں تو اغیار نے صاف لفظوں میں یہ اظہار کر دیا تھا کہ ان اصلاحات کو کامیابی سے ہمکنار کرنا قطعی ناممکن ہے۔

اس طرز حکومت کی پیچیدگیوں کے علاوہ ہمیں تخریبی عنصر کی ریشہ دوانیوں سے بھی سابقہ تھا اور اس وجہ سے ہم خود اس خوش فہمی میں نہ تھے کہ اس میں ہمیں کامیابی ہوگی لیکن تجربے نے بتایا کہ اگر نیت میں خلوص اور مقصد کی صحیح لگن ہو تو تمام دشواریاں دور ہو جاتی ہیں اور کوئی مشکل مشکل نہیں رہتی چنانچہ خدا کا شکر ہے کہ اصلاحات کا یہ دور کامیابی اور خیر و برکت کے ساتھ پورا ہوا تعلیمی اور رفاہی شعبوں میں ترقی کی طرف پیش قدمی ہوئی فوجی مصارف بڑھ جانے کے باوجود نہ کوئی ٹیکس لگایا گیا اور نہ کسی محکمے یا مفید ضروری عملے میں تخفیف کی گئی گذشتہ سالوں کے مقابلے میں رفاہ عامہ کے کاموں اور محکموں پر بیش از بیش رقوم صرف کی گئیں صنعتی ادارے جو اقتصادی خوشحالی کے لئے ضروری ہیں قائم کئے گئے۔

اسی دور میں ہم نے جامعہ عباسیہ کی نئی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا ہماری کوشش تھی کہ یہ جامعہ آگے چل کر یونیورسٹی بنے اور پاکستان بھر میں ایک اعلیٰ دینی ادارے کے طور پر اسے مرکزیت حاصل ہو ہم اس کا نصاب بھی اس نہج پر مرتب کرنا چاہتے تھے کہ ہمارے نوجوان یہاں سے صرف مولوی یا علامہ بن کر نہ نکلیں بلکہ وہ دنیوی علوم سے بھی مزین ہوں اور صحیح معنوں میں مسلمان اور مرد مجاہد کہلانے کے مستحق ہوں۔

ہماری جدوجہد جاری رہی

تعلیم اور دوسرے شعبہ جات میں ان اقدامات کے ساتھ ساتھ مکمل ذمہ دارانہ نظام حکومت کی مساعی بھی جاری رہیں کچھ لوگ اس سلسلے میں تاخیر سے بد دل بھی ہو جاتے تھے اور کبھی کبھی شکوک و شبہات میں بھی مبتلا ہو جاتے تھے اس لئے ان بدگمانیوں اور مایوسیوں کو دور کرنا بھی ہماری ذمہ داری تھی ہم سمجھتے تھے کہ اگر ان حالات سے متاثر ہو کر لوگوں نے ہمت ہار دی تو ہماری منزل مقصود جو آئینی طور پر قریب سے قریب تر آتی جاتی ہے کہیں دور نہ ہو جائے اس لئے بسا اوقات پریس کانفرنسوں یا دوسرے ذرائع سے کام لے کر لوگوں کا حوصلہ بلند رکھنا پڑتا تھا چنانچہ ایسی ہی ایک پریس کانفرنس میں نے لیگ اسمبلی پارٹی کے لیڈر کی حیثیت سے ۱۹ اکتوبر ۱۹۵۰ء کو کی جس میں عوام کو یقین دلایا کہ ہم مسلم لیگ کی منظور کردہ قراردادوں پر سختی سے قائم رہیں گے ہمیں مرکزی لیگ کی مکمل اعانت حاصل ہے اور ہم اپنے مقصد میں ضرور کامیاب ہوں گے میں نے اپنی تقریر میں بہاولپور کی سیاسی ترقی کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ :

"ہم نے اصلاحات کے مختصر عرصے میں جو ترقی کی ہے اسے نہ صرف بہاولپوری عوام نے بلکہ حکومت پاکستان نے بھی محسوس کیا ہے اور آنر یبل وزیر اعظم خان لیاقت علی خان نے بہاولپور کو صوبائی سطح پر لانے میں ہمیں اپنے تعاون کا یقین دلایا ہے۔
مجھے امید ہے کہ اعلیٰ حضرت مسلم لیگ کے مطالبات پر غور کریں گے اور اصلاحات کے پہلے اعلان میں جو وعدہ کیا تھا اسے جلد پورا کریں گے۔
بہاولپوری عوام کے مستقبل کو مخدوش تصور کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہم مسلم لیگ کے مطالبات پر قائم ہیں اور اپنی جماعت کے وفادار ہیں لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ ہم ذمہ دارانہ نظام حکومت حاصل کر کے نہ رہیں"۔

ذمہ دارانہ نظام حکومت کیلئے اعلیٰ حضرت سے مذاکرات

بہاولپور مسلم لیگ کی مجلس عاملہ نے ذمہ دارنہ نظام حکومت کے نفاذ کے وعدے کو پورا کرنے کے لئے اعلیٰ حضرت سے مذاکرات کی غرض سے ایک کمیٹی مقرر کی تھی جس کا کنوینر مجھے بنایا گیا تھا چنانچہ میں نے پہلی فرصت میں اعلیٰ حضرت سے صادق گڑھ پیلس میں ملاقات کی اور انہیں عوام کے جذبات سے آگاہ کیا اس کے بعد ۸ دسمبر ۱۹۵۰ء کو بہاولپور مسلم لیگ کے زیر اہتمام ایک شاندار جلسہ سنٹرل لائبریری بہاولپور کے وسیع میدان میں ہوا جس میں دیگر حضرات کے علاوہ میں نے بھی خطاب کیا۔ اپنے اس خطاب میں لیگ کے مطالبات کا ذکر کرتے ہوئے میں نے کہا:

"یہ عوام کے مطالبات ہیں اور ان کے پیچھے عوام کی بے پناہ قوت موجود ہے اس لئے انہیں کوئی شخص نہیں ٹھکرا سکتا۔ مجھے افسوس ہے کہ بعض لوگ اعلیٰ حضرت سے یہ جا کر کہتے ہیں کہ لیگ عوام کی نمائندہ نہیں اور اس کے مطالبات عوام کے مطالبات نہیں ہیں حالانکہ ریاست کے بیس لاکھ باشندے مکمل طور پر لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہیں وہ شخص بہت نادان ہو گا جو یہ کہے کہ ریاست پر صرف ایک فرد حکومت کرتا ہے اور عوام کو اس میں کوئی دخل نہ ہو"۔

میں نے عوام پر یہ بھی واضح کر دیا تھا کہ ہم وزارت کی کرسیوں سے چمٹے ہوئے نہیں ہیں ہم ایک ادنیٰ کارکن کی حیثیت سے بھی لیگ کی وہی خدمت کریں گے جو اب کر رہے ہیں اور اپنے مطالبات کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔

ہمارے غیر متزلزل عزائم اور حکومت پاکستان کا اعتراف

ہمارے عزائم غیر متزلزل اور حوصلے بلند تھے ہم نے ایک نا قابل شکست سیاسی تنظیم قائم کر لی تھی جس کے پلیٹ فارم سے اٹھائی جانے والی آواز کو دبانا اب بہت مشکل تھا اور اس حقیقت سے صرف اعلیٰ حضرت کی حکومت ہی نہیں حکومت پاکستان بھی واقف تھی چنانچہ ۹ دسمبر ۱۹۵۰ء کو پاکستان کے وزیر امور ریاست ڈاکٹر محمود الحسن بہاولپور کے دورے پر آئے تو انہوں نے ایک عام جلسے سے بھی یہاں خطاب کیا جس کا اہتمام بہاولپور مسلم لیگ نے کیا تھا۔ انہوں نے اپنی تقریر میں کہا:

"مجھے جس چیز سے سب سے زیادہ بہاولپور آنے کے بعد خوش ہوئی وہ یہ تھی کہ ہماری قومی جماعت مسلم لیگ خدا کے فضل سے بہاولپور کی سیاست پر پورے طور پر حاوی ہے، خاص طور پر مجھے خوشی اس وجہ سے ہوئی کہ آج جب کہ طرح طرح کی سیاسی پارٹیاں اٹھ کھڑی ہوئی ہیں اور تخریبی کارروائیاں ہو رہی ہیں پاکستان کا ایک خطہ ایسا بھی ہے جہاں تخریبی کارروائیوں کے لئے کوئی گنجائش نہیں اور جہاں کوئی خیال ہے تو وہ محض تعمیری ہے۔

بہاولپور میں مسلم لیگ نہایت زندہ ادارہ ہے اور یہ اس قسم کی تنظیم نہیں جو محض کاغذوں پر ہوتی ہے لوگوں کے دلوں میں اس کا گھر ہے۔

بہاولپور کی مسلم لیگ ابھی اپنی ابتدائی دور سے گزر رہی ہے لیکن اس کے سامنے پاکستان مسلم لیگ کی مثال ہے جس نے سب سے بڑا اسلامی ملک پاکستان حاصل کیا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ بہاولپور کی بہترین خدمت انجام دے سکتی ہے اور مسلمانوں کے شیرازے کو بکھرنے سے روک سکتی ہے۔

جہاں تک سیاسی اصلاحات کا تعلق ہے یہ مسئلہ بہاولپور کے لوگوں اور ہز ہائینس کے درمیان ہے جہاں تک حکومت کا تعلق ہے ہم سے جب بھی مشورہ کیا گیا تو ہم وہی مشورہ دیں گے جو ہماری قوم اور ملک کے مفاد میں ہو گا اور جس سے پاکستان کو تقویت پہنچے گی"

میں نے بھی اس موقع پر تقریر کی تھی جس کے کچھ اقتباسات یہاں درج کرتا ہوں

"سب سے پہلے میں معزز مہمان آنریبل ڈاکٹر محمود الحسن کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے ایسے وقت میں سرزمین بہاولپور کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے سرفراز فرمایا ہے جب بہاولپوری عوام اپنے حقوق کے لئے اپنے آپ کو مستعد پاتے ہیں اور مکمل سیاسی بیداری کے ساتھ خود کو پاکستان کے دیگر

صوبوں کے دوش بدوش چلنے کا مستحق سمجھتے ہیں۔ میرے نزدیک بہاولپور کے لئے یہ فال نیک ہے کہ آنریبل موصوف بہ نفس نفیس عوام کے جذبات و احساسات کا اندازہ فرماسکیں گے اور ہماری خواہشات کا دامن گل مراد سے بھرنے میں ہمیں فراموش نہیں کریں گے"

میں نے اپنی تقریر میں بہاولپور کے اس سیاسی پس منظر پر بھی روشنی ڈالی تھی جن سے مسلم لیگ کے قیام سے پہلے یہاں کے لوگوں کو سابقہ تھا میں نے ان مشکلات کا بھی ذکر کیا تھا جو بعض کانگرسی ذہن کے لوگوں کی وجہ سے قیام مسلم لیگ کی راہ میں حائل تھیں میں نے ان اصلاحات کا بھی ذکر کیا تھا جو باشندگان بہاولپور کو اعلیٰ حضرت نے عطا کی تھیں اور جنہیں ہم نے کامیاب کر دکھایا تھا میں نے اس تقریر میں ان ترقیاتی اقدامات پر بھی روشنی ڈالی تھی جو ہم نے ان اصلاحات کے بعد ریاست میں کئے تھے۔ آخر میں اس توقع کا اظہار کیا تھا کہ اعلیٰ حضرت نے اصلاحات کے نفاذ کے وقت مکمل ذمہ دارانہ نظام حکومت کا جو وعدہ کیا تھا اسے جلد از جلد پورا کیا جائے گا اور اس سلسلے میں حکومت پاکستان ہماری پوری پوری حمایت کرے گی۔

باب چہارم

آئینی اصلاحات کی دوسری قسط

ہماری توقع کے مطابق ۱۴ جنوری ۱۹۵۱ء کو اعلیٰ حضرت کی طرف سے نئی اصلاحات کا اعلان کر دیا گیا۔ یہ اعلان حقیقت میں اس امر کا اعتراف تھا کہ ہم کو اس سے پہلے جو اختیارات تفویض کئے گئے تھے انہیں ہم نے کامیابی کے ساتھ استعمال کیا اور ہم یہ اہلیت رکھتے ہیں کہ اگر مزید کاروبار حکومت کا بار ہم پر ڈالا گیا تو ہم اسے بھی نبھا سکیں گے۔ چنانچہ وزیر اعظم ریاست بہاولپور نے اعلیٰ حضرت کا فرمان سناتے وقت یہ برملا کہا تھا کہ :۔

"آپ نے جس تندہی سے فرائض منصبی انجام دیئے ہیں وہ قابل تحسین ہیں اور میں آپ کے خلوص اور تعاون کو قابل ستائش سمجھتا ہوں۔"

نئی اصلاحات کے تحت یہ طے پایا تھا کہ

ا محکمہ ہائے مشمولہ پاکستان Acceeded subjects فنانس اور لاء اینڈ آرڈر وزیر اعظم کے چارج میں رہیں گے۔ باقی محکمہ جات محفوظ بروئے سیکشن ۱۲ (۷) بہاولپور گورنمنٹ ایکٹ ۱۹۴۹ء محکمہ ہائے منتقلہ متصور ہوں گے۔

۲۔ کابینہ وزارت میں ممبران مجلس میں سے ایک یا دو وزراء کا اضافہ کیا جائیگا۔ جو محکمہ جات ایگزیکٹو کونسلران کی تحویل میں تھے' وہ عوامی وزراء کو منتقل کر دیئے جائیں گے۔

۳۔ ایسے طبقات کی نمائندگی کی خاطر جنہیں اب تک پوری نمائندگی نہیں ملی مجلس کے منتخب شدہ ممبران میں پانچ ممبروں کا اضافہ کیا جائے گا۔

۴۔ مجلس کے صدر اور نائب صدر کا انتخاب ممبران مجلس کریں گے۔

مندرجہ بالا فیصلوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے بہاولپور گورنمنٹ ایکٹ ۱۹۴۹ء اور قواعد دربار انصرام حکومت میں فوری طور پر ضروری ترمیمات کی جائیں گی۔

اعلان میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ براہ راست طریق انتخاب جو ہر بالغ کی حق رائے دہی کی بناء پر ہو جلد از جلد رائج کیا جائے گا اور یہ عبوری حکومت فہرست ہائے رائے دہندگان اور حلقہ ہائے انتخابات کو آئندہ مردم شماری کی تکمیل کے بعد مرتب کرنے کا انتظام کرے گی۔

گویا یہ نئی اصلاحات بھی ہماری حقیقی منزل نہیں تھی بلکہ یہ کہئے کہ حقیقی منزل تک پہنچنے کے لئے عبوری انتظام تھا جس جذبے سے ہم نے اب تک کام کیا تھا اگرچہ اسے ان اصلاحات سے خاصا دھکا لگا تھا ہم سمجھتے تھے کہ ہماری ۱۸ ماہ کی محنت ٹھکانے لگی اور اب مکمل ذمہ دارانہ نظام حکومت کے قیام کا اعلان کر دیا جائے گا لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ ایک اور کڑی بیچ میں ڈال دی گئی جسے اصل مقصد کے حصول کے لئے قبول کرنا ہی عین مصلحت تھا لہٰذا مسلم لیگ نے بھی انہیں احساسات کے تحت انہیں منظور کرنے کا اعلان کر دیا۔

یہاں میں یہ واضح کر دوں کہ ہماری جہاں آئینی جدوجہد جاری تھی وہاں حکومت کی جو ذمہ داریاں ہمیں سونپی گئی تھیں ان سے بھی ہم عہدہ برآ ہونے کی پوری کوشش کر رہے تھے اور اس سلسلے میں کسی احساس کمتری کے شکار نہیں تھے بلکہ پورے اعتماد اور مکمل ذمہ داری کے ساتھ انہیں انجام دے رہے تھے۔

ہماری غیر معمولی کامیابی اور اس کی وجوہات

۱۹۴۹ء میں جب اصلاحات کی پہلی قسط کا اعلان کیا گیا تھا تو اکثر سیاسی مفکرین کی یہ رائے تھی کہ یہ تجربہ ریاست بہاولپور میں کامیاب نہیں ہو سکے گا ان کے سامنے دراصل ہندوستان کی سیاسی جدوجہد کا نقشہ تھا جس میں نہ صرف انہیں قدم قدم پر رکاوٹیں پیش آئی تھیں بلکہ اپنی اصل منزل پر پہنچنے میں بھی تقریباً ۲۸ سال کی مدت صرف ہوئی تھی یعنی ۱۹۰۹ء میں منٹو مارلے ریفارمز کا اعلان ہوا اور اس کے گیارہ سال بعد مانٹیگو چیمسفورڈ ریفارمز کا اجراء ۱۹۱۹ء میں ہوا اور اس کے تقریباً ۱۶ سال بعد ۱۹۳۵ء کا آئین نافذ کیا گیا۔

ہماری سیاسی جدوجہد کا جنھوں نے شروع میں انداز دیکھا تھا وہ سمجھتے تھے کہ اتنا طویل عرصہ صبر و تحمل

سے گزارنا ہمارے لئے مشکل ہو گا اور کسی نہ کسی سٹیج پر ہم حکومت سے لڑ پڑیں گے اور پھر مکمل تعطل پیدا ہو جائے گا ہم نے اس مفروضے کو غلط ثابت کیا اور پوری دلجمعی کے ساتھ ان اصلاحات کو کامیاب کرنے کی کوشش کی جس کے متعلق سب کو ہی شبہ تھا ہماری اس کامیابی کا راز جہاں ہماری صحیح لگن میں مضمر تھا وہاں اس کا سبب وہ اتفاق و اتحاد بھی تھا جو ہمیں مسلم لیگ کے اندر حاصل رہا۔ اس کے علاوہ وجہ طمانیت یہ بھی تھی کہ عوام ہم پر کامل اعتماد کرتے تھے اور انہیں ہماری جدوجہد پر بھروسہ تھا یہی وجہ ہے کہ ہم بہت کم مدت میں اپنے مطالبات اعلیٰ حضرت امیر بہاولپور سے منوا سکے۔

عوامی وزراء کی تعداد میں اضافہ

نئی اصلاحات کے تحت جہاں محکمہ جات کی از سر نو تقسیم ہوئی وہاں کابینہ وزارت میں ایک مزید وزیر کا بھی اضافہ ہوا۔ نیا وزیر راؤ حفیظ الرحمٰن کو مقرر کیا گیا تھا اور انہیں تعلیم و صحت کے محکمے تفویض کئے گئے تھے جب کہ میاں فتح محمد لالیکا کو زراعت، وٹرنری، جیل خانہ جات، پنچائت، چولستان ڈیویلپمنٹ، کواپریٹو سوسائٹیز جنگلات اور سمال سیونگز سکیم کے محکمے اور مجھے پی ڈبلیو ڈی آباد کاری مہاجرین، اطلاعات، لوکل باڈیز اور لیجسلیشن وغیرہ کے محکمے سونپے گئے تھے۔ وزراء میں محکموں کی تقسیم پر ہمارے مخالفین نے ٹانگ اڑانے کی کوشش کی اور اعلیٰ حضرت امیر بہاولپور کو بھی میرے خلاف بھڑ کایا وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ مال، پی ڈبلیو ڈی اور آباد کاری مہاجرین کے شعبے مجھے سونپے جائیں حالانکہ یہ محکمے جس وزیر کو بھی سونپے جاتے وہ ہماری پارٹی کا ہی رکن ہوتا لیکن ان کا خیال تھا کہ میرے مقابلے میں کسی اور وزیر سے ان محکموں سے متعلق کاموں کا نکلوانا زیادہ آسان ہو گا نیز ان محکموں کی وجہ سے مجھے رابطہ عوام کی مہم میں کامیابی کے جو مواقع حاصل ہوں گے وہ ان کی سیاست کو پروان چڑھانے میں رکاوٹ ہوں گے لیکن چونکہ اصولی طور پر محکموں کی تقسیم خالصتہً حکومت اور ہماری پارٹی کا مسئلہ تھا اس لئے مخالفین کی کوئی پیش نہ چلی اور جس طرح ہم نے محکمے تقسیم کرانا چاہے تھے ویسے ہی تقسیم ہوئے۔

میں نے وزارت کے نئے محکموں کا حلف اٹھانے کے بعد ایک پریس کانفرنس دی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ:

> "عبوری دور میں عوامی وزراء نے رفاہ عامہ کے لئے ڈیڑھ سال کے عرصے میں جو مساعی اور کاوشیں کی ہیں وہ آپ کے سامنے ہیں عوامی وزراء نے اپنے گذشتہ مختصر دور میں موقع اور وقت کی مانگ کے پیش نظر جو کچھ کام کیا ہے اس کی تشریح و توضیح کی چنداں ضرورت نہیں آئندہ کے لئے ریاست اور عوام کی بہبود کے لئے ہمارے پیش نظر جو پروگرام ہے وہ بھی رفتہ رفتہ آپ کے سامنے آجائے گا۔

آپ بخوبی جانتے ہیں کہ مسلم لیگ بہاولپور جس کے ہم نمائندے ہیں بفضلہٖ تعالیٰ اس وقت ایک مضبوط اور مستحکم جماعت ہے بلاشبہ ریاست میں یہی عوام کی واحد نمائندہ جماعت ہے لہٰذا ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ اپنی جماعت کو مزید مضبوط و مستحکم بنائے اور اپنے منتخبہ نمائندوں سے تعاون کرے۔

مجھے یہ کہنے میں چنداں عار نہیں کہ بالآخر ہم انسان ہیں اور ہم سے غلطیاں بھی ہو سکتی ہیں۔ عوام کو حق پہنچتا ہے کہ وہ فروگذاشت کی صورت میں دیانتداری سے ہماری اصلاح کریں ہم اپنی لغزشوں کا ازالہ کریں گے تنقید بشرطیکہ دیانتداری اور تعمیری جذبہ کے تحت ہو اور صحیح معنوں میں رہنمائی کرے حقیقتاً فلاح و بہبود کا باعث ہوتی ہے لیکن اگر یہی جذبات بجائے تنقید کے تنقیص کے زیر اثر ہوں تو میدان عمل میں دل شکنی ترقی کی بجائے تعطل و رجعت اور تعمیر کے بجائے تخریب کا باعث بن سکتے ہیں۔

آپ کے منتخب کردہ عوامی وزراء آپ کے جائز حقوق، رفاہ عامہ اور فلاح و بہبود کے پاسبان ہیں اور بیک وقت اپنی قوم و ملت کے خادم لہٰذا اگر ان سے کبھی لغزش ہو یا غلط راستے پر گامزن ہوں تو اس کو مزاح و طنز کا ذریعہ نہ بنائیں بلکہ ثقہ اور ایماندار نقاد کی حیثیت سے اصلاحی نقطہ نظر کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی رائے سے مطلع کریں۔

میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جو مقدس امانت قوم اور ملت کی طرف سے ہمیں سونپی گئی ہے اور جو اہم فرائض ہمارے سپرد کئے گئے ہیں ہم ان سے بطریق احسن عہدہ برآ ہونے کے لئے یکجہتی و تندہی سے کوشاں رہیں گے"۔

ہماری دو سالہ خدمات کا سرسری جائزہ

ہم ۱۹۴۹ء کے وسط میں کاروبار حکومت میں حصہ دار بنے تھے اور اس کے بعد مختلف آئینی مراحل سے گزر کر ۱۹۵۱ء میں دو عملی طرز حکومت کی آخری سیڑھی پر پہنچے تھے جہاں سے مکمل ذمہ دارانہ نظام حکومت کے آغاز کی توقع تھی اس کے لئے ہماری کوششیں جاری تھیں کیونکہ ہماری اصل منزل مقصود تو وہی تھی لیکن ہم نے اس کے انتظار میں وقت یونہی ضائع نہیں کیا بلکہ جو تھوڑے بہت اختیارات حکمرانی ہمیں حاصل ہوئے تھے انہیں زیادہ سے زیادہ استعمال کرنے اور ان کے ذریعہ ریاستی عوام کی بیش از بیش خدمت کرنے کی کوشش کی یہاں میں اپنی اس دو سالہ کارکردگی کا جائزہ پیش کروں گا تاکہ اندازہ کیا جا سکے کہ مختصر سے مختصر عرصے اور محدود سے محدود اختیارات میں بھی ہم نے کیا کچھ کیا۔

بہاولپور یوں تو ایک مسلمان ریاست تھی اور یہاں اسلامی روایات و قوانین کا بطور خاص خیال رکھا جاتا تھا لیکن پھر بھی بعض گوشے ایسے تھے جو اسلامی نقطہ نظر سے اصلاح طلب تھے میں چونکہ بنیادی طور پر اسلامی فکر کا حامل ہوں اور اسلام کی خدمت کا جذبہ اوائل عمر سے ہی میرے دل میں موجزن تھا جس کا اظہار میں نے بہاولپور میں مسلم لیگ کے تاریخی کنونشن میں کیا تھا اور یہ واضح کر دیا تھا کہ

"ریاست میں اسلامی اصولوں اور کتاب و سنت پر مبنی جمہوری نظام ہماری منزل مقصود ہے اور جب تک ہم اس نیک مقصد میں کامیاب نہیں ہوتے ہماری جدوجہد جاری رہے گی"

شریعت بل

چنانچہ اس سلسلے میں سب سے اہم قدم جو میں نے اٹھایا وہ شریعت بل تھا جو میری طرف سے بہاولپور مجلس میں ۶ مارچ ۱۹۵۱ء کو پیش کیا گیا بحث و تمحیص کے بعد اس کی تین بار خواندگی ہوئی اور پھر مجلس نے اسے اتفاق رائے سے منظور کر لیا یہ بل قانون نفاذ شریعت اسلامیہ ۱۹۵۱ء کے نام سے ریاست میں نافذ ہوا اس بل کے الفاظ یہ تھے۔

" اس قانون کے تحت مسلمان فریقین کے درمیان تمام تنازعات (جن میں زرعی اراضیات کی وراثت شامل ہے) جائیداد خصوصی مستورات، منگنی، نکاح، تنسیخ نکاح (جس میں طلاق، ایلا، خلع اور مہارات شامل ہیں) جہیز، ولایت نابالغان و مجانین، عدت، خیار البلاغ، زوج مفقود الخبر، اعادہ حق زن و شوئی، نفقہ، حمل حرام، انواع و رشتہ داری، وصیت، ترکہ، ہبہ، تملیک، حق نگرانی و پرورش اطفال، وقف یا تولیت کے متعلق ہوں ان میں فیصلہ کا دارومدار مسلمانوں کے شخصی قانون (شریعت اسلامیہ) پر ہو گا اور عدالتیں و دیگر افسران جن کو اس کے تنازعات طے کرنے کے اختیارات حاصل ہوں پابند ہوں گے کہ ان تنازعات کو بموجب احکام شریعت طے کریں۔

ایکٹ ہذا کے نفاذ کی تاریخ سے ایکٹ قوانین پنجاب سال ۱۸۷۳ء کے دفعہ ۵ کے وہ احکام جو ایکٹ ہذا سے متصادم ہوں منسوخ متصور ہوں گے"۔

اس بل کے نفاذ کی ضرورت اس لئے پیش آئی تھی کہ ریاست میں پرسنل لاء کے تحت بہت سے ایسے قانون رائج تھے جو خلاف شریعت اسلامیہ تھے مثلاً ریاست میں جائیداد اور ترکہ کی تقسیم کے سلسلے میں یہ رواج چلا آ رہا تھا کہ باپ کے بعد جائیداد کا تنہا وارث اس کا بیٹا ہوتا تھا اور اس کی باقی اولاد بڑے بیٹے

کے رحم و کرم پر ہوتی تھی خاص طور پر جو جائیداد خانقاہوں سے متعلق تھی اس پر تصرف و استعمال کا حق صرف اس خانقاہ کے جانشین کو ہوتا تھا گویا یہ رواج ہندوانہ قانون کے مطابق تھا جسے Law of Primogeniture یعنی حق جیٹھائی کہتے تھے اور جس میں بڑا بیٹا ہونے کی وجہ سے وراثت اور ترکہ کا حق محرومی دیگر پسران و ورثا اس کو حاصل ہوتا تھا۔

یہ قانون جہاں اسلامی شریعت کے صریحاً خلاف تھا وہاں معاشرتی طور پر اس سے کئی خرابیاں پیدا ہوتی تھیں بڑا بھائی باپ کی تمام جائیداد کا مالک بن کر ساری زندگی گل چھرے اڑاتا تھا اور اس کے دوسرے بھائی اور بہنیں باپ کی جائیداد میں حصہ دار نہ ہونے کی وجہ سے عسرت و محرومی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوتی تھیں اگر بڑا بھائی ازراہ ترحم اسے کچھ دے دے تو دے دے ورنہ چھوٹے بھائی بہن اپنی معمولی سے معمولی ضرورت کے لئے اس کا منہ تکا کرتے تھے۔

اس قانون کو شریعت کے مطابق ڈھالنے کا مطلب یہ تھا کہ میں خود کو دیدہ و دانستہ اس رعایت سے محروم کرلوں جو بڑا بیٹا ہونے کی وجہ سے ریاست کے رواج کے مطابق مجھے حاصل تھی گویا اس قانون کی زد براہ راست مجھ پر پڑی اور میں نے بخوشی اس کا شکار ہونا قبول کیا اس قانون کے نفاذ کے بعد میرے والد نے اپنی جائیداد تمام اپنے جائز ورثا میں تقسیم کردی اور خدا کا شکر ہے کہ آج میرے دوسرے بھائی بہن میری طرح اس سے مساوی طور پر استفادہ کر رہے ہیں میں سوچتا ہوں کہ بظاہر میرا یہ اقدام اپنے پیروں پر کلہاڑی مارنے کے مترادف تھا لیکن چونکہ میری نیت صاف تھی اور خدا نیتوں کا پھل ضرور دیتا ہے اس لئے وہ جائیداد جس سے ہمارا سارا خاندان فائدہ اٹھا رہا ہے اگر شریعت بل پاس نہ ہوتا تو آج پورے خاندان کے پاس تین سو ایکڑ سے زیادہ زمین نہ ہوتی اور میرا ضمیر الگ مجروح ہوتا اور میرا شمار بھی غاصبوں میں ہوتا حقیقت میں یہ مجھ پر خدا کا کرم ہے کہ میں ہمیشہ سے قناعت پسند واقع ہوا ہوں اور راحت و آسودگی یا غربت و افلاس کو من جانب اللہ سمجھتا ہوں میرا اس عقیدے پر پورا ایمان ہے کہ اگر میری قسمت میں خداوند تعالیٰ نے خوشحالی راحت اور آسودگی لکھی ہے تو وہ مجھے زندگی میں ضرور حاصل ہوگی اور کوئی مجھے اس سے محروم نہیں کرسکتا اور اگر غربت و افلاس میرا مقدر ہے تو اس سے مجھے کوئی نہیں بچا سکتا اور مجھے اس کے لئے تیار رہنا چاہئے۔

ڈیار کی سسٹم خدا کے ہاں بھی نافذ ہے

واقعہ یہ ہے کہ جس ڈیار کی سسٹم سے ہم دوچار تھے وہ نظام خدا کے ہاں بھی رائج ہے اور یہ خدائی نظام ازل سے جاری ہے اور تا ابد جاری رہے گا اللہ تعالیٰ نے اگرچہ دنیا میں انسان کو بااختیار بنا کر بھیجا ہے لیکن کچھ مضامین اس نے پھر بھی اپنے پاس رکھے ہیں اور اس میں وہ کسی کا دخل گوارا نہیں کرتا دولت و امارت اور تنگ دستی و فارغ البالی کے معاملات ایسے ہی محکموں سے متعلق ہیں۔

میں نے ایسے متعدد اشخاص دیکھے ہیں جنھوں نے زندگی کے ابتدائی ایام غربت و افلاس اور کڑی آزمائشوں میں گزارے ہیں لیکن بعد میں مشیت ایزدی نے انہیں سہارا دیا صبر و ہمت کا انہیں صلہ ملا اور وہ خوشحال ہو گئے۔

میں اپنے اس عقیدے پر پختگی سے قائم رہا کہ غربت و ذلت زندگی و موت اور رزق کا مالک خدا ہے وہی یہ سب نعمتیں عطا کرتا ہے اور تجربات نے یہ ثابت کر دیا کہ میرا یہ عقیدہ کل بھی درست تھا اور آج بھی سو فیصدی درست ہے قدرت کا فضل و کرم میرے شامل حال رہا ہے اور میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ خدا نے مجھے میرے استحقاق سے زیادہ دیا ہے میں ان نعمتوں کا ہرگز خود کو اہل نہیں پاتا جو مجھے اپنی زندگی میں حاصل رہی ہیں اپنی محدود لیاقت اور ناقابل ذکر اہلیت و صلاحیت کے باوجود جو کچھ مجھے ملا ہے اسے انعام خداوندی سمجھتا ہوں اور اس کا شکر ادا کرتا ہوں۔ یہ ستم ظریفی بھی ملاحظہ ہو کہ میں تو محض خوشنودی خدا کے لئے اپنا ذاتی نقصان کر کے دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن اکثر بڑے زمیندار اور وسیع املاک کے مالک میرے اس اقدام سے ناخوش تھے اور تو اور خود میرے والد گرامی مجھ سے ناراض تھے اکثر ایسا ہوتا کہ ایک ہی گاڑی میں ہم سفر کر رہے ہوتے لیکن راستے میں ہمارے درمیان کوئی بات چیت نہ ہوتی بہرحال ان تمام ناراضگیوں اور خفگیوں کو گوارا کر کے میں نے قانون نفاذ شریعت اسلامی کا نہ صرف بل منظور کرایا بلکہ اس پر فوراً عمل در آمد بھی شروع کرا دیا۔

ریاست کے اپنے تمام دور اقتدار میں اس اقدام پر مجھے فخر بھی ہے اور اسے کسی حد تک میں اپنی نجات کا ذریعہ بھی سمجھتا ہوں۔

فضول خرچی کا الزام

دوست اور دشمن مجھ پر فضول خرچی کا الزام لگاتے ہیں دوست تو شاید میری ہمدردی ہی میں کہتے ہوں لیکن دشمن اسے ایک برائی سے تعبیر کر کے اس سلسلے میں مجھے بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں اگرچہ فضول خرچی میرا ایک ذاتی معاملہ ہے جس پر کسی کو ناک بھوں نہیں چڑھانی چاہئے لیکن سیاستدانوں کو ذاتی اور نجی افعال کے سلسلے میں بھی جوابدہ سمجھا جاتا ہے اس لئے اس باب میں بھی مجھے معاف نہیں کیا گیا اور اس ذاتی نوعیت کی برائی کو میرے فرائض منصب سے متعلق کر کے یہ کہنا شروع کر دیا کہ جس طرح میں اپنی دولت خرچ کرنے میں بے احتیاط ہوں اسی طرح سرکاری خزانہ کو بھی بے دریغ لٹاتا ہوں۔ یہ الزام محض ایک اتہام تھا میں نے سرکاری خزانے کو بلاوجہ اور بلاضرورت کبھی خرچ نہیں کیا البتہ میں روپیہ پیسہ کے معاملے میں چونکہ اس کو جمع کرنے کے بجائے خرچ کرنا زیادہ پسند کرتا ہوں اس لئے میں نے عام بہبود کے کاموں میں بے شک یہ خزانہ بے دریغ صرف کیا ہے اور بجٹ میں بچت دکھانے کی بجائے ہمیشہ یہ بہتر سمجھا کہ

عوامی فلاح کا کوئی کام باقی نہ رہ جائے چنانچہ میں نے اسی جذبے کے تحت خسارہ کا بجٹ بھی بنانے میں کوئی عیب نہیں سمجھا۔

زرعی آمدنی پر ٹیکس

زرعی زمینوں کی آمدنی پر ریاست میں کوئی انکم ٹیکس نہیں تھا اور یہ بات اس لحاظ سے ناقابل فہم تھی کہ شہری جائیداد یا شہری کاروبار پر تو انکم ٹیکس ہو لیکن زمیندار اس سے مستثنیٰ ہوں زرعی زمینوں پر انکم ٹیکس نہ ہونے کی وجہ سے جہاں ریاست ایک معقول آمدنی سے محروم ہوتی تھی وہاں اس کی عدم موجودگی میں ذخیرہ اندوزی اور ارتکاز زر کے رجحان میں اضافہ ہوتا تھا چنانچہ ہم نے ایگریکلچر انکم ٹیکس جاری کر کے ریاست کی آمدنی میں معقول اضافے کی صورت پیدا کی اور ارتکاز زر اور ذخیرہ اندوزی و تقسیم اراضی جیسی معاشرتی خرابیوں کا بھی سدباب کیا۔

ان اصلاحی اقدامات کے علاوہ تعلیم و صحت، صنعت و تعمیرات اور مواصلات وغیرہ کی ترقی کے لئے بھی ہم نے مقدور بھر کوشش کی۔ اسکولوں اور کالجوں کی تعداد میں معتد بہ اضافہ ہوا۔

تعلیمی پالیسی

تعلیم عامہ کے سلسلہ میں ہماری پالیسی یہ تھی کہ ریاست کا کوئی فرد تعلیم سے محروم نہ رہے کم از کم میٹرک تک مفت تعلیم کا انتظام کیا جائے ہم نے فروغ تعلیم کے سلسلے میں مکتب سکیم کی بھی داغ بیل ڈالی۔
دیہات کی ہر مسجد میں مکتب قائم کیا اور امام مسجد کو مدرس کے فرائض دینے کی تربیت کا انتظام کیا علاقے کے لوگ ان مکتبوں کو کامیابی سے چلانے کے لئے اپنی پیداوار کا ایک حصہ دیتے تھے۔ اس سکیم پر عمل در آمد کے معنی یہ تھے کہ بغیر خرچ کے حکومت تعلیم کو عام کر سکے۔

طبّی سہولتیں

ہسپتالوں کی عمارات میں توسیع کی گئی۔ آپریشن تھیٹر، سرجیکل وارڈ، پرائیویٹ فیملی وارڈ اور زچہ خانہ تعمیر کرائے بی وی ہسپتال بہاولپور میں صرف ۳۰ بستروں کی گنجائش تھی جو بڑھا کر اس کی تعداد ۲۵۰ کر دی گئی۔ رحیم یار خان اور بہاولنگر میں نئے ہسپتالوں کی تعمیر شروع کرائی۔
صحت عامہ کی ضروریات پوری کرنے کے لئے ہم نے یہ منصوبہ بنایا تھا کہ ہر دس میل کے بعد ایک سول ڈسپنسری اور ہر تحصیل ہیڈ کوارٹر پر ایک ہسپتال ہو چنانچہ اس پروگرام پر عمل کیا جا رہا ہے۔
صنعتی سرگرمیوں کے لئے رحیم یار خان کو منتخب کیا گیا یہاں عباسیہ ٹیکسٹائل ملز اور صابن سازی اور ویجی ٹیبل آئل تیار کرنے کے کارخانے قائم کئے گئے سکولوں اور کالجوں کی نئی عمارات تعمیر کی گئیں پوری

ریاست میں بہاولپور تا احمد پور شرقیہ ایک پکی سڑک تھی اس کے مقابلے میں ہم نے پوری ریاست میں سڑکوں کا جال بچھا دیا غیر آباد زمینوں کو آباد کرنے کے لئے نہر عباسیہ اور آبحیات میں توسیع کی جس سے ہزاروں ایکڑ اراضی زیر آبپاشی لائی گئی جس سے ریاست نے مالی لحاظ سے بھی گذشتہ سالوں کے مقابلے میں کافی ترقی کی۔

مہاجرین کی آباد کاری

ریاست میں تقریباً ۴ لاکھ مہاجرین کی آباد کاری کا مسئلہ درپیش تھا اس کام کو ہم نے انسانی ہمدردی اور اخوت اسلامی کے جذبے سے انجام دیا۔ جو مہاجر زمیندار طبقے سے تعلق رکھتے تھے انہیں زرعی زمینیں دی گئیں جو تجارت پیشہ یا صنعتوں کا تجربہ رکھتے تھے انہیں کارخانے لگانے اور کاروبار کرنے کی سہولتیں بہم پہنچائی گئیں پڑھے لکھے اور باصلاحیت مہاجرین کو ریاست میں سرکاری ملازمتوں کے مواقع بھی فراہم کئے گئے غرض ۴،۷۴،۹۷۴ مہاجرین کو ۱۹۵۱ء تک ان کی معاشرتی زندگی میں بحال کر دیا اور وہ اقتصادی و معیشی اعتبار سے کافی حد تک مطمئن ہو گئے۔

مہاجرین میں زمینوں کی عارضی تقسیم کا سلسلہ بھی ریاست میں ہم نے شروع کیا تھا اس کے مقابلے میں پنجاب میں عارضی آباد کاری کی کوئی سکیم نہ تھی بہرحال ہم نے تارکین وطن کی اراضی عارضی طور پر مہاجرین کو تقسیم کر کے فوری طور پر مہاجرین کا معاشی مسئلہ بھی حل کر دیا تھا اور زرعی پیداوار بھی متروکہ اراضی کی باقاعدہ دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے متاثر ہونے سے محفوظ ہو گئی۔

دفاعی اخراجات میں کمی

ہم نے ریاست کی تعمیر و ترقی تک ہی اپنی مساعی کو محدود نہ رکھا تھا بلکہ سیاسی امور پر بھی ہماری مساوی توجہ تھی ابھی تک عوام کو کامل ذمہ دارانہ نظام حکومت میسر نہیں آیا تھا دو عملی طرز حکومت (Diarchy system) ہی ریاست میں چل رہا تھا اگرچہ ہم نے انتہائی حزم و احتیاط کے ساتھ اس تجربے کو بھی ناکام ہونے نہیں دیا لیکن چونکہ ہمارا منتہائے مقصود مکمل جمہوریت کا نفاذ تھا اس لئے نہ صرف یہ کہ ہم اس طرف سے غافل نہیں ہوئے بلکہ اس کے لئے بھی ہماری کوششیں جاری رہیں چنانچہ ہم نے جہاں اپنی مساعی سے ایک کروڑ روپے جو مصارف دفاع کے سلسلے میں ریاست سے مرکزی حکومت وصول کرتی تھی وہ ختم کرائے البتہ انکم ٹیکس اور بکری ٹیکس مرکزی حکومت کے حوالے کرنے پڑے ان ٹیکسوں کی ادائیگی کے بعد ۲۵ لاکھ روپے پھر بھی بچ گئے جو بہاولپور کی تعلیم اور طبی سہولتوں پر خرچ کئے گئے۔

پاکستان کی پارلیمنٹ میں ہماری آواز

جہاں تک ریاست میں کامل جمہوری نظام کے نفاذ کا تعلق تھا اس کیلئے ہم نے ہر سطح پر موثر آواز اٹھائی۔ پاکستان مجلس دستور ساز میں جسکا مجھے بہاولپور مجلس نے رکن منتخب کر کے بھیجا تھا اسکا اجلاس مارچ ۵۱ء میں ہوا تو میں نے اسمیں تقریر کی اور کہا

"میاں افتخار الدین نے بہاولپور کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ درست نہیں۔ انکے اعتراضات خلاف حقیقت ہیں۔ بہاولپور میں اب ایک نمائندہ اسمبلی ہے اور عوام ہی کا ایک نمائندہ اس ایوان میں بھی موجود ہے۔ بہاولپور کے حالات وہ نہیں جو آج سے تین سال قبل تھے۔ باشندگان بہاولپور پاکستان کیلئے اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہیں۔ لیکن ہمیں یہ دیکھ کر دکھ ہوا ہے کہ حکومت پاکستان نے ریاستوں کی معاشرتی اصلاح کیلئے کوئی رقم بجٹ میں نہیں رکھی باوجودیکہ مرکز نے ہماری کپاس پر تین کروڑ پچاس لاکھ روپے ڈیوٹی وصول کی ہے۔

حق و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ بہاولپور اور دوسری ریاستوں کے ساتھ مرکزی حکومت صوبوں کا سا برتاؤ کرے"۔

بہاولپور مجلس کی قرارداد

اپریل میں بہاولپور مجلس کا اجلاس ہوا تو اسمیں ایک قرارداد منظور کی گئی جس میں مطالبہ کیا گیا کہ

"ریاست بہاولپور کی آئندہ مجلس قانون ساز کو صوبائی مجالس قانون ساز کے اختیارات حاصل ہوں۔ اسمیں نامزد ارکان نہ ہوں۔ بلکہ اسکے نمائندے کُلیتہً جمہور کے منتخب کردہ ہوں۔ نیز مجلس کے ارکان کی تعداد ۴۵ ہو یعنی ہر چالیس ہزار کی آبادی پر ایک رکن منتخب کیا جائے"۔

حکومت پاکستان اور اعلیٰ حضرت کے درمیان نیا معاہدہ

ہماری اس سیاسی جدوجہد کا یہ نتیجہ نکلا کہ اپریل ۱۹۵۱ء میں حکومت پاکستان اور اعلیٰ حضرت امیر بہاولپور کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جسکی رو سے قانون سازی اور نظم ونسق کے معاملے میں ریاست بہاولپور کو وہی حیثیت حاصل ہو گی جو پاکستان کے دوسرے صوبوں کو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کی رو سے حاصل تھی۔

اس معاہدے کی رو سے دفاع' امور خارجہ اور مواصلات کے علاوہ امیر بہاولپور نے جنہیں ۱۹۴۷ء کے انڈی پینڈنس ایکٹ کے مطابق تمام اختیارات حاصل تھے' باقی تمام معاملات اور محکمے بھی پاکستان کی مرکزی حکومت کے سپرد کر دیئے۔ انڈی پینڈنس ایکٹ کی رو سے جو معاملات صوبائی فہرست میں شامل تھے وہ بدستور ریاست بہاولپور کی حکومت کی ذمہ داری میں رہے۔

فیڈرل اور ریاستی مجالس قانون ساز کو متعلقہ امور کے قانون وضع کرنے کا اختیار حاصل ہو گیا۔ لیکن یہ طے پایا کہ اگر وفاقی اور ریاستی مجالس قانون ساز میں کوئی اختلاف پیدا ہوا تو وفاقی مجلس کا فیصلہ ریاستی مجلس کے مقابلے میں آخری اور فیصلہ کن ہو گا"۔

اس معاہدے کا یہ مطلب تھا کہ بہاولپور کو ایک صوبے کی حیثیت دی جا رہی تھی۔ اعلیٰ حضرت امیر بہاولپور اگرچہ ایک آئینی حکمران تھے لیکن یہ توقع تھی کہ اب انہیں وہی اختیارات حاصل ہوں گے جو صوبوں میں گورنروں کو حاصل ہوتے ہیں اور اس کا یہ منطقی پہلو بالکل واضح تھا کہ بہاولپور کے باشندوں کو وہی بنیادی حقوق اور آئینی مراعات حاصل ہوں گی جو پاکستان کے دوسرے باشندوں کو حاصل ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ سمجھئے کہ ہم نے کامل ذمہ دارانہ نظام حکومت کیلئے جس جدوجہد کا آغاز ۱۹۳۹ء میں کیا تھا اسکا واضح نتیجہ اب نکل آیا تھا گویا جمہوریت کے شجر میں برگ وبار آنے شروع ہو گئے تھے۔

توقع تھی کہ مذکورہ بالا معاہدے کے بعد بہاولپور میں ذمہ دارانہ نظام حکومت کا قیام فوراً عمل میں آ جائیگا لیکن اس کیلئے ہمیں مزید تقریباً ایک سال انتظار کرنا پڑا اور اس عرصے میں جہاں قدم قدم پر مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا وہاں حصول مقصد کیلئے اپنی مساعی کو بھی زیادہ منظم طور پر جاری رکھنے کی ضرورت لاحق ہوئی۔

مخالفین چاہتے تھے کہ ہم نے مسلم لیگ کی مضبوط تنظیم جو ریاست میں قائم کی ہے وہ کسی طرح کمزور ہو جائے۔ اس کیلئے وہ کوئی نہ کوئی رخنہ اندازی کرتے رہتے تھے۔ ان دنوں میں انہیں کوئی اور موقع نہ ملا تو انہوں نے یہ پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ ہم اعلیٰ حضرت کو ریاست کی حکمرانی سے الگ کرنا چاہتے ہیں۔ بعض کج بینوں نے تو یہاں تک کہا کہ میں نواب صاحب کی جگہ لینا چاہتا ہوں اور اس غرض کیلئے مسلم لیگ کو استعمال کر رہا ہوں۔

اس پروپیگنڈے کی کوئی حقیقت نہیں تھی۔ بھلا جو جمہوریت کیلئے کام کر رہا ہو وہ کبھی ایسا تصور بھی کر سکتا تھا۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ اگر جمہوریت ریاست میں آ جاتی تو ریاست کی حاکمیت عوام کے پاس آ جاتی اور نواب صاحب کی فرمانروائی کا دور ختم ہو جاتا۔ لیکن جو احترام و وقار اعلیٰ حضرت کا ہمارے دل میں تھا اسکے پیش نظر ہماری خواہش تھی کہ مکمل ذمہ دارانہ نظام حکومت کے قیام کے بعد بھی انہیں ایک آئینی حکمران کی حیثیت حاصل رہے اور جس طرح صوبوں میں گورنروں کو اختیار حاصل ہوتے ہیں اسی طرح بہاولپور میں بھی نواب صاحب کو وہی اختیارات تفویض کئے جائیں۔

بہرحال یہ ہماری آئینی جدوجہد کا ایک رخ تھا جس میں نواب صاحب کے خلاف کسی قسم کی محاذ آرائی کا سوال نہیں پیدا ہوتا تھا۔ لیکن چونکہ مخالفین اس نازک صورت حالات سے بھی سیاسی فائدہ اٹھانے کی فکر میں تھے اور وہ اعلیٰ حضرت اور انکے متعلقین کے دلوں میں غلط فہمیاں پیدا کر رہے تھے تاکہ جمہوریت کیلئے ریاست میں جو اقدامات کئے جانے والے ہیں ان میں رکاوٹ پڑ جائے اسلئے ہمیں اس پروپیگنڈے کا توڑ کرنا پڑا۔

اس سلسلے میں ایک پریس کانفرنس بلا کر میں نے صورت حالات کی وضاحت کی اور صاف صاف کہہ دیا کہ

"مجھے نہایت افسوس کیساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بعض لوگ مسلم لیگ کی ٹکر اعلیٰ حضرت سے کرانا چاہتے ہیں جو ریاست اور پاکستان کے مفاد کے خلاف ہے۔

مسلم لیگ کی ہمیشہ یہ پالیسی رہی ہے کہ وہ عوام کے حقوق کا تحفظ کرے۔ وہ اعلیٰ حضرت کو اپنا سرپرست سمجھتی ہے۔

ہمارے مخالفین نے لیگ کے اندر رہ کر اور باہر نکل کر یہ کوشش کی ہے کہ وہ اعلیٰ حضرت سے مسلم لیگ کے تعلقات کو خراب کرا دیں۔ مسلم لیگ کو اندرونی طور پر کمزور کر دیں۔

چند لوگ جو شروع سے ہی مسلم لیگ کے مخالف رہے ہیں انہوں نے مختلف طریقوں سے مسلم لیگ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی ہے۔

مرکزی مسلم لیگ اس حقیقت سے واقف ہے اور یہاں کے عوام بھی اسے اچھی طرح سمجھ چکے ہیں اور اب یہ ناممکن ہے کہ کوئی بھی انکے فریب میں آسکے"۔

اعلیٰ حضرت اور اپنے تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے میں نے کہا کہ

"میرے تعلقات اعلیٰ حضرت سے ہمیشہ اچھے رہے ہیں۔ انہوں نے ہمیشہ مجھے اچھے لفظوں سے یاد کیا ہے اور میری خدمات اور صلاحیتوں کی قدر کی ہے۔

میں نے بھی اعلیٰ حضرت کو ہمیشہ ایک مربی اور شفیق بزرگ پایا ہے۔

مجھے ان پر قطعی اعتماد ہے اور یہ توقع ہے کہ وہ اپنی رعایا کو یقیناً وہ اصلاحات عطا فرمائیں گے جنکی وہ مستحق ہے

اعلیٰ حضرت اور حکومت پاکستان نے یہ تسلیم کیا ہے کہ بہاولپور کے

عوام سیاسی شعور اور حکومت چلانے کی اہلیت میں کسی طرح بھی پاکستان کے دوسرے صوبوں سے کم نہیں۔

مقامی اخبارات میں گمراہ کُن خبریں شائع کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مسلم لیگ کو کمزور کیا جائے اور اعلیٰ حضرت کو مسلم لیگ سے نفرت دلائی جائے۔ حالانکہ ملک کی تقسیم سے پہلے بھی اعلیٰ حضرت مسلم لیگ کے حامی رہے ہیں اور اب بھی مسلم لیگ کی حمایت کرتے ہیں۔ انہیں موجودہ مسلم لیگ اور اسمبلی پارٹی پر مکمل اعتماد ہے"۔

حالات کو صحیح رخ پر رکھنے کے ساتھ ساتھ آئینی اصلاحات کے نفاذ کے سلسلے میں ہماری کوششیں بھی جاری رہیں اور جہاں اور جب موقع ملتا ہم اس کیلئے آواز اٹھانے سے نہ چوکتے۔

میرے والد مخدوم الملک جو بہاولپور مسلم لیگ کے صدر بھی تھے انہی دنوں خان لیاقت علی خاں وزیر اعظم پاکستان سے ملے۔ خان موصوف میرے والد کی بہت عزت کرتے تھے۔ انہوں نے اس ملاقات میں ریاستی عوام کے جمہوری حقوق کی ضرورت پر زور دیا۔ وزیر اعظم پاکستان مسلم لیگ بہاولپور کے اس مطالبے کے حق میں تھے۔ انہوں نے یقین دلایا کہ ریاست میں بہت جلد آئینی اصلاحات نافذ ہوں گی۔

بھارتی فوج اجتماع اور ریاستی عوام کا جوش و جذبہ

ادھر ہم سیاسی حقوق کی جدوجہد میں مصروف تھے ادھر بھارت نے پاکستانی سرحدوں پر اپنی فوجیں جمع کر کے پورے پاکستان میں غیر معمولی حالات پیدا کر دیئے۔ ہر محبِ وطن پاکستانی بھارت کے ناپاک عزائم کے خلاف سینہ سپر ہو گیا تھا۔ اس سلسلے میں اہل بہاولپور کے جذبات بھی دوسرے پاکستانیوں سے کسی طرح مختلف نہ تھے۔ چنانچہ ۲۲ر جولائی ۱۹۵۱ء کو بہاولپور مسلم لیگ کے زیر اہتمام عید گاہ بہاولپور میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔ میں نے اس جلسے کی صدارت کی اور صدارتی تقریر بھی کی۔ میں نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ

"اگر بھارتی فوجوں نے پاکستان پر حملہ کیا تو ہم وزارت کی کرسیوں کی زینت بن کر نہیں بیٹھے رہیں گے۔ میں آپکو یقین دلاتا ہوں کہ اگر ایسا وقت آیا تو بہاولپوری عوام میں سب سے پہلا شخص میں ہونگا جسے آپ محاذ جنگ پر اپنے وطن کے دوسرے مجاہدوں کے دوش بدوش دشمنوں سے نبرد آزما دیکھیں گے"۔

میری اس تقریر کا لوگوں پر بڑا خوشگوار اثر ہوا اور پوری فضا اللہ اکبر کے فلک شگاف نعروں سے گونج اٹھی۔

ایسے ہی جلسے بہاولپور کے دوسرے مقامات پر بھی مسلم لیگ نے منعقد کئے۔ بہاولنگر میں میری صدارت میں جو جلسہ ہوا تھا اس میں اپنی تقریر میں، میں نے کہا تھا کہ

> "عوام کو یقین کرنا چاہئے کہ حکومت عوام کی ہر مصیبت میں ان کے ساتھ ہے اور موجودہ صورت حالات میں ان کے تحفظ کیلئے ہر ممکن کوشش کر رہی ہے۔
>
> مسلمان ہمیشہ اصولوں کی جنگ لڑتا ہے اور اپنے خدا پر بھروسہ کرتا ہے۔ جو لوگ مسلمان کو اسکے اصول سے ہٹانے کی کوشش کرتا ہے وہ غلطی پر ہے۔ خدا پر بھروسہ کرنیوالے مسلمان سے جو بھی ٹکرائے گا وہ پاش پاش ہو جائیگا"۔

میں نے اس موقع پر پاکستان کے دفاع کیلئے اپنی طرف سے پچاس ہزار روپے کی رقم بھی پیش کی۔ بہاولنگر اور چشتیاں کی ضلعی و شہری لیگوں کی طرف سے بھی بالترتیب چالیس ہزار اور ایک لاکھ روپے دفاع پاکستان کیلئے پیش کئے گئے۔ رحیم یار خاں میں تیس ہزار افراد پر مشتمل ایک بھاری جلوس نکلا۔ جس میں اس جذبے کا اظہار کیا گیا کہ مسلمان دست درازی اور دھمکیوں کو برداشت نہیں کر سکتے۔ بہاولپور کے اسکاؤٹوں نے بھی دفاع وطن کیلئے اپنی خدمات پیش کیں۔ غرض ریاست کے طول و عرض میں ایک عجیب جوش و جذبہ پیدا ہو گیا تھا۔ لوگ اپنے محبوب وطن کے تحفظ کیلئے اپنا سب کچھ قربان کرنے کیلئے تیار تھے۔

میری لندن روانگی

میں کچھ عرصہ سے مختلف عوارض کا شکار تھا۔ یہاں کے ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ میں لندن جا کر اپنا مکمل معائنہ کراؤں تاکہ جسمانی طور پر ہر طرح سے صحتمند ہو کر سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لے سکوں۔ یہ وقت اگرچہ ملک کیلئے خاصا نازک تھا۔ لیکن ایک طرف اپنی صحت کا سوال تھا اور دوسری طرف یہ اطمینان بھی تھا کہ پاکستانی عوام کسی کی گیدڑ بھبکی میں آنے والے نہیں۔ اگر خدانخواستہ بھارت نے پاکستان پر جنگ مسلط کر دی تو وہ ہر طرح اپنا دفاع کریں گے۔ پھر میں بھی کون سا طویل مدت کیلئے باہر جا رہا تھا۔ صرف تین ہفتے مجھے لندن میں قیام کرنا تھا۔ لہٰذا خدا کا نام لیکر میں لندن روانہ ہو گیا۔ میں نے روانگی کے وقت ریاست کے عوام کو ایک پیغام میں کہا تھا کہ

> "مجھے نہایت افسوس ہے کہ میں اپنے وطن سے ایسے نازک وقت میں جا رہا ہوں جبکہ یہاں میری موجودگی اشد ضروری ہے مگر میں اپنے ڈاکٹروں

کی تاکید کے تحت ایسا کرنے پر مجبور ہوں۔ مجھے امید ہے کہ میرے ہمعصر اور جملہ محکمہ جات کے افسران تعمیری پروگرام جو کہ زیر عمل ہیں انکی تکمیل میں انتہائی کوشش کریں گے۔ نیز حسب معمول تنظیم اور عزم کے ساتھ کام کرتے رہیں گے۔

"جہاں تک دفاع پاکستان کا تعلق ہے آپ حضرات مضبوطی کیساتھ متحد اور استحکام کیساتھ مسلم لیگ کے وفادار اور پاکستان کے دفاع کیلئے چٹان کی طرح استادہ رہیں"۔

ڈاکٹر محمود الحسن کی بہاولپور میں آمد

ستمبر ۱۹۵۱ء کے اوائل میں پاکستان کے وزیر دفاع ڈاکٹر محمود الحسن کی بہاولپور میں آمد پر بہاولپور مسلم لیگ کے زیر اہتمام ایک جلسہ منعقد ہوا تھا جس میں تقریر کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے بہاولپوری عوام کے جذبہ جہاد سے متاثر ہو کر کہا تھا

"بہاولپور کے عوام کا جذبہ دیکھ کر میرا سیروں خون بڑھ گیا ہے میں نے دیکھا کہ بہاولپور کے لوگ عزم و استقلال کی چٹان ہیں"۔

ان تاثرات کے علاوہ ڈاکٹر صاحب نے اس معاہدے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جو گذشتہ دنوں اعلیٰ حضرت امیر بہاولپور اور حکومت پاکستان کے درمیان ہوا تھا کہا

"میں اس معاہدے کو نیک فال سمجھتا ہوں اور توقع رکھتا ہوں کہ بہاولپور کو عنقریب دوسرے صوبوں کا سا درجہ حاصل ہو جائیگا۔ حکومت پاکستان آپکے مفاد کا پورا پورا خیال رکھتی ہے۔ جو چیز آپکے مفاد کیلئے ہے وہ ضرور کریگی"

جامعہ عباسیہ کے نصاب میں ترمیم کیلئے علامہ سلیمان ندوی کی بہاولپور میں آمد

جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ میں نے وزارت تعلیم کا قلمدان سنبھالتے ہی ریاست میں تعلیم کو عام کرنے اور جامعہ عباسیہ کو جدید خطوط پر استوار کرنے کی جو ہمہ جہتی کوشش تھی۔ اس سلسلے میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی اور سید سلیمان ندوی کے علاوہ دوسرے ماہرین تعلیم کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔ علامہ موصوف کی تو عمر نے وفا نہ کی اور وہ اس غرض کیلئے بہاولپور تشریف لائے ہوئے تھے کہ اچانک یہاں انکا انتقال ہو گیا لیکن چونکہ یہ میرے پروگرام کا ایک اہم حصہ تھا اس لئے مختلف اوقات میں اس غرض کیلئے کوششیں جاری رہیں۔ چنانچہ ستمبر ۱۹۵۱ء کے آغاز میں یہاں مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا

ظفر انصاری، مولانا محمد شفیع اور دیگر ماہرین تعلیم بہاولپور تشریف لائے اور انہوں نے جامعہ کے نصاب کو جدید تقاضوں کے مطابق مرتب کرنے کیلئے اپنے مفید مشوروں سے نوازا۔

قائد ملت لیاقت علی خاں کی شہادت

قائد ملت لیاقت علی خاں وزیر اعظم پاکستان بڑے مدبر اور منجھے ہوئے سیاستدان تھے۔ بہاولپور میں جواب تک آئینی اصلاحات نافذ ہوئی تھیں ان میں انکی حکمت عملی اور سوجھ بوجھ کو بہت دخل تھا۔ ہمیں توقع تھی کہ انکی رہنمائی و قیادت میں بھی بہاولپور کے عوام مکمل جمہوری حقوق حاصل کرنے میں جلد از جلد کامیاب ہو جائیں گے۔ وہ پاکستان کی مجموعی ترقی اور اسکی خارجہ پالیسی میں بھی دوررس تبدیلیاں کرنی چاہتے تھے۔ افسوس قائد اعظم کے اس دست راست کو پاکستان کے ایک سازشی ٹولے نے اپنے راستے سے ہٹانے کیلئے ایک کرائے کے آدمی سے قتل کرا دیا۔ وہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو مسلم لیگ کے زیر اہتمام کمپنی باغ راولپنڈی میں ایک جلسہ سے خطاب کر رہے تھے کہ انہیں گولی کا نشانہ بنا دیا گیا۔ قائد اعظم کی وفات کے بعد پاکستان ایک دوسرے عظیم نقصان سے دوچار ہوا تھا۔ ہم کو اپنی جگہ ایک محسن قوم اور مخلص قائد کی شفقت آمیز رہنمائی سے محروم ہونے کا غم تھا اور پورا پاکستان اپنی جگہ ایک مؤثر قیادت کے ختم ہو جانے سے غمگین تھا۔ بہر حال جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ کوئی آفت و مصیبت کسی سے پوچھ کر نہیں آتی اور ہر غم کا مداوا وقت خود کر دیتا ہے۔ ہم نے بھی پوری قوم کے ساتھ اس صدمے کو برداشت کر لیا اور اپنی جدوجہد میں پھر مصروف ہو گئے۔

وزیر اعظم اور گورنر جنرل بدل گئے

خان لیاقت علی خاں کی شہادت کے بعد خواجہ ناظم الدین جو گورنر جنرل تھے پاکستان کے وزیر اعظم بنے اور ملک غلام محمد نے گورنر جنرل کا عہدہ سنبھالا۔ اس تبدیلی کا پاکستان کی قومی سیاست پر کیا اثر پڑا یہ ایک علیحدہ مضمون ہے اور اس پر جرح و قدح کی کافی گنجائش ہے لیکن مجھے یہاں صرف یہ کہنا ہے کہ یہ تبدیلی بہاولپور کے آئینی ارتقاء کی جدوجہد میں کوئی رکاوٹ نہیں بنی۔ ہم اپنی منزل کی طرف بڑھتے رہے۔ ملک غلام محمد گورنر جنرل اور خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم پاکستان جو ذاتی طور پر میرے شفیق مہربان تھے بہاولپور کے معاملات میں دلچسپی لیتے رہے۔ وقتاً فوقتاً میں بھی ان سے مل کر بہاولپور کے حالات سے انہیں مطلع کرتا رہتا تھا۔

۲۷ نومبر ۱۹۵۲ء کو مسٹر غلام محمد گورنر جنرل پاکستان سرکاری دورے پر بہاولپور آئے۔ اس موقع پر سٹیڈیم میں ایک گارڈن پارٹی ہوئی جس میں ان کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کرنے کا مجھے موقع دیا

گیا۔ اس سپاسنامہ میں میں نے اپنی کارگزاری کا ایک مختصر سا جائزہ بھی لیا۔ مسٹر غلام محمد نے جوابی تقریر کی اور ہماری خدمات کو سراہا اور آئندہ کے لئے بہتر خدمات کی توقع رکھی۔

بہاولپور مجلس کے آئندہ انتخابات

کہا گیا تھا کہ بہاولپور مجلس کے آئندہ انتخابات براہ راست اور بالغ حق رائے دہی کے اصول پر ہونگے۔ اس کیلئے کچھ تیاریاں بھی شروع ہو گئی تھیں۔ رائے دہندگان کی فہرستیں اور نیابتی حلقوں کی تشکیل ہو رہی تھی۔ دسمبر ۱۹۵۱ء کے وسط میں حلقہ بندی کمیٹی نے جو رپورٹ پیش کی تھی اسکی رو سے دیہات کو ۱۴ حلقوں اور شہری آبادی کو ۵ حلقوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ علاوہ ازیں چولستان ، غیر مسلم اور خواتین کیلئے ایک ایک نشست مختص کی گئی تھی۔ بہاولپور مجلس نے انتخابی قواعد جو منظور کئے تھے اسمیں دیگر امور کے علاوہ یہ بھی طے کیا گیا تھا کہ کوئی امیدوار اپنے انتخاب میں ساڑھے سات ہزار روپے سے زائد خرچ نہیں کر سکے گا۔

بہاولپور مسلم لیگ نے انتخابات میں حصہ لینے کیلئے پارلیمنٹری بورڈ بنا دیا تھا، اسکے علاوہ مسلم لیگ کا انتخابی منشور مرتب کرنے کیلئے مسلم لیگ نے میری سربراہی میں ایک کمیٹی بھی تشکیل کی تھی جس نے اپنا کام شروع کر دیا تھا۔

وزیر اعظم پاکستان کی بہاولپور میں آمد

دریں اثناء وزیر اعظم پاکستان خواجہ ناظم الدین بہاولپور کے دورے پر تشریف لائے اور یہاں کے حالات کا بہ نفس نفیس جائزہ لیا۔ بہاولپور مسلم لیگ نے ڈرنگ اسٹیڈیم میں ایک عظیم الشان جلسہ کا اہتمام کیا۔ جس میں میرے والد مخدوم الملک نے وزیر اعظم پاکستان کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا۔ سپاسنامے میں بہاولپور مسلم لیگ کی نمائندہ حیثیت ، مسلم لیگ سے اعلیٰ حضرت کی دلچسپی ، سیاسی اصلاحات کے سلسلے میں انکے اقدامات اور عوامی نمائندوں کی کارکردگی کے متعلق مفصل اظہار خیال کیا۔

اس کے جواب میں خواجہ ناظم الدین صاحب نے فرمایا،

> "قیام پاکستان کے بعد ریاست بہاولپور نے جمہوریت کی طرف تیزی سے قدم اٹھایا ہے اور نفاذ اصلاحات کے بعد بہاولپور اور پاکستان کے دوسرے صوبوں میں بہت کم فرق رہ گیا ہے"۔

بہاولپور کی ترقی میں نواب بہاولپور کی روشن خیالی اور وسیع النظری کا ذکر کرتے ہوئے کہا،

> "انہوں نے ہر معاملے میں مرکز سے پورا پورا تعاون کیا ہے۔ وہ اپنے مفاد کے معاملے میں اہل ریاست کی بہبود کو مقدم سمجھتے ہیں۔ انہوں

نے آئینی فرمانروائی کی روشن مثال قائم کی ہے۔ ان کا تدبر بہاولپور میں یاد گار رہے گا"۔

جمہوری اصلاحات کے سلسلے میں خواجہ صاحب نے کہا،

" پاکستان میں بہاولپور پہلی ریاست ہے جس میں نمائندہ مجلس قانون ساز قائم ہوئی اور وزراء ارکان مجلس میں سے منتخب ہوئے۔ آئینی اصلاحات کی دوسری قسط انشاء اللہ جلد نافذ ہونیوالی ہے"۔

انہوں نے یہ بھی بتایا کہ،

" بہاولپور کی آئینی ترقی کے پیش نظر حکومت نے کچھ عرصہ قبل یہ طے کیا ہے کہ بہاولپور سے تقریباً ویسے ہی تعلقات قائم کئے جائیں گے جو صوبائی حکومتوں کے ساتھ ہیں۔ اس فیصلے سے بہاولپور کے سامنے ترقی کا نیا میدان کھل گیا ہے اور امید ہے کہ ریاست کی حکومت اور یہاں کے عوام اس سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں گے"۔

ہماری ترقیاتی سرگرمیوں پر بھی وزیر اعظم پاکستان نے اظہار مسرت واطمینان کیا۔ البتہ ہمارے مخالفین نے مناقشات کی جو صورت پیدا کر رکھی تھی اس پر افسوس ظاہر کرتے ہوئے انہوں نے کہا،

" تمام سیاسی جماعتوں کا یہ دستور ہوتا ہے کہ جو امور کثرت رائے سے طے پائیں انہیں تسلیم کر لیا جائے۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ اب تک ہمارے لوگوں میں یہ بات پیدا نہیں ہوئی کہ کس فیصلے کو آخری تصور کریں"۔

بہاولپور کا کامیاب دورہ کرنے کے بعد خواجہ ناظم الدین میرے والد کی دعوت پر جمال دین والی گئے۔ جمال دین والی میں خواجہ صاحب نے ہمارے مزارعوں کے مکانات دیکھے جن سے وہ بہت متاثر ہوئے اور کہنے لگے کہ یہ مکانات تو اچھے خاصے زمینداروں سے بھی بہتر ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے شکار کھیلا اور ہمارے ساتھ عشائیہ میں شرکت کی یہاں مختلف نوع کے کھانوں کا چرچا بعض اخبارات میں بھی ہوا۔ بہرحال ہم نے خواجہ صاحب کے ذوق کا خیال رکھا تھا۔

مخالفین کی ہٹ دھرمی

خواجہ صاحب نے جن سیاسی مناقشات کا ذکر کیا تھا ان سے ہمیں روز اول سے ہی سابقہ تھا۔ ہمارے مخالفین کو کوئی اصولی اختلاف نہیں تھا۔ بلکہ انکی خواہش تھی کہ اکثریت انکے حق میں ہو یا نہ ہو لیکن حکومت کا کرتا دھرتا انہیں کو تسلیم کیا جائے اور جو کچھ وہ کرنا چاہیں وہ بلا روک ٹوک کر سکیں۔ مسلم لیگ کو

بھی وہ ذاتی مقاصد کیلئے استعمال کرنا چاہتے تھے۔ بہر حال ہم نے انکے مذموم ارادوں کے آگے ہتھیار نہیں ڈالے اور اصول و ضابطہ کے مطابق مسلم لیگ کو مضبوط و مستحکم کرتے رہے اور حکومت کی جو ذمہ داریاں ہمیں سپرد تھیں انہیں بھی بغیر کسی خوف یا لالچ کے انجام دیتے رہے۔ جسکا نتیجہ یہ نکلا کہ حکومت پاکستان کو بھی ہماری آئینی ترقی کا اعتراف کرنا پڑا اور اسی بنیاد پر ہمیں مزید آئینی اصلاحات کا حقدار ٹھہرایا۔

مسلم لیگ کونسل کا اضطراب

چونکہ چلتی گاڑی میں روڑا اٹکانے کا خطرہ ہر وقت درپیش تھا اسلئے ہم نے اس طرف سے کبھی غفلت برتی اور نہ کوئی ایسا موقع ہاتھ سے جانے دیا کہ ہم نے اپنے مطالبے کو پوری شدت سے نہ دہرایا ہو۔ چنانچہ ۲۶ر جنوری ۱۹۵۲ء کو بہاولپور مسلم لیگ کونسل کا اجلاس ہوا تو ایک قرارداد کے ذریعہ اس تشویش کا اظہار کیا گیا کہ مسلم لیگ کی طرف سے بارہا عرضداشتوں کے باوجود اعلیٰ حضرت امیر بہاولپور نے اب تک آئینی اصلاحات کا اعلان نہیں کیا۔ لہٰذا کونسل نے اس اضطراب کی طرف اعلیٰ حضرت کی توجہ مبذول کرتے ہوئے ان سے مطالبہ کیا کہ وہ ریاست میں مکمل ذمہ دارانہ نظام حکومت کا جلد از جلد اعلان فرمائیں۔ میں نے اس قرارداد کے حق میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

> "جہاں تک ذمہ دارانہ نظام حکومت کا تعلق ہے، میں آپکو یقین دلاتا ہوں کہ آپ جلد منزل مقصود پر پہنچ جائیں گے۔ یہاں چند افراد ایسے موجود ہیں جنھوں نے ہمارے اور اعلیٰ حضرت کے تعلقات بگاڑنے کی کوشش کی لیکن وہ ناکام ہوئے۔ ہم فخر سے اعلان کرتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت سے ہمارے تعلقات نہایت خوشگوار ہیں اور اب عنقریب وہ وقت آنے والا ہے کہ راعی و رعایا میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔ اعلیٰ حضرت مسلم لیگ کے حامی ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ جلد ہی آپکو ذمہ دارانہ نظام حکومت دیدیں"۔

ہماری حکمت عملی

ہماری حکمت عملی یہ تھی کہ جہاں اعلیٰ حضرت سے کسی قسم کا بگاڑ نہ ہو اور وہ کسی بدگمانی یا مخالفانہ پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر اصلاحات کے نفاذ کے عمل کو نہ روک دیں۔ وہاں بیرون ریاست مقتدر سیاسی لیڈروں کی بھی حمایت حاصل کرتے رہتے تھے تاکہ حکومت پاکستان میں ہماری آواز موثر ثابت ہو۔ ایسے سیاسی لیڈر کبھی کبھار ہماری دعوت پر بہاولپور بھی آتے رہتے تھے۔ چنانچہ خان عبدالقیوم خان جو صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ تھے جنوری کے اواخر میں یہاں تشریف لائے اور ہماری استدعا پر بہاولپور اور مسلم لیگ

کونسل کے اجلاس میں شرکت کی اور تقریر بھی فرمائی۔ انہوں نے اپنی تقریر میں کہا:

"بحیثیت مسلم لیگی کے مجھ پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ بہاولپور مسلم لیگ کو ہر قسم کی امداد دیجائے۔ مجھے بہاولپوری عوام سے امید ہے کہ وہ مسلم لیگ کو کامیاب بنائیں گے۔

"مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ بہاولپوری عوام اور ان کے نمائندے صحیح راستے پر گامزن ہیں۔ آپکو عنقریب ذمہ دارانہ نظام حکومت ملے گا۔ اس سلسلے میں آپ پریشان نہ ہوں اسوقت سب سے ضروری چیز یہ ہے کہ مسلم لیگ کو زیادہ سے زیادہ مضبوط اور مستحکم کیا جائے"۔

خان عبدالقیوم کی طرف سے ہماری حسن کارکردگی کا اعتراف

خان عبدالقیوم خاں پاکستان کے منجھے ہوئے سیاستدان تھے اور حکومت چلانے کا وسیع تجربہ رکھتے تھے۔ انہوں نے جب بہاولپور میں ایک مستحکم لیگ دیکھی اور اسکے نمائندوں کو حکومت کی تفویض کردہ ذمہ داریوں کو کامیابی سے چلاتے دیکھا تو بیساختہ یہ الفاظ ان کے ہونٹوں پر آگئے،

"آپ کا مستقبل شاندار ہے اور آپ انشاللہ ذمہ دارانہ نظام حکومت چلانے میں کامیاب ہوں گے"۔

حقیقت میں تعریف تو وہی قابل قدر ہوتی ہے جو دوسرے کریں۔ خان قیوم سے ہمارا تعلق مسلم لیگی ناتے سے تھا اور بس! لیکن دیکھئے وہ ہمارے اس قدر مداح تھے کہ انہوں نے ایک پریس کانفرنس کے ذریعہ بھی اپنے خیالات کا اظہار ضروری سمجھا۔ چنانچہ انہوں نے پریس کانفرنس میں کہا:

"میں ریاست کے چار روزہ دورے میں ریاست کی تعمیری ترقیات کو دیکھ کر بہت ہی متاثر ہوا ہوں۔ حکومت بہاولپور نہایت ہی سرعت کے ساتھ تعمیری کاموں کو عملی جامہ پہنا رہی ہے۔ ریاست نے تقریباً ایک لاکھ ایکڑ مزید اراضی کو زیر کاشت لا کر اور اسمیں بیشتر حصہ مہاجرین میں تقسیم کر کے مملکت پاکستان کی اہم خدمت انجام دی ہے۔ عباسیہ کالونی پر آباد شدہ مہاجرین بالکل مطمئن نظر آتے ہیں۔ یہاں نئے نئے کارخانے تعمیر ہوتے نظر آرہے ہیں۔ پاکستان زرعی ملک ہے اور یہاں صنعت کی اشد ضرورت ہے۔

جہاں تک بہاولپور مسلم لیگ کا تعلق ہے میں بلاخوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ یہ ایک مقبول ترین ادارہ ہے"۔

قبل از وقت انتخابات کی تیاریاں

اگرچہ ابتک ذمہ دارانہ نظام حکومت کا اعلان نہیں ہوا تھا اور نہ آئندہ انتخابات کیلئے کوئی شیڈول یا پروگرام وضع کیا گیا تھا لیکن مسلم لیگ نے اس سلسلے میں زحمت کش انتظار رہنے کے بجائے یہ مناسب سمجھا تھا کہ انتخابات کیلئے خود کو ہر طرح سے تیار کر لیا جائے۔ چنانچہ میں نے اس سلسلے میں ریاست بھر کے مسلم لیگی کارکنوں کا ایک نمائندہ اجلاس طلب کیا جس میں ریاست کے طول و عرض سے آکر تمام مقتدر کارکنوں نے شرکت کی۔ میں نے اجلاس میں تازہ ترین صورت حالات کی وضاحت کی اور کارکنوں کو یقین دلایا کہ انشاءاللہ بہت جلد ریاست میں ذمہ دارانہ حکومت کے قیام کے متعلق فرمان جاری ہو جائے گا۔ اس لئے وقت آگیا ہے کہ مسلم لیگ آنے والے انتخابات کے سلسلے میں عملی کام شروع کر دے۔

میری تجویز پر اجلاس میں تحصیل وار کمیٹیاں قائم کی گئیں جنہیں اپنے اپنے حلقے میں منظم پروگرام کے تحت انتخابی مہم کیلئے کام کرنا تھا۔ ان کمیٹیوں کے ذمے یہ بھی کام تھا کہ وہ عوام پر مسلم لیگ کے موقف کو واضح کریں اور انتخابات کیلئے فضا ساز گار بنائیں۔

یہ بھی طے کیا کہ ریاست بھر میں مسلم لیگ کے زیر اہتمام جلسے منعقد کئے جائیں گے جس میں پاکستان کے زعما کو خطاب کی دعوت دیجائیگی۔

مسلم لیگی کارکنوں نے بڑے پرجوش انداز میں میری تجاویز کا خیر مقدم کیا اور یقین دلایا کہ وہ مسلم لیگ کی کامیابی کیلئے نہ صرف اپنا تمام وقت اور تمام صلاحیتیں وقف کر دیں گے بلکہ ہر طرح کی قربانیاں دینے کیلئے بھی تیار رہیں گے۔

محاذ آرائی سے گریز

یہ سب کچھ انتظامات تو ہم نے کر دیئے تھے لیکن اصلاحات کے اعلان میں جوں جوں تاخیر ہوتی جا رہی تھی عوام میں اضطراب اور بے چینی بھی پیدا ہوتی جا رہی تھی۔ پہلے توقع تھی کہ فروری ۱۹۵۲ء میں اصلاحات کا اعلان ہو جائیگا لیکن جب فروری کا مہینہ بھی ختم ہونے پر آیا تو مسلم لیگ کے اندرونی حلقے بھی تشویش کا اظہار کرنے لگے۔ کچھ لوگوں کی رائے تھی کہ مسلم لیگ کو اس سلسلے میں ڈائریکٹ ایکشن کرنا چاہئے۔

لیکن میں سیاسی معاملات کو جذباتی انداز میں طے کرنے کے حق میں نہیں تھا اس لئے میں نے ایسی کسی تجویز کی حوصلہ افزائی نہ کی اور مسلم لیگ کو صبر و تحمل اور افہام و تفہیم کی راہ اختیار کرنے کا مشورہ دیا۔ چونکہ مخالفین ہمارے اس اضطراب سے بھی فائدہ اٹھانے کی فکر میں تھے اس لئے ہمیں یہ بھی دیکھنا تھا کہ ہم کہیں جذبات میں آکر مسلم لیگ کا ہی تیا پانچہ نہ کر بیٹھیں اور مخالفین کو بغلیں بجانے کا موقع ملے۔ وہ تو کہتے ہی یہ تھے کہ بہاولپور مسلم لیگ کا کوئی وجود نہیں اور اسے جتنی جلدی ہو سکے ختم کر دیا جائے۔

ان حالات کا تقاضا یہ تھا کہ ہم کوئی قدم ایسا نہ اٹھائیں جس سے ہماری جماعت کی بنیادیں کمزور ہوں اور حکومت سے زور آزمائی کر کے اپنی ہی قوت کو ختم کر بیٹھیں۔ اسلئے ہم نے صورت حالات کو ہر ممکن طریقے سے قابو میں رکھا اور جوش کو ہوش پر غالب نہ آنے دیا۔

مسٹر گورمانی کی بہاولپور میں آمد

اس حزم و احتیاط کا یہ نتیجہ نکلا کہ جس منزل کی طرف ہم جا رہے تھے اسکے راستے میں کوئی رکاوٹ نہ پڑی۔ ۲۴ر فروری ۱۹۵۲ء کو پاکستان کے وزیر داخلہ نواب مشتاق احمد گورمانی بہاولپور تشریف لائے جنکے مشورے سے ریاست کے مسودہ آئین کو اعلیٰ حضرت نے منظور فرمالیا اور یہ طے پا گیا کہ آئندہ چند روز میں اصلاحات کا اعلان کر دیا جائیگا۔

مسودہ آئین

ریاست کا یہ آئین جو گورنمنٹ آف بہاولپور (عبوری دستور) ایکٹ ۱۹۵۲ء کے نام سے نافذ کیا گیا تھا اسکی بعض اہم شقیں مندرجہ ذیل ہیں۔

۲۔ گورنمنٹ آف بہاولپور کے متعلق تمام سابقہ قوانین اور قواعد بہ منزلہ قانون اس حد تک منسوخ تصور ہوں گے جس حد تک وہ ایکٹ ہذا کے کسی حکم کے خلاف ہوں۔

(باب دوم) ۳۔ اس ایکٹ کی دفعہ ۴ کے مطابق ہز ہائنس الحاج صادق محمد خاں عباسی امیر بہاولپور ریاست کے فرمانروا ہونگے۔

۴۔ دفعہ ۵ کی رو سے فرمانروا کا منصب موروثی ہو گا اور اسکے خالی ہونے کی صورت میں موجودہ فرمانروا کی اولاد نرینہ میں سے اسکو یہ منصب ملے گا جسے خاندانی رواج و رسم کے مطابق یہ حق پہنچتا ہے اور جسے گورنر جنرل پاکستان فرمانروا تسلیم کریں۔

۵۔ دفعہ ۶ کی رو سے تمام وہ حقوق و اختیارات اور اقتدار فرمانروا کو اسوقت تک حاصل ہیں یا جو گورنمنٹ آف بہاولپور کی حیثیت سے انکو حاصل ہیں وہ استعمال کرنے کے مجاز ہوں گے۔ بجز ان اختیارات کے جن سے متعلق ایکٹ ہذا میں کوئی برعکس حکم دیا گیا ہو۔ شرط یہ ہے کہ فرمانروا کی حیثیت سے غیر موجودگی کی صورت میں انکے منصب سے متعلق اختیارات وہ شخص استعمال کریگا جسے حکمران ریاست نے باتفاق رائے فضیلت مآب گورنر جنرل پاکستان نے اس غرض کیلئے مقرر کیا ہو۔

۶۔ فرمانروا کو سالانہ اخراجات شاہی یا جیب خرچ کے طور پر ریاست کے خزانہ سے اس قدر رقم ملے گی جو گورنر جنرل اور حکمران آپس میں طے کریں' یہ رقم کسی صورت میں اس رقم سے کم نہ ہو گی جو ایکٹ ہذا کے نفاذ کے وقت انکو مل رہی ہو گی۔ یہ رقم حکمران کو اسلئے دی جائیگی کہ وہ اپنے فرائض سہولت اور

وقار کیساتھ سرانجام دے سکیں۔

(باب سوم) ۷۔ بمطابق احکام دفعہ ۶ دستور پاکستان ریاست ہذا پاکستان کی ایک وفاقی ریاست ہوگی۔ وہی دستور جو پاکستان کی دستور ساز اسمبلی بنائیگی پاکستان کے دوسرے حصوں کی طرح بہاولپور کا دستور بھی مشہور ہو گا۔ اس دستور کو احکام مندرجہ کے مطابق ریاست میں اعلیٰ حضرت نافذ کریں گے اور اس دستور کی تاریخ نفاذ سے وہ تمام نافذ العمل دستوری احکام جو دستور پاکستان کے احکام سے متضاد ہوں گے ساقط ہو جائیں گے۔

(باب چہارم) ریاستی منتظم ۔ ریاست کی منتظمہ کے اختیارات یا تو فرمانروائے ریاست بذات خود یا اپنے مقرر کردہ افسران کے ذریعہ استعمال فرمائیں گے۔ لیکن پاکستان یا ریاستی مقننہ کو اختیارات ہوگا کہ وہ چھوٹے افسران کو بعض اختیارات دیں۔ جو موجودہ قانون کے مطابق کسی عدالت 'جج' افسر یا کسی مقامی یا دوسرے ادارے کو حاصل ہوں 'فرمانروائے ریاست کو منتقل کر دے۔

دفعہ ۹۔ اس ایکٹ کے احکام کے ماتحت ریاست کے انتظامی اختیارات ان امور پر حاوی ہیں جنکے متعلق ریاستی مقننہ کو قانون سازی کا اختیار ہے۔

دفعہ ۱۰۔ اپنے فرائض کے استعمال کیلئے فرمانروا کی مندرجہ ذیل خصوصی ذمہ داریاں ہونگی۔

(ا) ریاست یا اسکے کسی حصہ میں امن وامان کے شدید خطرات کا انسداد۔

(ب) ریاست کے اقتصادی استحکام اور ساکھ کی حفاظت۔

(ج) جو لوگ سرکاری ملازمت میں ہوں یا رہ چکے ہوں انکے اور انکے متعلقین کیلئے انکے حقوق کا حصول، جو اس ایکٹ کے تحت یا انکے مطابق دیئے گئے ہوں اور انکے شرائط ملازمت کے مطابق انکے جائز مفادات کی پاسبانی۔

(د) گورنر جنرل پاکستان کے جاری کردہ ان احکام پر عملدر آمد جو موصوف وفاقی مقننہ سے متعلقہ امور کے بارہ میں نافذ کریں۔

(۱) ان معاملات کے متعلق حسب منشا عملدر آمد کرانے میں (جس میں فرمانروا کو ایکٹ ہذا کے تحت یا مطابق ذاتی صوابدید یا انفرادی فیصلہ کرنیکا اختیار دیا گیا ہے) یہ بات مانع 'متناقص نہ ہوگی کہ کسی اور معاملے پر عملدر آمد کیلئے کوئی مختلف طریق کار مقرر ہے۔

(۲) جہاں اور جس حد تک فرمانروا کی خصوصی ذمہ داری کا تعلق ہو، وہ اپنے فرائض کی انجام دہی کیلئے مجوزہ طریق کار کی نسبت اپنا ذاتی فیصلہ صادر کریں گے۔

(۳) جب یہ تجویز کی جائے کہ فرمانروا اپنے اختیارات کے تحت پولیس کے متعلق کوئی قواعد مرتب یا ترمیم کریں تو فرمانروا اپنی ذاتی صوابدید پر ایسی تجویز کے بارے میں اختیارات استعمال کریں گے۔ بجز اس صورت کے کہ انکے نزدیک وہ تجویز پولیس کی تنظیم اور نظم وضبط سے متعلق نہ ہو یا ان پر اثرانداز نہ ہوتی ہو۔

وزراء کی کونسل

دفعہ ۱۱۔ (۱) ریاست کے فرمانروا کو امور مملکت کی خدمت، مشورہ دینے اور ان کی اعانت کیلئے وزراء کی ایک کونسل مقرر ہوگی۔ لیکن ان امور مملکت میں وہ معاملات شامل نہ ہوں گے جن میں ایکٹ ہذا کے تحت یا مطابق فرمانروا کو تمیزی اختیارات استعمال کرنے کا اختیار ہو۔ شرط یہ ہے کہ اس دفعہ کی کسی عبارت سے یہ مطلب اخذ نہیں کیا جائیگا کہ حکمران کو ان معاملات میں اپنا ذاتی فیصلہ صادر کرنے کی ممانعت ہوگی۔ جن میں انکو مملکت ہذا کے مطابق یا اسکے تحت ایسا کرنے کا حکم ہو۔

دفعہ ۱۱ (۲) اپنی صوابدید اور ذاتی رائے کے استعمال کے سلسلے میں فرمانروا ان عمومی یا خصوصی ہدایات سے رہنمائی حاصل کریں گے جو گورنر جنرل ان کے نام جاری کریں۔

(۳) جب کبھی یہ سوال پیدا ہو کہ آیا کوئی معاملہ زیر بحث ایسی نوعیت کا ہے کہ جس میں ایکٹ ہذا کے مطابق یا تحت فرمانروائے ریاست کو اپنی صوابدید اور ذاتی رائے کے استعمال کا اختیار ہے تو اس تنازعہ کی نسبت گورنر جنرل کا فیصلہ قطعی ہو گا اور گورنر جنرل کے مشورے سے کئے ہوئے اس فیصلے کو جو فرمانروا نے ایسے میں صادر کیا ہوا ،اس بنا پر زیر اعتراض نہ لایا جائیگا کہ اس میں فرمانروا کو ذاتی صوابدید اور رائے استعمال کرنے کا حق تھا یا نہ۔

۱۲۔ (۱) فرمانروائے ریاست اپنے وزراء خود منتخب اور تعینات کریں گے۔ انہیں وزارتی کونسل کے رکن کی حیثیت سے حلف لینا ہو گا اور وہ فرمانروا کی رضامندی تک وزیر رہیں گے۔

۱۳۔ ایک ایسے آدمی کو بھی وزیر بنایا جاسکے گا جو ریاستی مجلس قانون ساز کا ممبر نہ ہو۔ مگر شرط یہ ہوگی کہ ایسا وزیر جو دس ماہ کے اندر مجلس کا رکن منتخب نہ ہوسکے گا وہ وزارت سے محروم ہو جائیگا۔

دفعہ ۳۔ (۳) وزراء کی تنخواہیں وہی ہوں گی جو ریاستی مقننہ مقرر کرے۔ لیکن درمیانی عرصہ کیلئے فرمانروا بھی تنخواہ مقرر کرسکیں گے۔ البتہ وزراء کی تنخواہ میں تغیر و تبدل نہ کیا جاسکے گا۔

(۴) یہ امر کسی عدالت میں مزید تحقیقات میں نہ لایا جاسکے گا کہ کسی معاملہ میں آیا وزراء نے کوئی صلاح دی تھی یا کیا صلاح دی تھی۔

مشیر

دفعہ ۱۳۔ (۱) فرمانروا چاہے تو خود بخود یا گورنر جنرل کے ان معاملات کے متعلق مشورہ دے گا جس میں انہیں ذاتی صوابدید اور رائے استعمال کرنے کا حق ہے۔

(۲) فرمانروا کو اختیار ہو گا کہ چاہیں تو ایکٹ ہذا کے تحت اپنے اختیارات عارضی طور پر کسی مشیر کو دے دیں۔

ایڈووکیٹ جنرل

دفعہ ۱۴۔ حکمران کسی ایسے آدمی کو جس میں ہائیکورٹ کے جج بننے کی مجوزہ صلاحیتیں موجود ہوں ریاست کا ایڈووکیٹ جنرل مقرر فرمائیں گے۔

(۳) ایڈووکیٹ کا عزل ونصب حکمران ریاست کے اختیار میں ہو گا۔

(۴) ایڈووکیٹ جنرل کے تقرر اور شرائط ملازمت کے متعلق اپنے اختیارات استعمال کرنے میں حکمران ذاتی طور پر فیصلہ فرمائیں گے۔

حکومتی کاروبار

دفعہ ۱۵۔ (۱) حکومت ریاست کی طرف سے تمام انتظامیہ کارروائی اعلیٰ حضرت کے نام پر کی جائیگی۔

(۳) اعلیٰ حضرت حکومتی کاروبار چلانے کے متعلق قواعد بنائیں گے اور وزراء کے درمیان تقسیم کار بھی خود فرمائیں گے۔

(۴) ان قواعد میں ایسے احکام بھی شامل ہونگے جنکے مطابق وزراء اور سیکرٹریوں کو پابند کیا جائے کہ وہ تمام مجوزہ حکومتی کارروائی کے متعلق اعلیٰ حضرت کو اطلاع دیں۔ علی الخصوص وزراء اور سیکرٹریوں کو پابند کیا جائیگا کہ وہ اعلیٰ حضرت کے نوٹس میں وہ معاملہ لے آئیں جو اعلیٰ حضرت کی خصوصی ذمہ داری سے متعلق معلوم ہو۔

باب پنجم

ریاستی اسمبلی۔ دفعہ ۱۶۔ ریاست میں قانون سازی کیلئے ایک مقننہ ہو گی جو اعلیٰ حضرت اور قانون ساز اسمبلی پر مشتمل ہو گی۔

لیجسلیٹو اسمبلی۔ دفعہ ۱۷۔ قانون ساز اسمبلی میں ۴۹ ممبران ہونگے جنہیں بالغ رائے شماری کے اصول پر منتخب کیا جائیگا۔ یہ اسمبلی بشرطیکہ اسے قبل از وقت توڑ نہ دیا جائے اپنے پہلے اجلاس کی تاریخ سے پانچ سال تک بر سر کار رہے گی۔ لیکن اسکے قیام کی مدت میں اضافہ نہ ہو سکے گا اور پانچ سال ختم ہونے پر یہ خود بخود ختم ہو جائیگی۔

مقننہ کے اجلاس اور اسکا اختتام

دفعہ ۱۸۔ (۱) قانون ساز اسمبلی ایک سال میں کم از کم ایک مرتبہ اجلاس کرے گی اور اسکے دو جلسوں میں بہرحال بارہ ماہ سے کم یا زیادہ مدت کا وقفہ نہیں ہونے دیا جائیگا۔

(۲) اس دفعہ کے احکام کے ماتحت اعلیٰ حضرت کو اختیار ہو گا کہ جب چاہیں
(ا) اسمبلی کی میٹنگ اپنے مقرر کردہ وقت اور مقام پر طلب کریں۔
(ب) اسمبلی کا اجلاس ملتوی کر دیں۔
(ج) اسمبلی کو توڑ دیں۔

شاہی خطابات اور پیغامات

دفعہ ۱۹۔ (۱) اعلیٰ حضرت کو اختیار ہو گا کہ اسمبلی سے خطاب کریں اور اس غرض کیلئے ممبران اسمبلی کو طلب کریں۔

(۲) اعلیٰ حضرت اسمبلی کے پاس اپنے پیغامات بھجوا سکتے ہیں۔ خواہ وہ اسمبلی کے زیر غور موجودہ آئین کے متعلق ہوں یا نہیں اور اسمبلی کا فرض ہو گا کہ وہ بسرعت ممکنہ ایسے شاہی پیغامات کے مندرجات پر غور کریں۔

اسمبلی کے عہدیدار

دفعہ ۲۱۔ اسمبلی جس قدر ممکن ہو گا ممبران میں سے سپیکر اور ڈپٹی سپیکر کا انتخاب کرے گی اور جتنی دفعہ یہ عہدے خالی ہوں از سرنوان دونوں عہدیداروں کا انتخاب کرے گی۔

(۲) اسپیکر اور ڈپٹی سپیکر اگر ممبر نہ رہیں تو اپنے عہدے خالی کر دیں گے۔ اپنے عہدوں سے مستعفی ہونے کیلئے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں تحریری استعفیٰ پیش کریں گے۔ انکو اس صورت میں بھی علیحدہ کیا جا سکے گا کہ اسمبلی کے اجلاس میں موجودہ ممبران کی اکثریت انکی علیحدگی کی قرارداد منظور کر دے۔ لیکن ایسی قرارداد ۱۴ دن کا پیشگی نوٹس دیئے بغیر پیش نہ کی جا سکے گی۔ شرط یہ ہے کہ جب اسمبلی ٹوٹ جائے تو اسپیکر نئی اسمبلی کے اجلاس سے فوراً قبل تک اپنے عہدے خالی نہ کریں گے۔

(۳) جب تک اسپیکر کا عہدہ خالی ہو ڈپٹی سپیکر انکے فرائض انجام دیں گے۔ یا جب ڈپٹی سپیکر کا عہدہ خالی ہو تو اسمبلی کا وہ ممبر جسے اعلیٰ حضرت اس غرض کیلئے مقرر کریں۔

(۴) سپیکر اور ڈپٹی سپیکر کی تنخواہیں اسمبلی کے منظور کردہ ایکٹ کے ذریعہ مقرر کی جائینگی اور ایسے ایکٹ کے نفاذ سے قبل کے عرصے میں انکو وہ تنخواہات ملیں گی جو اعلیٰ حضرت مقرر فرمائیں گے۔

رائے شماری

دفعہ ۲۲۔ بجز اس صورت کے کہ ایکٹ ہذا میں کہیں اسکے خلاف مذکور ہو، اسمبلی میں پیش شدہ تمام معاملات کا فیصلہ کثرت رائے سے ہو گا۔ سپیکر رائے شماری میں اپنا ووٹ نہیں دے سکیں گے۔ لیکن

مساوی ووٹ کی صورت میں سپیکر فیصلہ کن ووٹ ڈال سکیں گے۔
اگر اسمبلی کے کسی اجلاس میں ایوان کے کل ممبران کا ایک تہائی تعداد موجود نہ ہو تو سپیکر یا انکے قائم مقام کا فرض ہو گا کہ وہ اجلاس کو ملتوی کر دیں یا کارروائی کو اسوقت تک کیلئے روک دیں جب تک کم از کم ایک تہائی ممبر جمع ہو جائیں۔

ممبران اسمبلی کی تنخواہ
دفعہ ۲۷۔ ممبران اسمبلی کی تنخواہ اور الاؤنس خاص ایکٹ کے ذریعہ مقرر کی جائینگی۔

قوانین کی منظوری
دفعہ ۲۹۔ اسمبلی کے منظور کردہ مسودہ قانون کو اعلیٰ حضرت کی منظوری کیلئے پیش کیا جائیگا اور انہیں اختیار ہو گا کہ وہ اسے منظور کر دیں۔ یا گورنر جنرل پاکستان کے فیصلے کیلئے رکوالیں۔ شرط یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت چاہیں تو ایسے علیحدہ قانون کو اپنے پیغام کے ساتھ اسمبلی کے پاس واپس بھجوا دیں تا کہ وہ اسکے کل یا جزو پر دوبارہ غور کریں اور علی الخصوص ان ترمیمات پر غور کریں جنکی سفارش شاہی پیغام میں کی گئی ہو۔ اسمبلی پابند ہوگی کہ ایسے واپس آمدہ بل پر شاہی پیغام کے مطابق دوبارہ غور کرے۔

گورنر جنرل کی منظوری
دفعہ ۳۰۔ جب کوئی مسودہ قانون اعلیٰ حضرت گورنر جنرل کے فیصلے کیلئے بھجوائیں تو گورنر جنرل کو اختیار ہو گا کہ وہ اسے منظور کریں یا نامنظور کریں۔ شرط یہ ہے کہ اگر گورنر جنرل چاہیں تو وہ اعلیٰ حضرت کو ہدایت کریں کہ وہ ایسے قانون کو اپنے پیغام کے ساتھ اسمبلی کے پاس مکرّر غور کیلئے بھجوائیں۔ اسمبلی پابند ہوگی کہ اس طرح واپس آمدہ قانون پر دوبارہ غور کرے اور اگر یہ پھر ترمیم کے ساتھ یا بدون منظور کر دیا جائے تو اسے گورنر جنرل کے پاس فیصلے کیلئے بھجوا دیا جائے۔

مالی معاملات کا ضابطہ
سالانہ گوشوارہ۔ دفعہ ۳۱۔ اعلیٰ حضرت ہر مالی سال کے متعلق اسمبلی کے سامنے اس سال کی آمدنی اور مصارف کے تخمینوں کا ایک گوشوارہ پیش کرائیں گے، جسے سالانہ مالی گوشوارہ کہا جائیگا۔
(۲) اس گوشوارے میں مندرجہ تخمینے حسب ذیل امور کی وضاحت کریں گے۔
(الف) وہ رقوم جو خاص مصارف کیلئے سرکاری خزانہ سے لی جائینگی۔
(ب) وہ رقوم جن کا خرچ سرکاری آمدنی میں سے کیا جائیگا۔

(۴) مندرجہ ذیل مصارف سرکاری خزانے پر ڈالے جائیں گے۔
(الف) اعلیٰ حضرت کا منظور شدہ جیب خرچ۔
(ب) ریاست کا قرضہ اور اس سے متعلق اخراجات۔
(ج) وزراء، ایڈووکیٹ جنرل اور سپیکر کی تنخواہات اور الاؤنس۔
(د) ہائیکورٹ کے جج صاحبان کی تنخواہات والاؤنس۔
(ر) وہ رقوم جو حکومت کے خلاف دی ہوئی کسی عدالتی ڈگری کی ادائیگی کیلئے درکار ہوں۔
(ز) وہ رقوم جو حکمران ریاست کی خصوصی ذمہ داریوں کی سرانجام دہی کیلئے موقوف ہوں۔
(س) وہ مصارف جنہیں ایکٹ ہذا یا اسمبلی کے منظور کردہ ایکٹ کے ذریعہ اس نوع کے مصارف قرار دیا جائے۔

تخمینوں پر بحث کا ضابطہ

دفعہ ۳۲۔ اخراجات کے تخمینوں کے اس حصے پر جو مطابق شق (۴) دفعہ (۳) خزانہ عامرہ سے وصول ہونگے اسمبلی رائے شماری نہ کر سکے گی لیکن مدات (الف) اور (د) متذکرہ صدر کے علاوہ باقی امور پر بحث کی اجازت ہو گی۔

(۲) باقاعدہ مصارف کے تخمینوں کو مطالبات زر کی صورت میں اسمبلی میں پیش نہ کیا جائیگا اور اسمبلی کو انہیں منظور یا مسترد کرنے اور ان میں تخفیف کرنے کا اختیار ہو گا۔

(۳) اعلیٰ حضرت کو سفارش کئے بغیر کوئی مطالبہ زر اسمبلی میں پیش نہ کیا جاسکے گا۔

اسمبلی میں مباحثہ کی حدود

دفعہ ۳۳۔ ریاستی اسمبلی میں کسی ایسے معاملہ پر بحث نہیں کی جاسکے گی جسکی نسبت اعلیٰ حضرت کو ذاتی فیصلے اور انفرادی صوابدید کے اختیارات حاصل ہوں اور نہ ہی اس معاملے پر جو فیڈرل کورٹ یا ہائیکورٹ کے کسی جج کے منصبی طرز عمل سے متعلق ہو۔

آرڈیننس کا اجراء

دفعہ ۳۹۔ جب ریاستی اسمبلی کا اجلاس نہ ہو رہا ہو، اعلیٰ حضرت کو اختیار ہے کہ حالات کے تقاضے پر ایسے آرڈیننس جاری کریں جو انکے نزدیک ان خصوصی حالات میں ضروری ہوں۔

قانون سازی کی حدود

دفعہ ۴۴۔ ریاستی اسمبلی کو یہ اختیار ہو گا کہ وہ:

(۱) حکمران انکے جانشین ، انکی بالادستی یا جیب خرچ کی نسبت کوئی قانون بنائے۔
(۲) حکمران کے شاہی اختیارات میں تخفیف کرنے والا قانون بنائے۔

باب ہفتم

دفعہ ۴۶۔ گورنر جنرل پاکستان کو اختیار ہو گا کہ وہ حکمران ریاست کی رضامندی لیکر مشروط یا غیر مشروط طور پر حکمران کو یا انکے افسران کو ان معاملات کی نسبت با اختیار کر دیں جن میں مرکزی حکومت کو کار فرمائی کا حق حاصل ہے۔

باب ہشتم

ہائیکورٹ دفعہ ۵۱۔ ہائیکورٹ کے جج ۶۵ سال کی عمر تک بر سر کار رہ سکیں گے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت ہائیکورٹ کے کسی جج کو بد اعمالی کی بناء پر علیحدہ کر سکیں گے۔ ذہن و جسم کی نا قابلیت کی شکایت پر جبکہ گورنر جنرل کے توسط سے فیڈرل کورٹ ایسی شکایت کی بناء پر اسکی علیحدگی کی سفارش کرے۔

باب نہم

آڈٹ اور اکاؤنٹس۔ دفعہ ۶۹۔ اکاؤنٹنٹ کا عزل و نصب اعلیٰ حضرت کی ذاتی صوابدید پر منحصر ہوگا۔
اکاؤنٹنٹ جنرل کے اختیارات، اور فرائض کا تعین بھی اعلیٰ حضرت فرمائیں گے

باب دہم

پبلک سروس کمیشن۔ پبلک سروس کمیشن کا تقرر اعلیٰ حضرت اپنی منشا کے مطابق فرمائیں گے۔ شرط یہ ہے کہ کمیشن کے کم از کم تہائی ممبران ایسے ہونگے جو ریاست میں کم از کم دس سال ملازم رہ چکے ہوں۔ البتہ اعلیٰ حضرت کو اختیار ہو گا کہ کسی صوبائی پبلک سروس کمیشن یا فیڈرل پبلک سروس کمیشن کا فرض ہو گا کہ وہ ریاستی ملازمتوں کیلئے امتحانات لے۔

باب یازدہم

سول سروس۔ ریاست کا ہر ملازم اعلیٰ حضرت کی خوشنودی مزاج تک ملازمت پر برقرار رہے گا۔
لیکن کسی شخص کو علیحدہ یا تنزل نہ کیا جائیگا جب تک اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا مناسب موقع نہ دیا جائے۔

اعلیٰ حضرت ان عہدیداروں کی نسبت قواعد بنائیں گے جن کا تقرر اعلیٰ حضرت بذات خود فرمائیں گے یا انکی ماقبل منظوری سے ہوسکے گا۔

باب دوازدہم

متفرق۔ دفعہ ۷۰۔ اعلیٰ حضرت کو سزاؤں کو معاف یا تخفیف، التواء اور منہائی کا جو اختیار حاصل ہے اس میں اس ایکٹ کے نفاذ سے کوئی کمی نہیں ہوگی۔

دفعہ ۷۱۔ ریاستی اسمبلی کا کوئی ممبر کسی ایسے ریاستی ٹربیونل کا ممبر نہ بن سکے گا جسے دیوانی یا مالی یا فوجداری فیصلوں کے خلاف اپیل یا نگرانی سماعت کرنے کا اختیار ہو۔

دفعہ ۷۲۔ ریاست کے کسی شہری کو محض مذہب، مقام پیدائش، نسل یا رنگ کی بناء پر ریاست کے کسی سرکاری منصب حاصل کرنے یا ریاست کے اندر کوئی تجارت، بیوپار یا کاروبار کرنے یا جائیداد حاصل کرنے سے محروم نہیں کیا جائیگا۔

دفعہ ۷۳۔ کسی کو قانون کے تحت جاری شدہ حکم کے بغیر اسکی جائیداد سے محروم نہیں کیا جائیگا۔

(۳) اعلیٰ حضرت کی ماقبل منظوری کے بغیر کسی اراضی کو قومی ملکیت بنانے یا اراضی میں وصولی محصول وغیرہ کے حقوق میں تغیر و تبدل کرنے کی نسبت کوئی مسودہ قانون یا ریاستی اسمبلی میں پیش نہیں کیا جا سکے گا۔

لیاقت پور اسٹیشن شہید ملت کی یادگار ہے

نواب مشتاق احمد گورمانی نے اپنے اس دورے میں لیاقت پور منڈی کا افتتاح بھی کیا اور افتتاحی تقریب میں تقریر بھی کی۔ یہاں یہ بھی بتاتا چلوں کہ اس موقع پر چودھری اسٹیشن کا نام شہید ملت کی یادگار کے طور پر لیاقت پور رکھا گیا جو اب اس نام سے مشہور ہے۔ اس افتتاحی تقریب میں نواب گورمانی نے ہمارے دور وزارت کی کارگزاریوں کو بھی سراہتے ہوئے کہا تھا :

> "موجودہ وزارت کے ڈھائی سالہ عہد کی کارگزاریاں لائق تحسین ہیں۔ بیشک عباسیہ کالونی کی اسکیم میں نے اپنے عہد وزارت میں تیار کی تھی لیکن اس شاندار منصوبے کی تکمیل کا سہرا انہیں لوگوں کے سر ہے جنھوں نے دن رات اس پر توجہ صرف کر کے اس نہر کو تعمیر کیا اور اس علاقے کو آباد کیا ہے۔
>
> تقسیم ہند کے بعد جو گڑبڑ پیدا ہوگئی تھی اس میں اس نہر کی تعمیر سارے

برصغیر میں ایک عدیم المثال کارنامہ ہے"۔

گورمانی صاحب تقریب میں شرکت کیلئے آئے تھے تو وہاں کچھ لوگوں نے مسلم لیگ کے خلاف نعرے بھی لگائے تھے ان نعروں میں ایک نعرہ یہ تھا کہ "مسلم لیگ کو توڑ دو"۔ چنانچہ گورمانی صاحب نے اپنی تقریر میں اسکے متعلق بھی اظہار خیال کیا۔ انہوں نے کہا؛

"میں اس تقریر میں سیاست کا ذکر نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن میں نے کچھ ایسے نعرے سنے ہیں جن میں مسلم لیگ کو توڑنے کا ذکر تھا۔ میں ان نعرہ لگانے والوں کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ ہم مسلم لیگ کو توڑنے والوں کو بہت پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔ آج مسلم لیگ کو توڑنے کا وقت نہیں بلکہ اسے اور زیادہ مضبوط و مستحکم کرنے کی ضرورت ہے۔ مسلم لیگ قائداعظم کی یادگار اور قومی امانت ہے۔ اسکے دشمن وطن کے دوست نہیں ہوسکتے۔ اگر کسی کو مسلم لیگ سے اختلاف ہے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنی الگ جماعت بنالے لیکن مسلم لیگ کو توڑنے کا ہرگز نام نہ لے"۔

بہاولپور کا اڑھائی سالہ دور مسٹر گورمانی کی نظر میں

نواب گورمانی نے منڈی چشتیاں کے سالانہ میلہ مویشیاں میں بھی شرکت کی تھی اور وہاں مسلم لیگ کے زیر اہتمام ایک عظیم الشان جلسے سے بھی خطاب کیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا؛

"میں یہ دعوے سے کہہ سکتا ہوں ریاست بہاولپور ترقی و تعمیر کے میدان میں پاکستان کے کسی صوبے سے پیچھے نہیں۔

میں نے ریاست کا دورہ کر کے موجودہ حکومت کے ڈھائی سالہ دَور کی شاندار کارگزاری دیکھی ہے اور میں حکومت کو ان کارناموں کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

بہاولپور میں حزب اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا؛

"جمہوری نظام میں حزب اختلاف بڑا ضروری ہوتا ہے۔ لیکن بدنظمی اور ہلڑبازی کا حق جمہوریت بھی کسی کو نہیں دیا کرتی۔ کل کے حزب اختلاف اور آج کے حزب اختلاف میں بڑا فرق ہونا چاہئے۔ انگریزی حکومت کے خلاف حزب اختلاف کا شور اور ہڑبونگ بے شک بجا تھا۔ لیکن آج ہم آزاد ہیں اور ہمارے ہاں جو حکومت بھی بنتی ہے وہ اکثریت کی بنائی ہوئی اپنی حکومت ہوتی ہے۔ حکومت خدائی نعمت ہوا کرتی ہے اور اس نعمت کو ٹھکرانے والوں کا
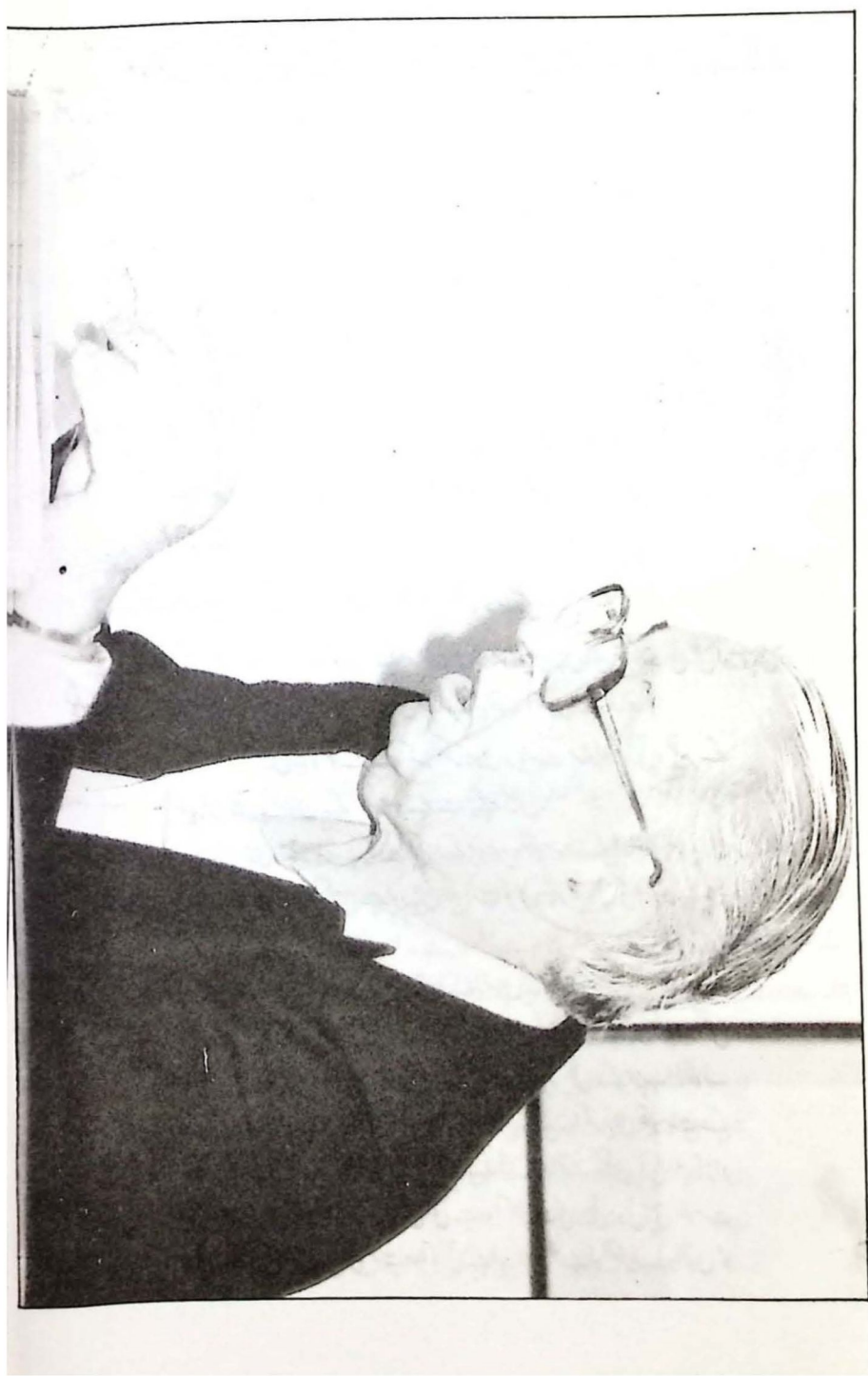
حشر من و سلویٰ ٹھکرا دینے والی قوموں کا سا ہوتا ہے۔ اسلئے حزب اختلاف کوئی بھی ہو اسے اپنا گھر آپ ڈھانے کے نعرے لگا کر پاکستان کی دوستی جتانے کا کوئی حق نہیں"۔

لیکن مخالفین جن کا مقصد برائے مخالفت تھا ان پر ان باتوں کا کیا اثر ہوتا۔ دراصل انہیں تو یہ بات ہی سرے سے گوارا نہ تھی کہ جس مسلم لیگ کی انہوں نے قیام پاکستان سے پہلے مخالفت کی تھی اسکی اس ملک میں حکمرانی ہو۔ بہر حال وہ اپنی جگہ مخالفت میں لگے رہے اور ہم جو کوشش کر رہے تھے اسمیں مصروف رہے۔

ہماری کامیاب مساعی پر گورنر جنرل کا اظہار مسرت

گورمانی صاحب جن دنوں بہاولپور کے دورے پر آئے ہوئے تھے انہی دنوں گورنر جنرل پاکستان ملک غلام محمد ملتان آئے اور انہیں ڈسٹرکٹ مسلم لیگ ملتان نے استقبالیہ دیا تو مجھے بھی اسمیں شرکت کی دعوت دی گئی۔

میں نے اس موقع کو غنیمت جان کر نہ صرف اسمیں شرکت کی بلکہ گورنر جنرل سے ملاقات کر کے انہیں ریاستی حالات سے آگاہ کیا۔ یہ ملاقات بہت مفید ثابت ہوئی کیونکہ انہوں نے اس ملاقات کے بعد جو بیان دیا وہ ہمارے لئے بہت حوصلہ افزا تھا۔ انہوں نے اپنے بیان میں کہا تھا

"گذشتہ دو ڈھائی سال میں ریاست نے سیاسی، تعلیمی، اقتصادی اور صنعتی ترقی میں جو نمایاں کامیابی حاصل کی ہے میں اس پر مسرت کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مجھے امید ہے کہ ریاست میں عنقریب ایک ذمہ دار حکومت کا قیام عمل میں آ جائیگا اور بیس لاکھ باشندگان بہاولپور اور زیادہ ترقی کر سکیں گے"۔

اس استقبالیہ میں پنجاب بھر کے مسلم لیگی زعما اور ضلعی و شہری لیگوں کے سرکردہ نمائندے بھی موجود تھے جنھوں نے متفقہ طور پر اعلان کیا کہ وہ بہاولپور سے عام انتخابات میں مسلم لیگ کو کامیاب بنانے کیلئے ہر امکانی امداد دیں گے تاکہ بہاولپور مسلم لیگ کی ذمہ دار حکومت قائم ہو سکے۔ انہوں نے مزید اطمینان دلایا کہ تمام پنجاب، بہاولپور مسلم لیگ کیساتھ ہے اور ہم بہاولپور مسلم لیگ کی انتخابی مہم سر کرنے کیلئے اپنے نمائندے ہی نہیں بلکہ اپنے رضا کار بھی بھیجیں گے۔

گو اخلاقی طور پر یہ بیانات ہمارے لئے بہت ہمت افزا تھے لیکن اپنی انتخابی مہم پر ہمیں اپنے کارکنوں پر سب سے زیادہ بھروسہ تھا اسلئے ہم نے کسی مرحلے پر بھی بیرونی امداد کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی اور جب انتخابات کا وقت آیا تو بہاولپور مسلم لیگ پوری طرح کیل کانٹے سے لیس تھی۔
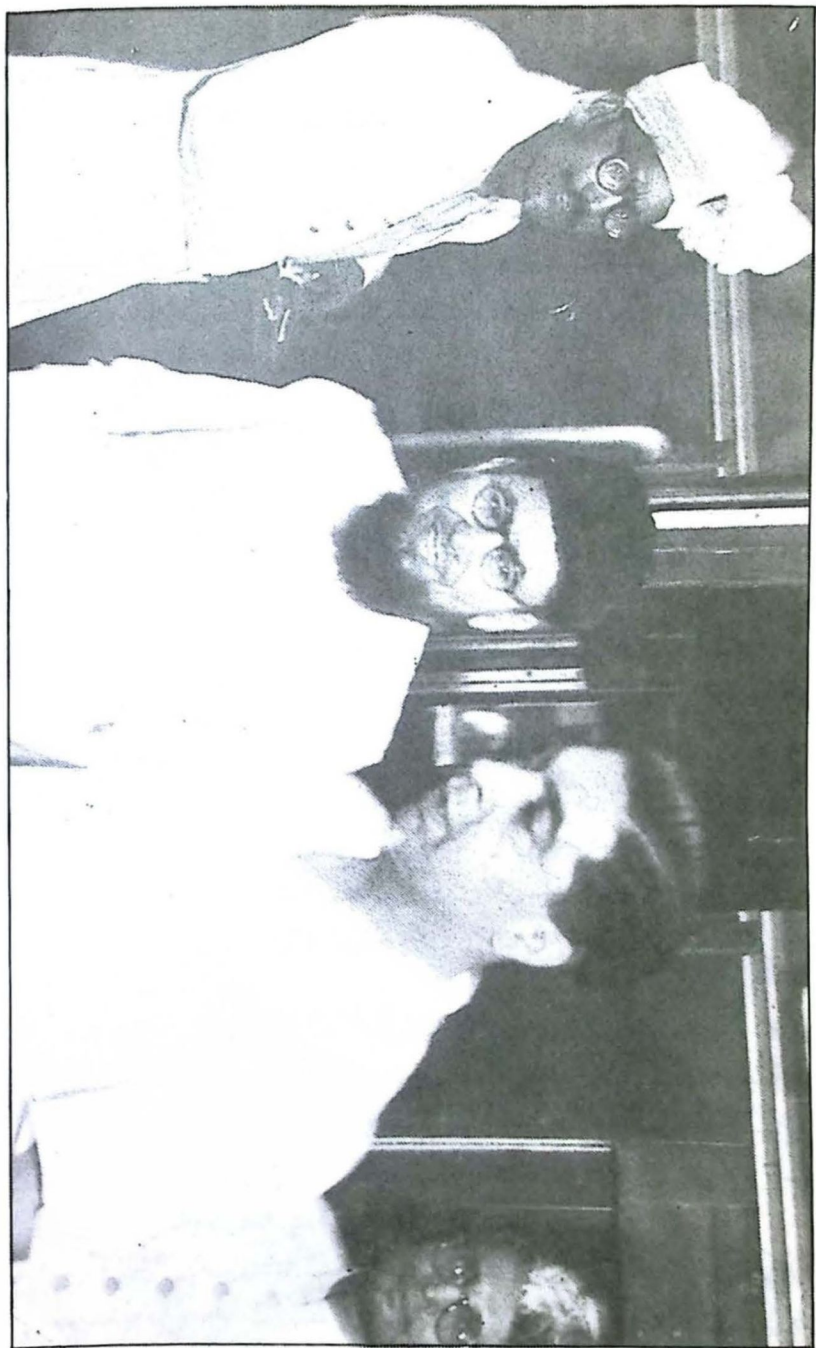
باب پنجم

کامل ذمہ دارانہ نظام حکومت

آخر وہ گھڑی بھی آ گئی جسکے انتظار میں ہم نے ڈھائی سال بڑے صبر وتحمل سے گزارے تھے۔ یکم مارچ ۱۹۵۲ء کو اعلیٰ حضرت امیر بہاولپور نے صادق گڑھ پیلس میں ایک خصوصی دربار منعقد کر کے اپنے عوام کو حقوق خود ارادیت وخود اختیاری تفویض کر دیئے۔

اس دربار میں وزیر داخلہ ریاستی امور حکومت پاکستان نواب مشتاق احمد گورمانی، ولی عہد صاحبزادہ محمد عباس عباسی ریاستی وزراء اور روسائے ریاست نے شرکت کی۔ اس موقع پر اعلیٰ حضرت نے جو تقریر کی وہ کئی اعتبار سے بڑی اہم اور تاریخی حیثیت کی تھی اسلئے میں یہاں اسکو درج کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا تھا:

> "میں آج اس دربار میں اپنی ریاست کے اہالیان کو ذمہ دار حکومت کے اجراء کا اعلان کرنے کیلئے کھڑا ہوتا ہوں۔ اس موقع پر مختصراً حالات گذشتہ پر نظر ڈال لینا بے جا نہ ہو گا۔ میرا خانوادہ عم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وارث اور خلافت عباسیہ کی یادگار اس برصغیر میں پانچ سو سال سے بحیثیت فرمانروا خلق اللہ کا خدمت گزار ہے۔ مجھے چھوٹی ہی عمر میں فرمانروا کی حیثیت سے بہاولپور کے انتظام وانصرام کا بار اٹھانا پڑا۔ اس دور کی تقریباً تیس سالہ

تاریخ آپ صاحبان کے پیش نظر ہے۔ میری ہمیشہ جدوجہد یہی رہی ہے کہ میری حکومت کا طرز و انداز تا حد امکان جہاں اسلامی نظام کا حامی اور عباسیہ حکومت کی روایات کا حامل ہو وہاں ضروریات زمانہ اور اقتضائے حالات حاضرہ کے بھی مطابق ہو۔

میں اپنے عزیز باوقار نواب گورمانی صاحب کا ممنون ہوں کہ اپنے اس دورہ ریاست میں انہوں نے اپنی بسیط تقاریر میں میری ان کوششوں کا بطریق احسن ذکر کیا ہے جو کہ سرسبزی و شادابی سرزمین بہاولپور اور اپنی عزیز ترین رعایا کی بہبود کیلئے میرا طریق کار رہی ہیں۔ اہالیان بہاولپور کے مفاد کو پیش نظر رکھتے ہوئے میری ہمیشہ تمنا اور سعی یہی رہی ہے کہ ساکنین سرزمین ریاست ہذا کو حکومت کے انصرام میں شریک کیا جائے تاکہ وہ ذمہ داری حکومت کی کامل اہلیت حاصل کر سکیں۔ چنانچہ اپنے باتدبیر اور قابل وزیر اعظم سر رچرڈ کرافٹن کو بھی میں نے اندریں بارہ ایماء کر کے مدارج اولیں کا افتتاح کرا دیا تھا۔ انکے ممتاز جانشین یعنی ہمارے اسوقت مہمان معزز نواب گورمانی صاحب نے باوجود اسکے کہ بوجہ تقسیم برصغیر انہیں نہایت غیر معمولی حالات سے دوچار ہونا پڑا اور سخت ترین سیاسی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن موصوف نے بھی اس جانب ترقی کی منازل طے کیں۔ مملکت متبرکہ پاکستان کے وجود میں آنے سے قبل بھی بابائے ملت قائداعظم مرحوم و مغفور سے میں ۱۹۴۵ء سے اندریں معاملات تبادلہ خیالات کرتا رہا تھا اور آج بھی نہایت مسرت و فخر سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ سب سے پہلا مملکت محتشم پاکستان میں شامل ہونیوالا بہاولپور کا حکمران ہی تھا۔ جس دستاویز پر مرحوم بابائے ملت کے اور میرے دستخط ثبت ہوئے اسکی ترتیب و تکمیل میرے اس دانشمند اور بہی خواہ دوست ہی کے فکر و تدبر کا نتیجہ تھی ، جو کہ آج دربار میں میرے دست راست پر رونق افروز ہے۔ اس موقع پر یہ کہہ دینا بھی بے جا نہیں ہے کہ اسوقت سے لیکر جبکہ اس دستاویز پر ہمارے دستخط ثبت ہوئے آج تک میرا لائحہ عمل یہی رہا ہے کہ انصرام معاملات بنائے قوانین و شرائط طے شدہ پر نہ رہے بلکہ اس نیت خوش عقیدگی پر رہے کہ میری ریاست کے جو اہالیان کی بہبودی و سیاسی ترقی پیش نظر ہو اور مملکت عالیہ پاکستان کے استحکام و مضبوطی ہمارا مسلک ہو۔ چنانچہ بفضل رب العزت آج جبکہ میں اپنی رعایا کو حقوق

حکومت ذمہ داری کا اعلان کرتا ہوں تو یہ بھی ساتھ ہی کہوں گا کہ منازل سیاسی ارتقاء کی آپکے ہمسایہ صوبہ ہائے پاکستان نے حکومت وقت سے پچھلے مزید چالیس چند در چند قسطوں میں حاصل کیں۔ وہ آپکو تین سال کے قلیل عرصے میں مسرت و خوشی دیجارہی ہے اور میری یہ تمنا اور آرزو ہے کہ ہماری ریاست کسی سیاسی حیثیت سے بھی دیگر صوبہ ہائے پاکستان سے کم نہ رہے۔

میں آج یہ اعلان کرتے ہوئے انتہائی مسرت محسوس کرتا ہوں کہ میں نے گورنمنٹ آف بہاولپور (عبوری دستور) ایکٹ ۱۹۵۲ء کا آغاز کر دیا ہے جسکے تحت بہت جلد ریاست کی مجلس کیلئے بالغ رائے دہندگی کے اصول پر انتخابات عمل میں لائے جائیں گے اور ریاست ہذا میں بھی نمائندہ اور ذمہ دار حکومت قائم ہوگی، جو رائے عامہ کو بہر طور ملحوظ رکھے گی اور عوام کے منتخب کردہ نمائندوں کے سامنے جوابدہ ہوگی۔

ہماری یہ خواہش ہے کہ اس نئے ایکٹ کے ماتحت عام انتخابات جلد از جلد عمل میں لائے جائیں۔ اندریں بارہ ہماری جانب سے احکام صادر ہو چکے ہیں۔

اس معاملے میں تمام امور نہایت تعجیل کیساتھ انجام دیئے جائیں گے۔

اس موقع پر نہایت مسرت کیساتھ یہ بھی کہنا ہے کہ میرے وزیر اعظم کرنل ڈرنگ کی خدمات عموماً ہر ایک شعبہ میں اور خصوصاً ذمہ دارانہ حکومت کی تیاری کے سلسلے میں نہایت قابل ستائش رہی ہیں۔ انکی کارکردگی اور فرض شناسی قابل داد ہے اور اپنے رفقائے کار کو کرنل صاحب موصوف نے اپنے وسیع تجربے سے مستفید کیا ہے اور مجھے کلی یقین ہے کہ موجودہ کابینہ نے کرنل صاحب کی قابلیت سے کماحقہ فائدہ اٹھایا ہے۔

اس ریاست کی تاریخ میں آج کا دن بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ باری تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں اپنے عوام کو سیاسی مدارج کے اس مرتبے پر لانے میں خود کو کامیاب دیکھتا ہوں۔ جس طرح اپنی اولاد کو اچھی تربیت دیئے کے بعد قابل اعتماد سمجھ کر انسان مسرور ہوتا ہے۔ آج میں ایسی ہی خوشی محسوس کر رہا ہوں۔ جن صاحبان نے گذشتہ تین سال میں خدمات انجام دی ہیں انکی کارکردگی نہایت ہمت افزا ہے اور اسی اعتماد کلی پر میں انہیں مزید ذمہ داریوں

کا مستحق قرار دیتا ہوں۔ میں انتظام و انصرام ملکی میں ہر وقت بدستور دلچسپی لیتا رہونگا اور انکی معاونت و رہبری کیلئے ہر وقت تیار رہونگا اور انکی فلاح و بہبود مجھے ہر وقت عزیز رہے گی۔

مجھے اس موقع پر رائے دہندگان ، آنے والے ممبران مجلس اور وزراء سے چند الفاظ نصیحت بھی کہنے ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ آپکے نئے حاصل شدہ حقوق آپ پر اسی قدر اہم ذمہ داریاں بھی لا رہے ہیں۔ جمہوری حکومت کو کامیاب بنانے کیلئے خود عوام میں جمہوری جذبات اور روشن خیالی کا ہونا ضروری ہے۔ جمہوری طریق حکومت کا ایک ناگزیر اصول یہ بھی ہے کہ ان لوگوں کیساتھ بھی جو آپ سے متفق نہ ہوں کشادہ دلی سے کام لیا جائے۔ جو جماعت بھی اکثریت حاصل کرے اختیارات حکومت اسی کا حق ہوتا ہے۔

ایک جمہوری نظام میں جماعت مخالف کی بنیاد اس اصول پر ہوتی ہے کہ اکثریت کے طریق کار پر تعمیری انداز میں تنقید کرے اور اپنے لئے ایسی فضا پیدا کرے کہ وہ بھی ایک وقت اکثریت میں آسکے۔

آئندہ بننے والی حکومت عوام کی سیاسی پختہ کاری ، دانشمندی اور ایمانداری کے ساتھ نئے حاصل کردہ حقوق تمام ملک اور قوم کے مفاد کیلئے استعمال کرنے کی قابلیت کی آئینہ دار ہوگی"۔

غرض ان نصیحت آمیز کلمات کے بعد ذمہ دارانہ نظام حکومت کا باقاعدہ اعلان کر دیا گیا۔

گورمانی صاحب کا خطاب

اس اعلان کے فوراً بعد بہاولپور مسلم لیگ کونسل کا ایک غیر معمولی اجلاس یکم مارچ ۱۹۵۲ء کو منعقد ہوا جس میں نواب مشتاق احمد گورمانی وزیر داخلہ و ریاستی امور حکومت پاکستان نے بطور خاص شرکت کی۔ اجلاس کی کارروائی شروع ہونے سے پہلے گورمانی صاحب نے کونسل سے خطاب کیا ، جس میں فرمایا کہ

"میں آپکو مبارکباد دیتا ہوں کہ آج اعلیٰ حضرت امیر بہاولپور نے دوراندیشی سے کام لیتے ہوئے آپکی سیاسی توقعات پوری کر دیں۔ آج میں اس پودے کو ہرا بھرا دیکھ کر مسرت محسوس کر رہا ہوں جو میرے عہد وزارت میں لگایا گیا تھا۔ مجھے مسلم لیگی خادم ہونے کی حیثیت سے خوشی ہے کہ مسلم

لیگ ان مواعید کو پورا کرنے میں کامیاب ہوئی ہے جو اس نے عوام سے کئے تھے۔ خدمت کا حق اسی قوم کو پہنچتا ہے جو مخلوق سے انصاف اور عدل کر سکے۔ جب یہ جذبہ ماند پڑ جاتا ہے تو وہ قوم حکومت کی نعمت سے محروم کر دیجاتی ہے۔ اسوقت مسلم لیگ پر بہت زیادہ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ کیونکہ ذمہ دارانہ نظام حکومت کا مطالبہ اس نے ہی کیا ہے۔ لیگ کو اپنے رویہ سے یہ ثابت کرنا چاہئے کہ وہ عوام کی جماعت ہے اور انکے حقوق و آزادی کی ضامن۔

مجھے امید ہے کہ بہاولپور مسلم لیگ سارے پاکستان کیلئے ایک نمونہ اور مشعل راہ ہوگی۔

اس زمانے میں حکومت بزور طاقت نہیں بلکہ خدمت کے ذریعہ قائم ہوتی ہے۔ اگر آپ نے عوام کی خدمات کو اپنا نصب العین بنایا تو انشاء اللہ آپ کامیاب ہونگے اور بہاولپور تمام پاکستان کیلئے رحمت بن جائیگا"۔

اس تقریر کے بعد گورمانی صاحب چلے گئے اور مسلم لیگ کونسل کے اجلاس کی کارروائی باقاعدہ طور پر شروع ہوئی جس میں میں نے ذمہ دارانہ نظام حکومت کے اعلان کا خیر مقدم کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت امیر بہاولپور کا شکریہ ادا کیا۔ ایک اور قرارداد میں ذمہ دارانہ نظام حکومت کے قیام کے سلسلے میں حکومت پاکستان کی امداد و اعانت کا شکریہ ادا کیا گیا۔

اس کے اگلے دن میں نے عباس منزل میں ایک پریس کانفرنس بلائی اور اسمیں بعض امور کی وضاحت کی مثلاً میں نے بتایا کہ

(۱) موجودہ عوامی وزارت دوران انتخابات بدستور کام کرتی رہے گی۔

(۲) مسلم لیگ کا منشور ۲۰ ر مارچ ۱۹۵۲ء سے پہلے شائع کر دیا جائیگا، جسے بہاولپور مسلم لیگ کا پارلیمنٹری بورڈ مرتب کر رہا ہے۔

(۳) پارلیمنٹری بورڈ کاغذات نامزدگی داخل کرنے کی تاریخ سے ۲۱ روز پہلے اپنے امیدواروں میں ٹکٹ تقسیم کریگی۔

(۴) پاکستان اور صوبائی لیگوں کے صدر صاحبان انتخابات کے دوران ریاست کا دورہ کریں گے۔

(۵) انتخابات سے متعلق آخری اختیارات ایک الیکشن ٹربیونل کو تفویض کر دیئے گئے ہیں جو سینئر افسروں پر مشتمل ہے۔

اسٹیٹ انٹرم ایکٹ

بہاولپور اسٹیٹ انٹرم ایکٹ آف ۱۹۵۲ء جسکے تحت ریاست میں کامل ذمہ دارانہ نظام حکومت کا اعلان کیا گیا تھا اسکے خاص خاص نکات یہ تھے۔ یہ قانون میرا بنوایا ہوا تھا جس میں جسٹس شیخ فیض محمد نے میری مدد کی تھی۔ اسکا سارا خرچ میں نے ذاتی طور پر برداشت کیا۔

۱۔ اس ایکٹ میں صوبائی دساتیر کے ان عام خطوط کی پیروی کی گئی تھی جو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء میں تیار کئے گئے تھے۔ فرق صرف یہ تھا کہ بہاولپور ایکٹ کی رو سے حکمراں کی حیثیت گورنر جنرل کے اختیارات اعلیٰ کے ماتحت حسب سابق رہے گی۔

یہ دستور اسوقت تک نافذ العمل رہے گا جب تک کہ پاکستان کا نیا آئین تیار نہ ہو جائے۔ لیکن یہ گنجائش رکھی گئی ہے کہ اگر حکمران محسوس کرے کہ ریاست میں حکومت کا نظم ونسق نئے ایکٹ کے مطابق نہیں چل سکتا تو وہ حکومت کو برطرف کر سکتا ہے یا اسے بعض اختیارات کے استعمال سے روک سکتا ہے۔ لیکن اسکی رو سے ہائیکورٹ کو جو اختیارات عطا کئے جائیں گے وہ ریاست کا حکمران کسی صورت میں سلب نہیں کر سکتا۔

۲۔ اس دستور کی رو سے وزراء کی ایک کونسل کا قیام عمل میں لایا جائیگا۔ یہ کونسل اعلیٰ حضرت کو انکے فرائض کے سلسلے میں مشورہ دیگی اور انکی امداد کریگی۔

۳۔ اعلیٰ حضرت امیر بہاولپور گورنر جنرل پاکستان کی منظوری سے ایک مشیر بھی مقرر فرما سکیں گے، جو انہیں انکے اختیارات کے استعمال کے سلسلے میں مشورہ دیگا۔

۴۔ اس دستور کی رو سے ۴۹ نشستوں کی ایک مجلس قانون ساز کے ارکان کا انتخاب بالغ حق رائے دہی کے اصول پر عمل میں آئیگا۔ یہ اسمبلی پانچ سال تک کیلیئے ہوگی اور اسکے اراکین کو جن میں سے وزراء کا انتخاب بھی عمل میں آئیگا وہی سہولتیں اور اختیارات حاصل ہونگے جو دوسرے صوبوں کی

اسمبلیوں کے ارکان کو حاصل ہیں۔

۵۔ اعلیٰ حضرت کے بارے میں اسمبلی کوئی قانون بنانے کی مجاز نہ ہو گی۔ البتہ نئے دستور کی رو سے اعلیٰ حضرت مجلس کو ختم کر سکیں گے اور انہیں اختیار ہو گا کہ وہ گورنر جنرل کے مشورے سے کوئی آرڈیننس نافذ کر دیں۔

اس آئین کے تحت بہاولپور میں جو انتخابات ہونے تھے اس کے متعلق مندرجہ ذیل قواعد و ضوابط بھی بنائے گئے تھے ان قواعد کو The Franchise and corrupt Practices (General Elections) Rules کہا جائیگا۔

ان قواعد کے تحت رائے دہندہ کی عمر کم از کم ۲۱ سال اور امیدوار برائے اسمبلی کی عمر کم از کم ۲۵ سال ہونی ضروری ہے۔ ہر وہ شخص مستحق رائے دہندگی ہو گا جو بمطابق ایکٹ ہذا ریاست کی حدود میں سکونت پذیر ہو گا۔ اسی طرح انتخابات کیلئے امیدوار کا نام فہرست رائے دہندگان میں درج ہونا ضروری ہے۔

کسی ایسے شخص کا نام فہرست رائے انتخابات میں درج نہیں کیا جائیگا اور نہ اسکو کسی مقامی حلقہ نیابت میں رائے دینے کا حق ہو گا جسکا دماغی توازن خراب ہو۔ جسکی تصدیق عدالت با اختیار نے کی ہو، یا وہ فی الحال حبس دوام کا سزا یافتہ یا تعزیری خدمت یا قید میں ہو۔

سوائے خواتین رائے دہندگان کے جن کو نیابت خواتین میں اور دیگر مقامی حلقہ نیابت میں رائے دہندگی کا حق ہے کسی دوسرے شخص کو ایک حلقہ نیابت سے زیادہ حلقوں میں رائے دینے کا حق نہیں ہے۔

ان قواعد کی رو سے اس شخص سے فہرست انتخابات میں نام درج کرانے یا کسی حلقہ نیابت میں رائے دینے کا حق چھین لیا جائیگا اگر وہ ایسی فاسد اور غیر آئینی حرکات کا مرتکب ثابت ہو، جنکی تشریح ایکٹ ہذا میں کر دی گئی ہے یا وہ کسی انتخاب میں دوسرے جرائم کا مرتکب ہو۔

رشوت دیکر کسی شخص کو اسمبلی کی امیدواری کیلئے آمادہ کرنا یا اسمبلی کے امیدوار بننے سے اسے باز رکھنا یا رائے دہندگان کو کسی شخص کے حق میں رائے دینے کیلئے مجبور کرنا یا کسی دوسرے شخص کے حق میں رائے دینے سے باز رکھنا۔

رائے دہندگی کے پورے حقوق ادا کرنے میں ناجائز اثر اور دباؤ ڈالنا کسی پولنگ اسٹیشن سے پرچہ رائے دہندگی کو غائب کر دینا، اسمبلی کیلئے کسی امیدوار کے چال چلن کے متعلق غلط بیان دینا، فرضی پرچہ رائے دہندگی تیار کرنا یا حاصل کرنا وغیرہ قواعد ہذا کے مقصد کیلئے فاسد اور غیر آئینی حرکات و مشاغل کی تشریح میں شامل ہیں۔

کسی کامیاب امیدوار کا انتخاب باطل اور کالعدم سمجھا جائیگا اگر اسکے خلاف الیکشن پٹیشن پر بعد تحقیقات کمشنر با اختیار نے یہ فیصلہ دیا ہو کہ اسکی کامیابی پر اس ایکٹ ہذا کی رو سے کسی فاسد یا غیر آئینی حرکات کا ٹھوس اثر پڑا ہے ، یا اس سلسلے میں غیر آئینی طور پر نامزدگی مسترد کر دی گئی تھی۔ ناجائز طور پر ووٹ حاصل کئے گئے تھے۔

اسطرح اگر یہ ثابت ہو جائے کہ انتخابات آزادانہ طور پر نہیں ہوئے بلکہ رشوت یا ناجائز ایسے کثیر التعداد طریقے استعمال کئے گئے تھے۔ ایسے انتخابات بھی باطل اور کالعدم قرار دیئے جائیں گے "۔

حلقہ بندی

ریاست بہاولپور کی اسمبلی کی حلقہ بندی کے لئے ۱۹۵۱ء میں ایک کمیٹی مقرر کی گئی اور اسے غیر جانبدار رکھنے کے لئے مجلس دستور ساز پاکستان کے صدر ایم پی احمد کو اس کا سربراہ بنایا گیا۔ اس کمیٹی میں خان بہادر سید احمد فنانشل کمشنر بہاولپور، این اے زیڈ حسینی سپرنٹنڈنٹ انجینئر اور راؤ فضل الرحمٰن ڈپٹی کمشنر بہاولپور شامل تھے۔ کمیٹی کو اختیار دیا گیا تھا کہ وہ لوگوں کے اعتراضات سنیں اور تجاویز پر غور کر کے اپنا فیصلہ سنا دیں۔

اس کمیٹی نے ۱۲ دسمبر کو اپنی رپورٹ مرتب کر کے شائع کر دی۔ ایم پی احمد نے ایک پریس کانفرنس طلب کر کے یہ بیان دیا۔

> "موجودہ حالات کا اندازہ لگانے کے لئے خاص خاص افسران ، سرکردہ نمائندگان اور پبلک کی آرا معلوم کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ حلقے کے یونٹ کے لئے انتظامیہ امور کے پیش نظر اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ حلقے کا کل حصہ یکجا ہو۔ رائے دہندگان کی اجتماعی حیثیت قائم رہے۔ طبعی حالات یکساں ہو اور ذرائع حمل و نقل آسان ہوں "۔

ہر حلقہ انتخاب کی آبادی ۴۰ ہزار نفوس رکھی گئی تھی۔ اس وقت ریاست کی کل آبادی اٹھارہ لاکھ بیس ہزار تھی۔ اس حساب سے ۴۹ منتخب شدہ اراکین کی نشستیں رکھی گئی تھیں جن میں تین خاص نشستیں بھی شامل تھیں۔

حلقوں کی تقسیم اس طرح تھی۔

دیہاتی حلقہ جات	۴۱
شہری حلقے	۵
مستورات	۱
چولستان	۱
غیر مسلم	۱
کل تعداد	۴۹

یہ انتظام اس لئے کیا گیا تھا کہ مخالفین کو یہ شکایت نہ ہو کہ ہم نے اپنی مرضی کے حلقے بنوا لئے ہیں۔
اس کے بعد ۲۴ دسمبر ۱۹۵۱ء کو انتخابی قواعد کی منظوری دی گئی۔

انتخابی سرگرمیوں کا آغاز

حلقہ بندیوں اور انتخابی قواعد و ضوابط کے اجراء کے بعد بہاولپور مسلم لیگ نے انتخابی مہم کا آغاز کر دیا۔ سب سے پہلے میں مسلم لیگی ارکان کی ایک مختصر سی جماعت کے ساتھ ضلع بہاولنگر کے دورے پر روانہ ہوا اور چشتیاں، بہاولنگر، منڈی صادق گنج اور منچن آباد میں مسلم لیگ کے جلسوں سے خطاب کیا۔ ہر جگہ ہمارا شاندار استقبال ہوا۔ لوگ والہانہ انداز میں مسلم لیگ زندہ باد کے نعرے لگاتے تھے۔ میں نے اپنی تقریروں میں بہاولپور مسلم لیگ کی گذشتہ خدمات اور آئندہ عزائم کے متعلق تفصیل سے لوگوں کو آگاہ کیا اور ان سے کہا کہ اگر آپ لوگوں نے انتخابات میں مسلم لیگی امیدواروں کو کامیاب کرایا تو بہاولپور کے عوام کی ترقی و خوشحالی کیلئے مسلم لیگ ناقابل فراموش خدمات انجام دیگی۔ میں نے اپنی تقریروں میں یہ بھی واضح کیا کہ مسلم لیگ ریاست میں کسی شخص کو غیر اسلامی کام کرنے کی اجازت نہیں دیگی۔ مسلم لیگ برسراقتدار آنے کے بعد عوام کا معیار زندگی بلند کرنے کے علاوہ مہاجرین کی آباد کاری، مستقل الاٹمنٹ، بیت المال اور یتیم خانوں کے قیام، کالج تک مفت تعلیم کے انتظام اور دیگر رفاہی کاموں کی جانب متوجہ ہوگی اور زکوٰۃ کی وصولی کا صحیح انتظام کر کے اسکے صحیح مصرف کا اہتمام کریگی۔

میں نے یہ بھی کہا تھا کہ مسلم لیگ برسراقتدار آنے کے بعد ریاست کے سرکاری ملازمین کی تنخواہوں کا اسکیل پاکستان کے سرکاری ملازمین کی تنخواہوں کے برابر بنائیگی۔

میں نے اپنی تقریروں میں مخالفین کی ریشہ دوانیوں کا بھی ذکر کیا اور صاف لفظوں میں کہا کہ میں دھمکیوں سے نہیں ڈرتا۔ مسلم لیگ اور اسلام کی خاطر دس حسن محمود بھی قربان ہو سکتے ہیں۔ میرا ظرف مجھے اجازت نہیں دیتا کہ میں گالی کا جواب گالی سے دوں۔ مسلم لیگ کا قافلہ اپنی صحیح منزل کی طرف روانہ ہو گیا ہے اور اب انشاء اللہ راستے کی کوئی دشواری اسکا راستہ نہیں روک سکتی۔

ضلع بہاولنگر کے دورے کے بعد بہاولپور میں مسلم لیگ کے زیر اہتمام ایک جلسہ عام ہوا جس میں میں نے اپنے دورے کے تاثرات بیان کئے۔ میں نے مخالفین کے کردار پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا:

> "آج بہاولپور میں حزب مخالف ایک اور سید اکبر کی ضرورت محسوس کر رہی ہے لیکن میں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ آزادی وطن پر قربان ہونے کیلئے ہزاروں لیاقت یہاں موجود ہیں۔
> میں نے اقتدار خود غرضی کیلئے حاصل نہیں کیا۔ اگر عوام چاہیں تو میں

کرسی اقتدار چھوڑ سکتا ہوں۔

اگر مسلم لیگ پھر برسر اقتدار آ گئی تو آپ دیکھیں گے کہ ترقی کے میدان میں پاکستان کے تمام صوبے پیچھے رہ جائیں گے"۔

یہاں میں اس بات پر اظہار افسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ہم نے جس جدوجہد اور کوشش کے بعد جمہوری حقوق حاصل کئے تھے اسمیں بلاوجہ رخنہ اندازی کی کوشش کی جارہی تھی۔ ابھی ہمارے کاروان آزادی نے سفر کا آغاز بھی نہیں کیا تھا کہ جمہوریت کے دشمن جو خود کو بڑا حریت پسند کہتے تھے قدم قدم پر روڑے اٹکانے لگے تھے۔

ہر آزاد ملک میں متعدد اور مختلف الخیال سیاسی جماعتیں ہوتی ہیں جو اپنے طرز عمل اور طریق کار سے عوام کو متاثر کرتی ہیں لیکن یہ نہیں ہوتا کہ اگر ایک جماعت عوام کی تائید و حمایت حاصل نہ کر سکے وہ کامیاب ہونیوالی جماعت کے خلاف رکیک و شرمناک مظاہرے اور جارحانہ کارروائیاں کرے۔ یہاں اول تو صحیح معنی میں حزب اختلاف تھی نہیں اور جو تھی وہ بغض و عناد ، رنجش و کدورت اور خود غرضی و خود طلبی کی آمیزش کا دوسرا نام تھا۔

بہاولپور مسلم لیگ ایک باقاعدہ اور منظم جماعت تھی جسکی پالیسی اور پروگرام سے عوام آشنا تھے۔ اسکے بالمقابل جماعت بنانے کیلئے یہ ضروری تھا کہ کوئی ایسا تعمیری ٹھوس پروگرام پیش کیا جاتا جو عوام کیلئے زیادہ جاذب توجہ ہوتا۔

بہاولپور میں پہلی بار بالغ حق رائے دہی کے اصول پر عام انتخابات ہونیوالے تھے۔ اس ضمن میں مسلم لیگ نے اپنا انتخابی منشور شائع کرنیکا فیصلہ کیا تھا۔ ہمیں خوشی ہوتی اگر اس موقع پر کوئی دوسری جماعت بھی اپنا پروگرام اور لائحہ عمل پیش کرتی اور لوگوں کو دو مختلف الخیال جماعتوں کے عزائم و مقاصد کا اندازہ کرنے کا موقع مل جاتا لیکن افسوس ہے کہ نام نہاد حزب اختلاف جو بے نام و نشان ہونے کے علاوہ اغراض و مقاصد کے اعتبار سے بھی لایعنی تھی وہ اس موقع سے بھی فائدہ نہ اٹھا سکی اور صرف ہوا میں ڈنڈے ہلا کر اپنی دانست میں ہمیں ختم کرتی رہی۔

بہرحال جس نہج پر ہمارے مخالفین نے کام شروع کر رکھا تھا وہ برابر اسی طرح اپنا کام کرتے رہے اور ہم نے انتخابی مہم کا جو آغاز کیا تھا اسے آگے بڑھاتے رہے۔ بہاولنگر کے بعد میں نے خیرپور، قائم پور اور حاصل پور میں مسلم لیگی جلسوں سے خطاب کیا اور لوگوں کو بہاولپور مسلم لیگ سے حسب سابق وابستہ رہنے اور انتخاب میں مسلم لیگی امیدواروں کو کامیاب کرانے کی اپیل کی۔ عوام نے ہر جگہ بڑے پرجوش انداز میں نہ صرف ہمارا خیر مقدم کیا بلکہ مسلم لیگ کی ہر طرح حمایت کا یقین دلایا۔

میرا حلقہ انتخاب

بہاولپور مسلم لیگ کے پارلیمنٹری بورڈ نے اپنے امیدواروں کے ناموں کا اعلان کیا تو میرے حصے میں دو حلقے آئے۔ ایک میرا ذاتی حلقہ جہاں میرا گھر اور جائیداد وغیرہ تھی اور دوسرا بہاولپور شہر کا غربی حلقہ۔ مخالفین کے اس حلقے میں کافی اثرات تھے اسلئے پارلیمنٹری بورڈ کا خیال تھا کہ اس حلقے سے میرے علاوہ اور کوئی مسلم لیگی امیدوار کامیاب نہیں ہوسکے گا۔ بہرحال میں نے اس فیصلے پر سرِتسلیم خم کیا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ جتنا وقت میں دوسرے مسلم لیگی امیدواروں کے حلقوں کو دے سکا اسکا عشر عشیر بھی اپنے حلقوں پر صرف نہ کرسکا۔ بہرحال اللہ کی تائید و حمایت پر مجھے بھروسہ تھا اور میں نتائج سے بے پرواہ ہر حلقہ انتخاب میں جاتا۔ وہاں کے لوگوں سے ملتا اور انتخابی جلسے سے بھی خطاب کرتا۔

انتخابات کیلئے ۲۸ر اپریل ۱۹۵۲ء طے ہوئی تھی اور اس کیلئے آٹھ روز کا پروگرام بنایا گیا تھا۔ اس سے پہلے پہلے ہمیں اپنی انتخابی مہم ختم کرنی تھی۔ اسی اثناء میں مسلم لیگ نے اپنا منشور جو میری سربراہی میں مرتب ہوا تھا شائع کردیا۔ اسمیں جن امور کو بطور خاص شامل کیا گیا تھا ان میں میٹرک تک مفت تعلیم اور اسلامی بیت المال کا قیام تھا۔

انتخابی مہم کے سلسلے میں اب تک جتنے جلسے ہوئے تھے اُنمیں ۱۳ر اپریل ۱۹۵۲ء کا وہ جلسہ خاصا اہم تھا جس میں میرے علاوہ پنجاب مسلم لیگ کے بعض سرکردہ کارکنوں نے بھی خطاب کیا تھا۔ میں نے اپنے خطاب میں مخالفین کو خوب آڑے ہاتھوں لیا تھا اور انکے دوغلے عمل کی مٹی پلید کی تھی۔ میں نے کہا تھا کہ

> ”اگرچہ جمہوری نظام میں حزب اختلاف ہونا بہت ضروری ہوتا ہے‘ لیکن مجھے افسوس ہے کہ یہاں حزب اختلاف اب ختم ہوگئی ہے۔ انہوں نے بہاولپور مسلم لیگ کو جسے وہ مخدوم لیگ کہتے تھے ٹکٹوں کی درخواست دی۔
> (یہ درخواستیں مسترد ہوگئیں)
> اب تو ان کیلئے صرف تین راستے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ آزادانہ طور پر انتخاب لڑیں۔ دوسرے یہ کہ قانون شکنی کریں تاکہ حکومت انکو جیلوں میں بھیج دے اور وہ کہہ سکیں کہ چونکہ ہم محبوس زنداں تھے اسلئے کامیاب نہ ہوسکے۔ تیسرا راستہ یہ ہے کہ وہ اپنی جماعت علیحدہ بنالیں اور اپنا منشور عوام کے سامنے پیش کریں“۔

بورڈ کا فیصلہ اور مخالفین کا اس سے انحراف

بہاولپور مسلم لیگ کے پارلیمنٹری بورڈ کے فیصلوں کے خلاف پاکستان مسلم لیگ کا پارلیمنٹری بورڈ اپیل سن سکتا تھا۔ چنانچہ اسکے کئی فیصلوں کے خلاف مرکزی پارلیمنٹری بورڈ نے اپیلیں سنیں اور تین صاحبان کی اپیلیں منظور بھی کرلیں جنکی درخواستیں مسترد ہوئی تھیں۔ جماعتی ڈسپلن کا تقاضا تو یہ تھا کہ یہ ان فیصلوں کو تسلیم کرتے اور جماعت کے دوسرے ارکان کی طرح جماعت کے مفاد میں کام کرتے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ اسکی مخالفت شروع کر کے خود کو ایک خود ساختہ اپوزیشن کی صورت دیدی۔ اس وجہ سے بہت سے ارکان کو مسلم لیگ کے فیصلوں کی خلاف ورزی کے الزام میں مسلم لیگ سے نکال دیا گیا۔ یہ نکالے جانے والے دراصل وہی لوگ تھے جو قیام پاکستان سے پہلے بھی مسلم لیگ کے خلاف تھے اور اب جبکہ مسلم لیگ کو اپنے گھر کی لونڈی بنانے کا خواب پورا نہ ہوا تو کھل کر انہوں نے پھر اسکی مخالفت شروع کر دی اور حزب اختلاف کہلانے لگی۔ بہر حال اب مسلم لیگ کو انتخابات میں اس مخالف گروپ کا سامنا تھا۔ اسکے علاوہ جماعت اسلامی اور کچھ آزاد امیدوار تھے۔ جماعت اسلامی حالانکہ اس سے پہلے براہ راست انتخابات میں حصہ لینے کو اسلامی روح کے منافی قرار دے چکی تھی۔ اسکا موقف یہ تھا کہ کسی شخص کو انتخابات کیلئے خود پیش کرنا صالحیت کے بنیادی تقاضوں کے خلاف ہے۔ لیکن شاید ضرور تاً پھر اس نظریئے میں تبدیلی کر لی گئی اور جماعت نے اپنے ارکان کو انتخابات میں حصہ لینے کا اختیار دیدیا۔ چنانچہ مسلم لیگ کے مقابلے میں جو عناصر سامنے آئے تھے وہ ہماری مخالفت کی حد تک سب متفق تھے اور مسلم لیگ تن تنہا انکا مقابلہ کر رہی تھی۔

ہمارا منشور

جیسا کہ میں نے پہلے ذکر کیا ہے، بہاولپور مسلم لیگ نے میری سربراہی میں انتخابی منشور مرتب کرنے کیلئے ایک کمیٹی بنائی تھی جسکی بعض خصوصیات کا بھی قبل ازیں تذکرہ کر دیا گیا تھا۔ اس منشور کی باقاعدہ مرکزی مسلم لیگ نے منظوری دی تھی۔ ہم نے اسے کتابی صورت میں شائع کرا کے ریاست کے اطراف واکناف میں تقسیم کر دیا تاکہ لوگ مسلم لیگ کے پروگرام سے پوری طرح واقف ہو جائیں۔ اس منشور کی خاص خاص باتیں یہ تھیں۔

۱۔ سب سے اہم مسئلہ ریاست کی اقتصادیات کا ہے۔ مسلم لیگ نے طے کیا ہے کہ مسلم لیگ سیاست کی اقتصادی حالت کو بہتر اور مضبوط و مستحکم بنائے گی تاکہ ہم بیرونی امداد کے کم از کم محتاج ہوں۔

۲۔ اگلے پانچ سال کے اندر اندر زراعت اور کاشتکاری کیلئے زیادہ سے زیادہ سہولتیں فراہم کرنے کی کوشش کی جائیگی۔

۳۔ نہری اسکیم پر اور زیادہ تیزی اور مستعدی سے عملدر آمد کر کے زیادہ سے زیادہ زمینیں آباد کی جائینگی۔ آباد کاری سسٹم کو وسیع کیا جائیگا اور پانی کی کمی کو دور کرنے کیلئے مفید منصوبہ زیر عمل لایا جائیگا۔

۴۔ زمینداروں اور کاشتکاروں کیلئے زرعی ترقی اور پیداوار کے سلسلے میں خاص انتظامات کئے جائیں گے اور زرعی انکم ٹیکس میں ضروری ترمیمات کی جائینگی۔

۵۔ ریاست میں منڈیوں کی تعمیر پر توجہ دیجائیگی اور نئی سڑکوں کی تعمیر بھی وسیع پیمانے پر کی جائیگی۔

۶۔ ڈاک اور تار کے وسیع انتظامات کرنے کیلئے مرکزی حکومت سے امداد حاصل کی جائیگی اور زیادہ سے زیادہ پوسٹ آفس اور تار گھر کھولے جائیں گے۔

۷۔ مسلم لیگ تجارت کی ہر طرح حوصلہ افزائی کریگی اور اجناس کے نرخوں میں ایسا توازن قائم کریگی کہ عوام کو مہنگائی اور نایابی سے دوچار ہونا نہ پڑے۔

۸۔ در آمد، بر آمد پر کسی قسم کی اجارہ داری قائم نہ ہونے دی جائیگی اور چھوٹے اور بڑے تاجروں کو مساویانہ مواقع فراہم کئے جائیں گے۔

۹۔ صنعت عوام کی ترقی کیلئے ازبس ضروری ہے۔ ذمہ دار مسلم لیگی حکومت کے قیام کے بعد صنعتی ترقی کی رفتار تیز کر دی جائیگی۔

۱۰۔ بجلی پیدا کرنے کے سلسلے میں مسلم لیگی حکومت اپنے منصوبوں کے علاوہ پرائیویٹ اداروں کی بھی ہر طرح سے حوصلہ افزائی کریگی تاکہ ہر شہر اور قریہ میں پاور ہاؤس کھل جائیں۔

۱۱۔ ریاست میں مزید کارخانے کھولے جائیں گے اور صنعت و حرفت کو اور زیادہ ترقی دیجائے گی۔

۱۲۔ گھریلو صنعتوں کی ہر ممکن حوصلہ افزائی کر کے دیہاتی باشندوں کو خوشحال بنانے کے پروگرام پر عمل کیا جائیگا اور بیروزگاری کا خاتمہ کر دیا جائیگا۔

۱۳۔ پانچ سال کے اندر اندر کم از کم میٹرک تک تعلیم مفت کر دی جائیگی۔

۱۴۔ تعلیمی اداروں میں صنعت و حرفت اور دستکاریوں کے اسکول بھی قائم کئے جائیں گے۔

۱۵۔ تعلیم نسواں کی طرف خصوصی توجہ دی جائیگی اور انہیں بھی قوم و وطن کی خدمت کے مواقع فراہم کئے جائیں گے۔

۱۶۔ ریاست میں حفظان صحت کے کام پر خاص توجہ مرکوز کی جائیگی۔ دیہات اور شہروں میں نئے ہسپتال اور متحرک دواخانے قائم کئے جائیں گے اور سرجری کے جدید آلات کا اضافہ کیا جائیگا۔

۱۷۔ مساجد کی حالت بہتر بنائی جائیگی۔ آئمہ مساجد اور علمائے کرام کیلئے ایسے انتظامات ہونگے کہ وہ چندوں اور خیرات کے محتاج نہ رہیں۔

۱۸۔ ریاست میں چار لاکھ مہاجرین کی مستقل آباد کاری کا کام اسطرح انجام دیا جائیگا کہ مہاجر اپنے آپکو مہاجر محسوس نہ کریں اور مہاجر و مقامی کا امتیاز ختم ہو جائے۔

۱۹۔ مسلم لیگی حکومت ریاست میں آباد اقلیتوں کے تمام حقوق کا پورا تحفظ کریگی اور انہیں مسلم اکثریت کے مساویانہ تعمیر و ترقی کے مواقع میسر آئیں گے۔

اس منشور کو سیاسی حلقوں میں کافی سراہا گیا اور عوام نے اسے بڑا خوش آئند اور نیک فال تصور کیا۔ جب ہم مسلم لیگ کے جلسوں میں اپنا یہ منشور لوگوں کو بتاتے تو وہ مسلم لیگ زندہ باد کے نعرے لگا کر اس پر اپنی پسندیدگی کا اظہار کرتے تھے۔

بہاولپور اسمبلی کے انتخابات

بہاولپور اسمبلی کے انتخابات میں امیدواران کو کاغذات نامزدگی داخل کرنے کے لئے ۱۸ اپریل مقرر تھی۔ مخالف و موافق امیدواروں نے بڑے جوش و جذبہ سے ریٹرننگ افسروں کے پاس اپنے کاغذات نامزدگی داخل کئے ہر امیدوار کے ساتھ تجویز و تائید کنندہ کے علاوہ اُنکے حمائتیوں کی بھی کافی تعداد ہوتی تھی ــــــــــــ لیکن مخالفین پر اس سلسلے میں پہلی بجلی یہ گری کہ کاغذات نامزدگی داخل ہونے کے تقریباً ۲۴ گھنٹے کے اندر اندر مسلم لیگ کے ۱۴ امیدوار بلا مقابلہ منتخب قرار دے دیئے گئے۔ اس کے بعد ۲۳ مزید مسلم لیگی امیدواروں کے بلا مقابلہ منتخب ہونے کا اعلان ہو گیا۔ گویا اسمبلی کی ۴۰ نشستوں میں سے ۳۷ بلا مقابلہ منتخب ہو گئے اور مقابلہ اب صرف تین نشستوں پر رہ گیا۔ مخالفین کے لئے یہ صورت حال مایوس کن تھی۔ ان کا اور تو کیا بس چلتا انہوں نے مسلم لیگ کو پانی پی پی کر کوسنا شروع کر دیا۔ وہ کہتے تھے کہ متعلقہ افسران نے جانب داری اور دھاندلی سے کام لیا ہے جس کی ذمہ دار مسلم لیگ ہے۔ افسران پر جانبداری کا الزام اگر وزیر اعظم ریاست بہاولپور کرنل اے۔جی ڈرنگ کے زمانے میں لگایا گیا ہوتا تو شاید کسی کو یقین آجاتا کیونکہ مخالفین ان پر ہمیشہ ہماری طرف داری کا الزام لگاتے رہتے تھے حالانکہ انگریزوں کے متعلق یہ مسلمہ امر ہے کہ وہ صرف وہیں بے ایمانی کرتے ہیں جہاں ان کا قومی مفاد ہو عام حالات میں اس نوعیت کی بد عنوانی کی ان سے توقع نہیں کی جاتی۔ لیکن اب تو کرنل ڈرنگ بھی جا چکے تھے اور ان کی جگہ مسٹر اے۔آر۔خان اعلیٰ حضرت کے مشیر اعلیٰ کے طور پر مقرر ہو چکے تھے ان کا تقرر حکومت پاکستان کے مشورے سے عمل میں آیا تھا اور ان سے ہماری کسی قسم کی رفاقت بھی نہیں رہی تھی۔ اس لئے ان کے ہوتے ہوئے سرکاری ملازمین پر مسلم لیگ کی حمایت کا الزام بے معنی ہی نہیں بلکہ خود اے۔آر۔خاں کی شخصیت کو مجروح کرنے کے مترادف تھا۔ بہرحال کاغذات نامزدگی داخل ہونے کے بعد جو صورت حال سامنے آئی تھی اس کے مطابق مسلم لیگ کے ۴۸ امیدواروں میں سے ۳ امیدواروں کے کاغذات نامنظور

ہوئے تھے۔ مخالفین کے ۳۸ میں سے ۱۰ کے کاغذات مسترد ہوئے تھے۔ ۳ نے اپنے کاغذات واپس لے لئے تھے۔ ۱۹ اپنے انتخاب سے رضاکارانہ طور پر دستبردا ہو گئے تھے اور ایک امیدوار کو کامیاب قرار دیا گیا تھا۔ ان کے علاوہ ۲ آزاد امیدواروں کو بلا مقابلہ کامیاب قرار دیا گیا تھا جبکہ ۷ ۳ آزاد امیدوار خود انتخاب سے دستبردار ہو گئے تھے۔

ناکامی پر مخالفین کا واویلا

اس ناکامی پر مخالفین نے آسمان سر پر اٹھالیا۔ اور ان کے لیڈر کی طرف سے یہ اعلان کیا گیا کہ وہ انتخابات کا بائیکاٹ کریں گے۔ ان کی یہ سوچ افلاس فکر کی آئینہ دار تھی۔ حقیقت یہ تھی کہ بہاولپور کا حزب اختلاف نہ صرف نام ونشان کے اعتبار سے مفلس وقلاش تھا بلکہ ان جواہر سے بھی تہی دامن تھا جن کے بغیر کوئی جماعت ' جماعت نہیں کہلا سکتی۔ محض چند افراد کے یکجا ہونے سے اگر جماعتیں بن جایا کرتیں تو صبح سے شام تک نہ جانے کتنی جماعتیں بنتیں اور بگڑتیں 'چونکہ حزب مخالف کی کوئی باقاعدہ تنظیم نہ تھی اور محض چند افراد تھے جو انفرادی طور پر مسلم لیگ کے مقابلے میں آ گئے تھے اس لئے وہ اپنے امیدواروں کو نہ قانونی مشورہ دینے کا انتظام کر سکے اور نہ ان کی خاطر خواہ رہنمائی ہی کر سکے۔ ان کے امیدواروں نے اپنے کاغذات نامزدگی پُر کرنے اور پیش کرنے میں اکثر وبیشتر غلطیاں کی تھیں جن کی وجہ سے انہیں مسترد کیا گیا تھا۔ بہرحال ان کے انتخابات کا بائیکاٹ کرنے پر میں نے اس وقت جو بیان دیا تھا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ :

> میں اس اعلان پر متعجب نہیں ہوں یہ میرے ان دوستوں کا متوقع اقدام تھا جنہیں حزب ختلاف کہنا غلط ہے انہوں نے قدم قدم پر اپنے رویّے میں تبدیلی کی ہے اور یہ پبلک حکام یا مسلم لیگ کے کسی ایسے فیصلے کو تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں جس سے انہیں مفاد حاصل نہ ہو۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ بائیکاٹ سے ان کی کیا مراد ہے اور کون سے افراد 'امیدوار اس کی تائید کریں گے۔ مجھے امید ہے کہ نام نہاد حزب اختلاف کے چند افراد کے مجموعے کے علاوہ کوئی بھی اس کی تائید نہیں کر سکتا۔ بہاولپور مسلم لیگ کی فتح حزب اختلاف کے کاغذات نامزدگی کے استرداد کا نتیجہ نہیں ہے۔ لیگ کے سات امیدوار ان حلقوں سے بلا مقابلہ منتخب ہوئے ہیں جہاں کسی امیدوار نے بھی کاغذات نامزدگی داخل نہیں کئے تھے۔ چار مسلم لیگی امیدوار اس لئے کامیاب قرار دیئے گئے کہ ان کے مدمقابل امیدواروں نے اپنے کاغذات
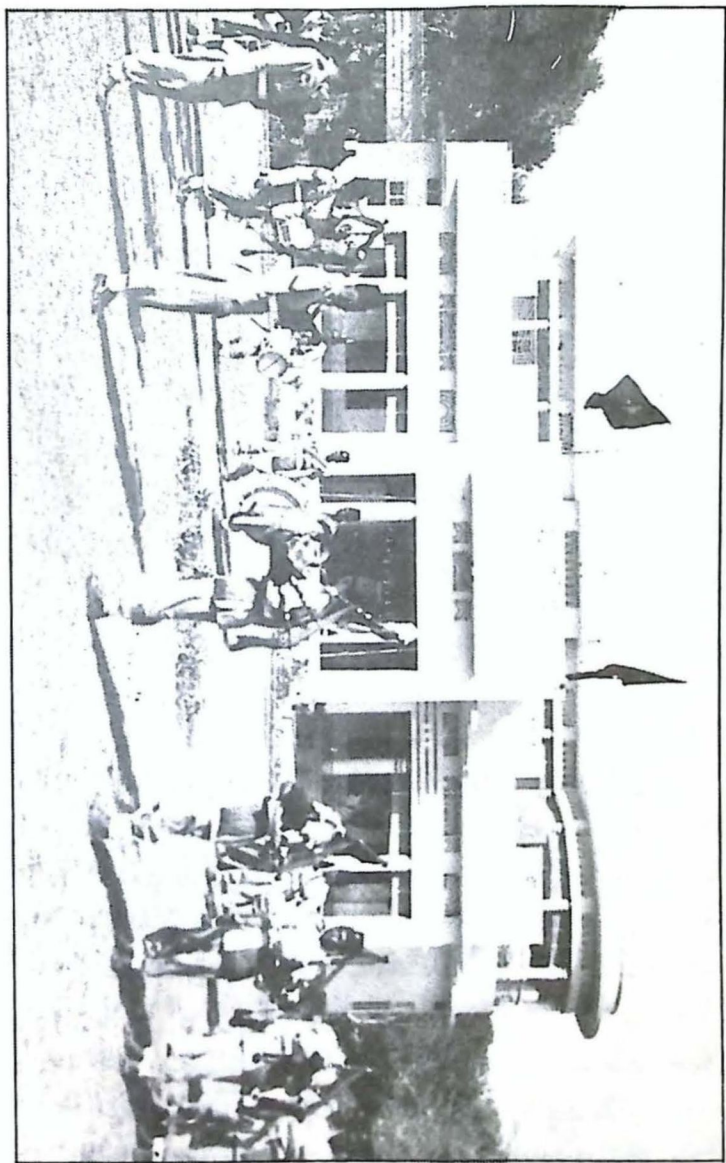
واپس لے لئے تھے بہرحال میں اپنی جماعت کی طرف سے اعلان کرتا ہوں کہ
ہم غیر جانبدارانہ الیکشن ٹریبونل کی تحقیقات کا خیر مقدم کرتے ہیں۔

بہرحال بہاولپور مسلم لیگ ہرصورت حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھی۔ اسے اس پر بھی کوئی اعتراض نہ تھا کہ اگر مخالفین اپنی تسلی الیکشن ٹریبونل سے اپنی مبینہ انتخابی دھاندلیوں کے متعلق تحقیقات کرا لیں اور اگر وہ از سرنو انتخاب چاہیں تو مسلم لیگ اس کے لئے بھی تیار تھی۔ ہم نے گذشتہ دو تین سال بھی عوام کی جو خدمت کی تھی اس پر بھروسہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی تائید و حمایت بھی ہمیں حاصل ہوگی اور عوام کی بھاری اکثریت بھی ہمارا پورا پورا ساتھ دے گی۔

انتخابات کا دوبارہ انعقاد

مخالفین کے واویلا کرنے کے باوجود اگر ہم اس موقف پر ڈٹ جاتے کہ کاغذات نامزدگی کے سلسلے میں جو کارروائی ہوئی ہے وہ قانون اور ضابطے کے عین مطابق ہے اور مخالفین کا اعتراض ناقابل اعتنار ہے تو ہمیں یقین تھا کہ مرکزی حکومت اور اعلیٰ حضرت امیر بہاولپور بھی اس پر قطعی کان نہ دھرتے لیکن ہم نے اپنے رویہ میں ہمیشہ لچک رکھی تھی اور ہم کسی بھی اقدام کے لئے تیار تھے اس لئے اعلیٰ حضرت نے جب اس انتخابی کارروائی کو کالعدم قرار دینے کا اعلان کیا تو ہم نے اس کا خوشی دلی کے ساتھ خیر مقدم کیا۔

انتخابی کارروائی کے کالعدم قرار دینے سے مخالفین نے غلط طور پر یہ تاثر دینے کی کوشش کی تھی کہ اعلیٰ حضرت نے ان کے الزام کو تسلیم کرتے ہوئے یہ کارروائی کی ہے لیکن واقعتاً یہ محض خوش فہمی تھی کیونکہ اعلیٰ حضرت یا مرکزی حکومت کو انتخابات کے صحیح اور منصفانہ ہونے میں کوئی شبہ نہ تھا۔ میں یہاں پہلے اس اعلان کا پورا متن درج کرتا ہوں جس میں انتخابات کو کالعدم قرار دیا گیا تھا ملاحظہ ہو:

> "میں نے ان حالات کا بغور مطالعہ کیا ہے جو نا کافی وجوہات کی بنا پر کاغذات نامزدگی مسترد کر دینے سے رونما ہوئے ہیں۔ چونکہ نئے آئین کے تحت انتخابات ریاست میں پہلی دفعہ ہو رہے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امیدواران اور ریٹرننگ افسران قانون انتخابات سے کماحقہ واقف نہیں تھے یہ نئے آئین کے بنیادی مقاصد کے منافی ہوگا اگر عوام محض ناواقفیت کی وجہ سے اپنے مساوی حق نیابت سے محروم کر دیئے جائیں۔ ان نقائص کی درستی کے لئے جملہ امور متعلقہ پر غور کرنے کے بعد اور حکومت پاکستان کی منظوری سے یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ دفعہ ۹۹ بہاولپور گورنمنٹ انٹریم کانسٹی ٹیوشن ایکٹ

۱۹۵۲ء کے تحت اپنے اختیارات استعمال کرتے ہوئے یہ اعلان جاری کیا جاتا ہے کہ عام انتخابات لیجسلیٹو اسمبلی کے سلسلے میں جو اقدامات اب تک کئے گئے ہیں وہ کالعدم قرار دیئے جاتے ہیں۔ نئے انتخابات جلد از جلد از سرنو قانون کے مطابق عمل میں لائے جائیں گے۔ "

اعلیٰ حضرت کی طرف سے سیاسی پارٹیوں کو انتباہ

مخالفین کا شروع سے یہ وطیرہ رہا تھا کہ جب بھی کوئی تنازعہ کی صورت پیدا ہوتی وہ دوسرے گھٹیا حربے استعمال کرنے کے ساتھ یہ تاثر ضرور دینے کی کوشش کرتے تھے کہ اعلیٰ حضرت کی ہمدردیاں ان کے ساتھ ہیں۔ اس اعلان کے بعد بھی انہوں نے یہی پروپیگنڈہ کیا۔ جس کے جواب میں خود اعلیٰ حضرت کو یہ بیان اخبارات میں دینا پڑا۔ جس میں سیاسی پارٹیوں کو متنبہ کیا گیا تھا کہ وہ اعلیٰ حضرت کے نام کو ریاست کی سرگرمیوں کے ساتھ کسی طریقہ پر شریک نہ کریں ان کے بیان کا پورا متن درج ذیل ہے :

"بہ مشورہ حکومت عالیہ پاکستان جو اعلان مورخہ ۲۸ اپریل ۱۹۵۲ء کو کارروائی انتخابات ریاست ہذا دوبارہ عمل میں لانے کے لئے کیا گیا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ اس نئے طرز حکومت ریاست میں رائے دہندگان اپنی ناواقفیت سے اپنے حقوق سے اس طرح محروم نہ ہوں کہ یہ انتخابات ہی کُلیتہً صحیح رائے عامہ پر مبنی نہ رہیں۔ اس سے کسی بھی سیاسی جماعت کی پاسداری یا رعایت اور قطعاً کسی دوسری جماعت سے اختلاف ملاحظہ خاطر نہیں۔

اب ہمیں یہ معلوم کر کے نہایت ملال ہے کہ بعض افراد اپنا اقتدار سیاسی برتری اور رائے عامہ کو اپنی جانب کرنے کے لئے اپنی جماعت کی حمایت کے لئے ہمارا نام اس طرح استعمال کر رہے ہیں گویا ایں جانب کو ان کی جماعت سے زیادہ دلچسپی ہے۔

اندریں بارہ ایک فرمان بھی مطلع کر دیا گیا تھا کہ ایں جانب کو کسی بھی جماعت یا فرد سے جو سیاسی جدوجہد میں مصروف ہیں اور آنے والے انتخابات کے سلسلے میں کوشاں ہیں ان میں سے نہ کسی سے خاص رعایت مقصود ہے اور نہ کسی سے کبیدگی۔ جن صاحب نے بھی ہمارا نام اپنی کامیابی کے لئے استعمال کیا غلط بیانی بلکہ دروغ گوئی پر مبنی ہے۔ ہمیں اپنی عزیز رعایا کے ہر فرد سے اولاد کی طرح محبت اور شفقت ہے اور کسی بھی طرح ایک جماعت کو دوسری جماعت پر ہماری نظر میں فوقیت حاصل نہیں"۔

ہم نے تو اتمام حجت کے طور پر از سر نو انتخابات کا خیر مقدم کیا تھا ورنہ جہاں تک حالات کا تعلق تھا بہاولپور مسلم لیگ اتنی مستحکم ہو چکی تھی اور اُسکی پُشت پر عوام کی اتنی زبردست قوت تھی کہ اس کی کامیابی بہرحال یقینی تھی۔ چنانچہ نئے انتخابات کا عمل شروع ہوا تو پہلے مرحلے میں ۶ مسلم لیگی امیدوار بلا مقابلہ منتخب ہو گئے اور سات غیر لیگی امیدواروں کے کاغذات نامزدگی مسترد کر دیئے گئے۔ یہاں میں یہ واضح کرتا چلوں کہ اب کے ریٹرننگ افسروں کے فیصلوں کے خلاف اپیل کا حق مشیر اعلیٰ اے۔آر۔خان کو تفویض کیا گیا تھا ان کے پاس ان ساتوں افراد نے اپیل کی تھی جن کے کاغذات مسترد ہوئے تھے۔ لیکن مسٹر اے۔آر۔ خان نے بھی سوائے ایک امیدوار کے باقی سب کے کاغذات کے استرداد کو تسلیم کیا اور وہ حقِ انتخاب سے محروم رہے۔

پاکستانی زعماء کی ہمارے انتخابات میں دلچسپی

بہاولپور مسلم لیگ کو نہ صرف ریاست کے عوامی حلقوں میں کافی اثر ونفوذ حاصل ہو چکا تھا بلکہ بیرون ریاست بھی اس کی کارکردگی کا مسلم لیگی حلقوں میں اعتراف تھا۔ خاص طور پر مرکزی لیگ اسے بہاولپور کی سیاسی وسماجی ترقی اور اقتصادی و معاشی بہبود کے لئے بہت اہمیت دیتی تھی۔ اسے یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ ریاست میں جو عنصر مسلم لیگ کے خلاف سرگرم عمل ہے اسے پاکستان سے کبھی ہمدردی نہیں رہی۔ اگر عوام کی بدقسمتی سے اسے ریاست میں اقتدار حاصل ہو گیا تو اس سے ریاستی عوام کو جو نقصان پہنچے گا وہ تو پہنچے گا لیکن پاکستان کے استحکام وبقاء کی جدوجہد میں بھی اس سے کسی مفید ومثبت کردار کی توقع نہیں ہو گی۔ چنانچہ جب دوبارہ ریاست میں انتخابی مہم کا آغاز ہوا تو مسلم لیگ کے اکثر زعماء نے بہاولپور مسلم لیگ کی کامیابی کے لئے اپنی نیک خواہشات کا اظہار کیا۔ ان زعماء میں سردار عبدالرب نشتر نواب مشتاق احمد گورمانی اور خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم پاکستان جو پاکستان مسلم لیگ کے صدر بھی تھے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ گورمانی صاحب نے تو اپنی تقریر میں صاف صاف کہا کہ

> ”جو لوگ مسلم لیگ کی مخالفت کر رہے ہیں ان میں ایسے لوگ بھی شامل ہیں جو کسی زمانے میں ریاست کو ہندوستان میں شامل کرانا چاہتے تھے۔ مسلم لیگی حکومت نے گذشتہ چار سال میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں وہ اس امر کی ضمانت ہیں کہ بہاولپور میں مسلم لیگی حکومت کا قیام ریاستی عوام کی ترقی اور فارغ البالی کا موجب ہو گا“

انتخابات میں ہماری کامیابی

اس انتخابی معرکے میں ۴۹ نشستوں کے لئے ۲۱۷ امیدوار میدان میں تھے۔ صرف ۱۴

امیدواروں کے کاغذات مسترد ہوئے تھے مخالفین نے اس کے لئے سر دھڑ کی بازی لگائی ہوئی تھی۔ بعض حلقوں میں خاصا سخت مقابلہ تھا۔ خود میرا وہ حلقہ جو بہاولپور شہر سے تعلق رکھتا تھا اور جہاں مقامی ووٹروں کے علاوہ مہاجر ووٹروں کی بھی کافی تعداد تھی، زبردست معرکہ گرم ہوا۔ مخالفین کو شہر بہاولپور پر بڑا ناز تھا وہ اسے اپنا گڑھ سمجھتے تھے۔ یہاں سے میرے مقابلے میں سردار محمود خاں سابق جج ہائیکورٹ بہاولپور کو کھڑا کیا گیا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے جہاں مسلم لیگ کے اکثر امیدواروں کو زبردست کامیابی عطا کی وہاں میں اپنے ذاتی حلقے (جمال دین والی) کے علاوہ بہاولپور کے شہری حلقے سے بھی کامیاب ہو گیا۔

ان انتخابی نتائج کی رو سے مسلم لیگ کو ۴۹ نشستیں ملیں۔ مخالف امیدواروں کو ۱۱ جماعت اسلامی کو دو اور آزاد امیدوار ایک نشست حاصل کر سکے۔ افسوس ہے کہ اپوزیشن کے کنوینر میاں نظام الدین حیدر بھی ایک ہزار ووٹوں سے شکست کھا گئے۔

اعلیٰ حضرت نے ہمیں حسن کارکردگی کے تمغے دیئے

اب ان بے چارے مخالفین کے پاس کیا چارہ کار رہا تھا۔ دوبارہ انتخابات نے بھی ان کی مراد پوری نہیں کی۔ آخر اس جمہوری عمل کا دوسرا مرحلہ شروع ہوا۔ چونکہ میں مسلم لیگ اسمبلی پارٹی کا لیڈر تھا اعلیٰ حضرت نے حسب روایت مجھے حکومت بنانے کی دعوت دی۔ اس غرض کے لئے صادق گڑھ پیلس میں ایک خصوصی دربار منعقد ہوا۔ جہاں میں نے اور میرے نامزد کردہ وزراء راؤ حفیظ الرحمٰن اور سردار محمد افضل خان لغاری نے حلف اٹھایا۔ اس موقع پر اعلیٰ حضرت نے مسلم لیگی حکومت کی سہ سالہ خدمات کو سراہتے ہوئے سابق وزراء کو تمغوں سے بھی نوازا اور مجھے رفیق ستلج کا تمغہ ملا۔ جو حضرات اب تک یہ تاثر دیتے رہے تھے کہ اعلیٰ حضرت میرے خلاف ہیں اور انتخابات کو مسلم لیگی حکومت کی مبینہ دھاندلیوں کی وجہ سے کالعدم قرار دیا گیا تھا اعلیٰ حضرت کی اس مہربانی اور خصوصی عنایت نے ان پر گھڑوں پانی ڈال دیا اور وہ دل ہی دل میں جل بھن کر رہ گئے۔

میں نے وزیر اعلیٰ کا عہدہ سنبھال لیا

بہرحال حلف وفاداری اٹھانے کے بعد میں نے ریاست کے پہلے عوامی وزیر اعلیٰ کا عہدہ سنبھالا۔ اور اس حیثیت میں اپنی پہلی کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے ریاست کے عوام اور تمام سیاسی پارٹیوں سے اپیل کی کہ وہ ریاست سے غربت ناخواندگی، رشوت اور دوسری برائیاں دور کرنے میں میرے ساتھ تعاون کریں، میں نے اپنے مخالفین کو یقین دلایا کہ میں سب کے ساتھ منصفانہ اور آبرومندانہ رویہ رکھوں گا اور ان کے تمام معاشرتی اور سیاسی حقوق کا پورا پورا تحفظ کروں گا میں نے اس عزم کا بھی اظہار کیا کہ

میری یہ کوشش ہوگی کہ بہاولپور کو جلد از جلد دوسرے صوبوں کے معیار پر لایا جائے اور ریاست اتنی تیزی سے ترقی کرے کہ اسے دوسروں کے لئے زندگی کے ہر موقع میں ایک نمونہ تسلیم کیا جائے۔

انتخابات میں بہاولپور مسلم لیگ کو جو شاندار کامیابی ہوئی تھی وہ صرف اس وجہ سے اہم نہیں تھی کہ عوام نے ایک مرتبہ پھر یہ ثابت کر دیا تھا کہ مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے اور پہلے کی طرح آج بھی قوم کو اس کی ملی تنظیم پر مکمل اعتماد ہے بلکہ اس لئے بھی اس کی وقعت تھی کہ اس سے جمہوریت کا قدم ریاست میں بہت آگے بڑھا تھا۔

ترقی پسند اور رجعت پسند کا مقابلہ

فی الحقیقت بہاولپور میں مسلم لیگ کی کوئی مخالفت نہ تھی اور نہ کوئی ایسی جماعت موجود تھی جس کو حزب مخالف کا نام دیا جا سکتا۔ یہاں مقابلہ ترقی پسند اور رجعت پسند عناصر کے درمیان تھا۔ اور یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ رجعت پسندوں نے ترقی پسندوں سے مات کھائی تھی۔ مجھے فخر ہے کہ ترقی پسند عناصر کی قیادت میرے ہاتھ میں تھی۔ میں نے عوام کی آزادی اور حق خود ارادیت کے لئے جس جدوجہد کا آغاز کیا تھا خدا نے اسے کامیابی سے ہمکنار کر دیا تھا۔ ہماری کامیابی پر ملک کے کونے کونے سے مبارک باد کے پیغامات موصول ہوئے میں یہاں صرف خواجہ شہاب الدین کے برقیہ کو نقل کرتا ہوں جو اس وقت صوبہ سرحد کے گورنر تھے اور تحریک پاکستان میں جن کی خدمات اظہر من الشمس ہیں انہوں نے اپنے برقیہ میں لکھا تھا۔

> "بالغ رائے دہندگی کے اصول پر انتخابات کے نتیجے میں ریاست کے پہلے وزیر اعلیٰ کے منصب پر فائز ہونے پر مخلصانہ مبارک باد قبول کیجئے۔ مجھے یقین ہے کہ مسلم لیگ کے جھنڈے تلے بے غرضانہ اور مخلصانہ کام کرنے کی روایات کو قائم رکھا جائے گا اور آپ کی قیادت اور سرپرستی میں ریاست اور عوام پہلے سے زیادہ ترقی کریں گے۔"

وزیر اعلیٰ منتخب ہونے کے بعد

میں نے وزارت اعلیٰ کے منصب پر فائز ہونے کے بعد سب سے پہلے ریاست کے اعلیٰ افسران کی ایک کانفرنس طلب کی اور انہیں ان کے فرائض سے آگاہ کرنے کے ساتھ ساتھ رشوت، بد دیانتی اور بد عنوانیوں سے کامل احتراز کی تلقین کی۔ میں نے بطور وارننگ واشگاف الفاظ میں یہ اعلان کیا کہ میں انسداد

جرائم کے بہتر اور کامیاب ترین طریقے جانتا ہوں اور ان پر عمل کرنے سے نہیں ہچکچاؤں گا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ میرے پاس وہ کون سا تیر بہدف نسخہ ہے جس سے رشوت، چوری اور اغواء جیسے سنگین جرائم کا قلع قمع ہو جائے گا۔

میں نے اسی سلسلے میں ۲۱ اگست ۱۹۵۲ء کو بہاولنگر میں مسلم لیگی کارکنوں کے کنونشن میں اس کا جواب دیا اور یہ بتایا کہ

"میرے پاس ان جرائم کی بیخ کنی کے لئے ایک جادو اثر پنسلین ہے جس کا ٹیکہ مقدمات اور عدالتی کارروائیوں کے نسخوں سے بدرجہا بہتر اور نتیجہ خیز ثابت ہو سکتا ہے۔ میں اس سلسلے میں سیکورٹی ایکٹ کے استعمال سے بھی گریز نہیں کروں گا اور لوگ دیکھیں گے کہ جو قانون سیاسی مخالفین کے لئے استعمال ہوتا ہے وہ سماج دشمن عناصر کے خلاف حرکت میں آئے گا۔
میں اس لیگی ورکرز کنونشن کے بعد کینیڈا جانے والا تھا اس لئے یہی بہتر سمجھا کہ اپنی آئندہ حکمت عملی لوگوں پر واضح کر دوں۔"

اس موقع پر جو میں نے تقریر کی تھی اس کا مکمل متن درج ذیل ہے:

حضرات!

پیشتر اس کے کہ میں آپ کی توجہ ان مختلف مسائل کی طرف مبذول کراؤں جس سے ہم آج دوچار ہیں میں سمجھتا ہوں کہ پہلے ریاست کی مختلف سیاسی جماعتوں کی کش مکش کا مختصر جائزہ لے لیا جائے تاکہ آپ کو ایک بار پھر اس امر کا احساس ہو سکے کہ موجودہ سیاسی کش مکش اور مختلف سیاسی جماعتوں کا آپس میں اختلاف کس طرح کا ہے اور کیوں ہے؟

پس منظر

ریاست بہاولپور میں سیاسی بیداری کا آغاز اس وقت ہوا جب آپ میں یہ احساس پیدا ہوا کہ آپ کو بھی وہی حقوق حاصل ہونے چاہئیں جو پاکستان کے دوسرے صوبوں کے باشندوں کو حاصل تھے۔ آپ جانتے تھے کہ چونکہ مطالبہ پاکستان اور حصول پاکستان کی جدوجہد میں بھی آپ برابر کے حصہ دار تھے اس لئے آپ کو بھی یہ حق پہنچتا ہے کہ جو آئینی حقوق دوسرے صوبوں کے لوگوں کو ملے ہوئے ہیں آپ کو بھی وہ حقوق دیئے جائیں۔ آپ کے اس جائز مطالبے کے ساتھ ساتھ آپ کے مقابلے میں اور جماعتیں بھی کھڑی ہو گئیں۔ یہ جماعتیں آج کیسے ہی دعوے کیوں نہ کریں مگر حقیقت یہ ہے کہ جہاں بہاولپور مسلم لیگ نے سیاسی جدوجہد کے راستے پر قدم آگے کو اٹھایا یہ جماعتیں اپنے تمام نعروں اور طور طریقوں کے اعتبار سے مسلم لیگ کی جدوجہد کی مخالفت میں مصروف رہیں۔ ان جماعتوں نے بہاولپور مسلم لیگ

کے راستے میں قدم قدم پر روڑے اٹکانا اپنا مسلک بنالیا۔ ہم نے جب بھی کوئی نیا مطالبہ پیش کیا تو ان جماعتوں نے ہمارے مقاصد اور ارادوں کی غلط تر جمانی کر کے اور انہیں گمراہ کن مشکلوں میں عوام کے سامنے پیش کر کے عوام کو ہم سے بد ظن اور ہمارے راستے میں طرح طرح کی رکاوٹیں پیدا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔

جمہوری اصول

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جب کسی جگہ دو جماعتوں کے درمیان ایسی کش مکش شروع ہو جاتی ہے تو جماعت یا تو آگے بڑھتی ہے یا اپنی لغزشوں کی وجہ سے اپنی منزل مقصود سے دور ہٹتی چلی جاتی ہے ایسا بھی ہوا کرتا ہے کہ پہلے پہلے دونوں جماعتیں اپنے اپنے راستے پر کچھ دیر کے لئے آگے بڑھتی رہتی ہیں اور پھر ایک جماعت تو اپنے زور عمل سے کامیاب ہو کر منزل مقصود تک پہنچ جاتی ہے اور دوسری راہ میں بھٹکتی رہ جاتی ہے۔ ہر جمہوری نظام میں تقریباً تقریباً ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔ اور آزاد اور سمجھدار قوموں میں ایسی سیاسی شکست کے بعد ہاری ہوئی جماعت جیتی ہوئی جماعت کو کام کرنے کا پورا پورا موقع دیتی ہے اور خود محض تعمیری نکتہ چینی اختیار کر لیتی ہے۔

حزب اختلاف

ہمارے ہاں اس طرح کی جو سیاسی کش مکش شروع ہوئی تھی وہ عام انتخابات کے بعد ختم ہو چکی ہے۔ جیت اور ہار کا فیصلہ عوام کی مرضی سے ہو چکا ہے۔ اب اسی طرز کی مخالفت اور کش مکش کا وقت نہیں رہا۔ جو مخالفت چند ماہ پہلے جاری تھی۔ اب پروگرام یہ ہونا چاہئے کہ ہم نے یہ اصلاحات جس مقصد سے حاصل کی تھیں وہ مقصد کس طرح پایۂ تکمیل تک پہنچایا جائے۔ ہم نے اپنے مقاصد کی پہلی منزل طے کر لی ہے اور اب ہمیں آگے بڑھنا ہے۔ مگر یہ امر حد درجہ افسوس ناک ہے کہ کئی جماعتیں اس جمہوری اصول کو مد نظر نہیں رکھتیں۔ وہ تعمیری پروگرام کی بجائے بر سر اقتدار پارٹی کے راستے میں روڑے اٹکانا' اس کی کامیابی پر حسد کرنا اور اس کے لئے مصیبت بن جانا ہی عوام کی بھلائی اور بہتری ظاہر کرنے پر مصر ہیں میں ہاری ہوئی حزب اختلاف پر یہ الزام تجربے اور مشاہدے کے بغیر نہیں لگا رہا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ رائے عامہ کے آزادانہ فیصلے کے بعد بھی حزب اختلاف اسی طریق کار پر ڈٹا ہوا ہے جو طریق کار صرف انتخابات تک قابل عمل تھا۔

مسلم لیگ کے ازلی دشمن

آپ نے ذمہ دار حکومت کا حق حاصل کرنے کے لئے جنگ لڑی۔ یہ حق تفویض کرتے ہوئے آپ کو عام انتخابات کے ذریعہ اپنے نمائندے چن لینے کا موقع دیا گیا اور یہ حق آپ کو بہاولپور مسلم لیگ ہی نے پونے تین سال کی جدوجہد میں دلوا دیا۔ اس کے عمل کا ریکارڈ اچھا تھا۔ اس لئے جب الیکشن کا

موقع آیا تو ہم نے آپ سے استدعا کی کہ آپ مسلم لیگ کو کامیاب بنائیں کیونکہ ذمہ دار حکومت کے حصول کا معرکہ بھی مسلم لیگ کی قیادت میں سر کیا گیا تھا۔ مسلم لیگ نے ووٹروں کے سامنے اپنا منشور رکھا۔ مخالف جماعت نے بھی جب عوام سے ووٹوں کا مطالبہ کیا تو یہی دعویٰ کیا کہ اس کا منشور بھی وہی ہے جو مسلم لیگ کا ہے۔ وہ بار بار کہتے رہے کہ "ہم زیادہ پکے لیگی ہیں۔ ہمار انصب العین وہی ہے جو مسلم لیگ کا ہے۔ ہم تو محض لیگ کا بایاں بازو ہیں۔ ہماری مخالفت صرف مخدوم زادہ حسن محمود کی ذات سے ہے۔" مگر آج انہوں نے خود ہی عملاً یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ ہمیشہ سے مسلم لیگ ہی کے دشمن تھے۔ ان کی مخاصمت مجھ سے نہیں تھی بلکہ آپ کی واحد قومی نمائندہ جماعت مسلم لیگ سے تھی کیونکہ آج وہ اس جماعت کو چھوڑ چکے اور اپنی لیگ دشمنی کا عملی ثبوت پیش کر چکے ہیں۔

اعلیٰ حضرت کے خلاف گستاخیاں

انہوں نے الیکشن کے زمانے میں اعلیٰ حضرت سرکار عالی کے متعلق کیا کیا بے سروپا دعوے نہیں کئے؟ انہوں نے علی الاعلان مشہور کیا کہ سرکار عالی مسلم لیگ کے مخالف ہیں اور ان کی ہمدردیاں حزب اختلاف کے ساتھ ہیں مگر سرکار عالی نے کیا ثابت کر دکھایا انہوں نے نہ صرف اپنے بیان میں یہ وضاحت فرمادی کہ ان کا نام استعمال کرنے والے غلطی پر ہیں بلکہ جس دن صادق گڑھ پیلس میں نئے وزراء نے وفاداری کا حلف اٹھایا۔ انہوں نے ہماری گذشتہ تین سال کی کارکردگیوں کے اعتراف میں ہمیں تمغے عطا کئے اور مسلم لیگ کی خدمات کو سراہا۔ یہ تمام چیزیں ثابت کرتی ہیں کہ ہمارے مخالف عوام کے سامنے غلط چیزیں پیش کر کے اور دروغ گوئی سے کام لے کر انہیں صحیح راستے سے بھٹکانے کی کوشش کر رہے تھے۔

اپنا وزیر اعظم

بہاولپور مسلم لیگ جو پروگرام بھی مرتب کر کے اسے زیر عمل لاتی رہی ہے اللہ کے فضل سے اس کو آپ کا ہمیشہ تعاون حاصل رہا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسے اپنے پروگرام میں کامیابی حاصل ہوتی رہی ہے

آپ کو یاد ہو گا کہ دو سال پہلے اپوزیشن نے آپ کے اسی شہر میں ڈنکے کی چوٹ یہ اعلان کیا تھا کہ آپ کو آئینی اصلاحات کی شکل میں اب تک جو کچھ ملا ہے حسن محمود وہ سب کچھ واپس دلوا دے گا اور پھر انہوں نے یہ نعرہ بھی بلند کیا کہ آپ کا وزیر اعظم کبھی اپنا نہ ہو گا۔ مگر آج آپ حقیقتاً کیا دیکھ رہے ہیں؟ شاید وہ اپنے دل سے ہمیشہ یہ سمجھ کر ایسی باتیں کیا کرتے تھے کہ "ان" میں سے کوئی وزیر اعظم ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں وہ منزل بھی دکھادی کہ آج وزیر اعظم کم سے کم ان کا نہیں بلکہ ہمارا ہی ہے۔

ناکامی کا بدلہ

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کا اب صحیح طریق کار کیا ہونا چاہئے؟ ذمہ دارانہ نمائندہ حکومت بن چکی ہے اور یہ موجودہ حکومت پانچ سال تک رہے گی۔ وہ اسمبلی کے اجلاس میں یہ حلف اٹھا چکے ہیں کہ وہ اعلیٰ حضرت کی آئینی حکومت اور آئین کے وفادار رہیں گے۔ مگر اس حلف کے باوجود وہ کس جدوجہد میں

مصروف ہیں؟ کیا اپنے حلفیہ عہد کے ہوتے ہوئے وہ اعلیٰ حضرت کی منظور کردہ اس حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش کر کے ایک غیر قانونی اور غیر جمہوری فعل کا ارتکاب نہیں کر رہے! انہوں نے اعلیٰ حضرت کی وفاداری کا حلفیہ اقرار کر کے آج جو کچھ اعلیٰ حضرت کی ذات کے متعلق کہنا شروع کر رکھا ہے اگر ہم اس کے خلاف کوئی اقدام کریں تو وہ جائز ہو گا یا نہیں۔ کیونکہ قانون کا تقاضا ہی یہ ہے کہ جو لوگ حکمران کی وفاداری کے اقرار سے منحرف ہو کر ایسی باتوں پر اتر آئیں ان کو ہر طریقے سے اس بد عہدی سے باز رکھا جائے۔ جب عام انتخابات کی جمہوری جنگ ایک بار ختم ہو چکی ہے تو اس کے نتائج کو غیر آئینی طریقوں سے ہرگز ہرگز نہیں بدلا جا سکتا۔ انہوں نے لوگوں سے اپیلیں کیں کہ وہ انہیں برسر اقتدار لائیں۔ انہوں نے لوگوں کو کئی طریقوں سے ورغلانے کی کوشش کی لیکن وہ خود عوام کی رائے کو جیت سکے اور نہ عوام نے انہیں اپنایا۔ اب انہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ انتشار پھیلا کر اور اشتعال انگیز حرکات کر کے عوام کے تعمیری پروگرام میں رخنہ ڈالیں اور اس طرح اپنی ناکامی کا بدلہ عوام سے لینا شروع کر دیں۔

حقیقی فرائض

عوام نے جن حقوق کے حصول کے لئے جدوجہد کی تھی وہ حقوق حاصل ہو جانے کے بعد اب ان کے صحیح استعمال کی باری آئی ہے۔ عوام کی کثرت رائے مسلم لیگ کو برسر اقتدار لے آئی ہے۔ اب جمہوری تقاضا یقیناً یہ ہے کہ جو اختیارات ہمیں رائے عامہ کے فیصلے سے حاصل ہوئے ہیں ہم وہ اختیارات استعمال کریں اور حزب اختلاف کا کام یہ ہے کہ اگر وہ کوئی خامی دیکھیں تو اس خامی پر اسمبلی کے ایوان میں نکتہ چینی کریں جیسا کہ ہر آزاد جمہوری ملک کے حزب اختلاف کا قاعدہ ہے۔ انہیں یہ آزادی کوئی جمہوری نظام بھی نہیں دیتا کہ وہ موجودہ حکومت کو جو رائے عامہ کے فیصلے اور اعلیٰ حضرت کے منشا سے قائم ہوئی ہے غیر آئینی طریقوں سے الٹنے کی کوشش کریں۔

حکومت ایک بار بن چکی ہے اور وہ آئندہ الیکشن تک برقرار رہے گی۔ حکومت کو اب کام کرنا ہے اور حزب اختلاف کی ذمہ داری صرف یہ ہے کہ وہ حکومت کے اختیار کردہ راستوں کو اچھا یا برا کہے۔ لیکن وہ جو نکتہ چینی بھی کرے ایوان میں کرے۔ جمہوری تقاضوں کے تحت حزب اختلاف کوئی دوسرا پروگرام بنانے کا حقدار ہی نہیں کیونکہ موجودہ حزب اختلاف نے گزشتہ الیکشن مسلم لیگی پروگرام بتا کر ہی لڑا تھا۔ وہ ہمیشہ اپنے آپ کو مسلم لیگ کا بایاں بازو کہتا رہا اور مسلم لیگ کے لائحہ عمل پر قائم رہنے کے دعوے کرتا رہا۔ اس لئے اگر آج وہ مسلم لیگی کے مخالف کیمپ میں پہنچ کر برسر اقتدار مسلم لیگ کا تختہ الٹنا چاہتا ہے تو اس کا ماضی یقیناً منافقین کا سا ماضی تھا اور حال اس سے بھی گھناؤنا ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ ہمیں کیا کچھ کرنا ہے؟ میں آپ کا ممنون ہوں کہ آپ نے جماعتی تنظیم کو اپنایا اور ہمیشہ تعاون کیا۔ میرا عقیدہ ہے کہ کسی جماعت سے تعلق رکھنے کے بعد کوئی فرد واحد جماعت بندی کے اصول کو نہیں چھوڑ سکتا۔

میں نے کبھی بھی اپنے فیصلے کو جماعتی فیصلے پر ترجیح نہیں دی۔ البتہ مجھے یہ حق ضرور پہنچتا ہے کہ میں آپ کی توجہ وقتاً فوقتاً اہم امور کی طرف مبذول کراتا رہوں تاکہ آپ وہ غلطیاں نہ کر سکیں جو بعض دوسرے صوبہ جات کی مسلم لیگوں سے ہو چکی ہیں۔ اگر بہاولپور مسلم لیگ گاہے بگاہے اپنے طریق کار اور اپنے اعمال کا جائزہ نہ لیتی رہے اور اس میں نقائص پیدا ہوتے جائیں تو ایسی مسلم لیگ کا کوئی فائدہ نہیں اس لئے ضروری ہے کہ ہم اپنا آپ محاسبہ کرتے رہیں۔ محض مسلم لیگ کا ٹکٹ حاصل کر کے الیکشن جیت لینے پر ہی مسلم لیگی فرد کے فرائض ختم نہیں ہو جاتے اور نہ اسے کامیابی کہا جا سکتا ہے۔

آئندہ ذمہ داریاں

ہمارا مقصد اولیٰ یہ ہے کہ جن اصولوں کی اچھائی اور صداقت سے رائے عامہ کو مطمئن کر کے ہم نے الیکشن جیتا اور حکومت قائم کی ہے انہی اصولوں پر حکومت بھی چلائی جائے۔ آپ کو اپنی لیگ کا نظریہ بدلنا اور اس قدر بلند کرنا ہے کہ آپ کی حکومت ایک معیاری حکومت بن جائے اور سب اس کی تقلید کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ آپ کا فرض اب یہ ہے کہ آپ اپنی حکومت سے پورا تعاون کر کے موجودہ نظام کو ایسے نقائص اور خامیوں سے مبرا کر دیں جو عوام کے لئے نقصان دہ ثابت ہوتی ہیں۔ آپ کو الیکشن جیت کر سو نہیں جانا چاہئے یہ صحیح ہے کہ الیکشن لڑ کر جماعت تھک جاتی ہے اور جہاں باقی صوبوں کو ایک ایک الیکشن لڑنا پڑا آپ نے دو الیکشن لڑے ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ کی ذمہ داریاں ختم ہو چکی ہیں۔ آپ نے بے شک کامیابی کی پہلی منزل طے کر لی ہے لیکن اب دوسری منزل شروع ہو چکی ہے جو پہلی منزل سے کہیں زیادہ کڑی اور مشکل ہے۔ چند سال پہلے آپ ایسے دور سے گزر رہے تھے جب آپ کو حکومت وقت پر نکتہ چینی کرنی پڑتی تھی۔ آج حکومت آپ کے ہاتھ میں ہے اور دوسرے آپ پر نکتہ چینی کے لئے بے قرار ہیں اس لئے اگر آپ کو اپنے زور عمل اور اچھے کاموں سے عوام کے نظریے بدلنا اور بلند کرنا ہوں گے اور یہ مقصد اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکے گا جب تک ڈسٹرکٹ لیگیں، سٹی لیگیں اور پرائمری لیگیں آپس میں کامل تعاون کر کے اور پوری باعمل رہ کر اپنی حکومت کا ہاتھ نہ بٹائیں۔

رابطہ عمومی

میں اضلاعی، شہری اور پرائمری لیگوں کے پریذیڈنٹوں سے پُرزور اپیل کرتا ہوں کہ وہ غفلت اور جمود کو خیرباد کہہ دیں اور مصروف عمل ہو جائیں۔ وہ اپنے ہاں کے لوگوں سے رابطہ پیدا کریں۔ ان کی شکایات معلوم کریں۔ ان کی تکالیف کی جانچ پڑتال کریں۔ ان شکایتوں کا تجزیہ کریں اور نہ صرف حکومت کی توجہ ان کی طرف مبذول کرائیں بلکہ جہاں تک ان سے بن پڑے وہ خود بھی ان کے ازالہ کے طریقے سوچ کر انہیں عملاً اختیار کریں۔ چونکہ وہ برسراقتدار جماعت کے فرد ہیں۔ وہ عوام کی طرف سے تفویض کردہ ذمہ داریوں سے غافل نہیں رہ سکتے۔ ان کی قوت اور استحکام کا دارومدار زیادہ سے زیادہ عوامی فلاحی و بہبود کے کامیاب کام پر ہے۔

منافق اور اقتدار پرست

کچھ لوگوں نے ہماری برادری سے ہوتے ہوئے الیکشن میں مخالفت کی مگر اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ جماعت نے کامیابی کی منزل طے کر لی۔ ایسے مرحلوں میں اللہ تعالیٰ ہمیشہ ایسے موقعے پیدا کر دیتا ہے اور امتحان کے ایسے ذرائع نکل آتے ہیں جن سے آئندہ یہ تمیز ہو سکتی ہے کہ کون اصلی دوست ہے اور کون منافق دشمن ہے۔ جو لوگ مسلم لیگ کے فرزند ہونے کا دعویٰ کرتے تھے لیکن انہیں جس وقت لیگ کی کشتی بھنور میں ڈوبتی معلوم ہو رہی تھی اور وہ دور کنارے پر کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے انہیں مسلم لیگ کس طرح اپنا تسلیم کر سکتی ہے؟ ابھی عوام میں پورا شعور پیدا نہیں ہوا کہ وہ بھلے اور برے میں تمیز کر سکیں۔ مسلم لیگ کا اب یہ فرض ہے کہ وہ عوام میں اپنے تعمیری لائحہ عمل سے ایسا سیاسی شعور پیدا کرے کہ وہ نعروں کے فریب میں نہ آسکیں۔ اور ہمیشہ ٹھوس اور عملی تعمیری کام دیکھ کر اچھے اور برے کا امتیاز کر سکیں۔ مثال کے طور پر دوبارہ الیکشن ہمارے حق میں باعث رحمت ثابت ہوا۔ اگر بات پہلے ہی الیکشن پر ختم ہو جاتی تو ہمارے ہاں تو سرحد سے بھی زیادہ امیدوار بلا مقابلہ کامیاب ہو چکے تھے۔ خدا جانے ہمارے مخالف اور بیرونی افراد ہم پر کیا کیا بہتان باندھتے رہے۔ اور پھر دوبارہ انتخابات نے ہمیں یہ بھی دکھا دیا کہ ہمارے حقیقی اور مخلص ساتھی کون ہیں اور ایسے افراد کے لئے امتحان کا موقع پیدا کر دیا جو محض اقتدار کے دوست تھے۔ اس سے میری مراد ہرگز یہ نہیں کہ ہم بروں کو نکال باہر کریں۔ بروں کو اگر اس طرح نظر انداز کر دیا جائے تو پھر اصلاح کس کی کی جائے گی؟ آپ کا فرض یہ ہے کہ ایسے گم کردہ راہ اور کمزور عقیدہ افراد کو آپ اپنے مدرسۂ فکر میں داخل کر کے ان کی سیاسی تربیت کریں اور اس قابل بنا دیں کہ آئندہ وہ ہر امتحان پاس کر لیا کریں۔ ہمیں ایسے لوگوں کو اپنانا اور سکھلا کر مفید ورکر بنانا ہے اس کے ساتھ ہی ساتھ میں یہ وضاحت بھی کر دوں کہ جب میں یہ رواداری دکھا رہا ہوں تو ایسے گم کردہ راہ افراد کہیں لیگ کو کمزور نہ سمجھنے لگ جائیں۔ میری پیش کش ہرگز ہرگز کسی کمزوری کا نتیجہ نہیں بلکہ وہ رواداری ہے جو فاتح اور کامیاب افراد کا طرہ امتیاز ہوا کرتی ہے۔ ہمیں بھٹکے بھولے افراد کی اصلاح کرنی ہے۔ اس لئے ہمارا دروازہ ہر وقت ہر ایک کے لئے کھلا ہے۔ وہ آئیں۔ پورے خلوص اور ایثار کے ساتھ اس جماعت میں شریک ہوں لیکن اگر ان کی شرکت خاص اغراض کے لئے ہو تو وہ بے شک اپنے اپنے مقام پر رہیں کیونکہ ہمیں صرف بے لوث اور بے غرض ورکروں کی ضرورت ہے۔ اقتدار کے بھوکوں اور اقتدار کے دوستوں کی ضرورت نہیں۔

انتقام اور تحفظ کا فرق

اس وقت میں یہ کہہ دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ میں جب بھی اپنے خصوصی اختیارات استعمال کرتا ہوں تو ہمیشہ یہ سمجھ کر کرتا ہوں کہ یہ اختیارات مجھے جماعت نے اور عوام نے سونپے ہیں۔ میرا عقیدہ

ہے کہ کامیاب اور فعال جماعتیں مخالفوں سے انتقام نہیں لیا کرتیں۔ وہ مخالفوں کو اپنے عمل سے زیر کرتی ہیں اس لئے ذاتی انتقام کے جذبے سے ہمیشہ بچنا ہے۔ مگر اپنے تحفظ کے لئے بھی ہمیں ہر وقت محتاط رہنا ہے تاکہ ایسا نہ ہو کو مخالف سرعام گالیاں دیتے پھریں اور دروغ گوئی اور غلط بیانی سے عوام میں انتشار پیدا کریں اور یہ معلوم ہونے لگے کہ ہم کمزور ہیں۔ اس لئے تحفظ عامہ کا انتظام کرنے میں ہم کوتاہی نہیں کریں گے۔

تعمیری پروگرام

جہاں تک ہمارے تعمیری لائحہ عمل کا تعلق ہے ہمارا پروگرام وہی ہے جو ہم نے اپنے انتخابی منشور کی شکل میں عوام کے سامنے رکھ دیا تھا اگر آپ اپنے منشور کی پابندی اس بات کو سمجھتے ہیں کہ آپ نے عوام سے جو وعدے کئے تھے وہ اگلے الیکشن سے چھ ماہ پہلے پورے کر دیں تاکہ یہ کہہ سکیں کہ دیکھئے ہم نے جو کہا تھا وہ کر کے دکھا دیا۔ اس لئے اب کے بھی ووٹ ہمیں ہی دو تو یوں گزارا نہیں ہو گا۔ ہمارے دعوے فقط ووٹوں کے لئے نہیں تھے۔ ہمارا مقصد عوام کی صحیح خدمت کرنا تھا۔ اس لئے ہماری کوشش یہ ہونی چاہئے کہ ہم نے عوام سے اگلے ۵ سال کے لئے جو وعدے کئے تھے وہ ہمارے ایثار، خلوص محنت اور زور عمل سے ایک یا دو سال کے اندر اندر پورے ہو جائیں۔ اور اگلے تین چار سال میں ہم ان سے بھی بڑھ چڑھ کر تعمیری کام کر سکیں تاکہ جب اگلے الیکشن کی تیاری ہو رہی ہو اور ہم عوام کے پاس جائیں تو ان میں سے ہر ایک زبان پر یہ کلمات ہوں کہ "واقعی یہ لوگ ہمارے ووٹوں کے حقدار ہیں کیونکہ انہوں نے نہ صرف اپنے کئے ہوئے وعدے ہی پورے کئے بلکہ اپنے وعدوں سے بڑھ کر ہماری خدمت کی۔ اور ایسے بے لوث اور مخلصانہ عمل کا جذبہ جبھی پیدا ہو سکتا ہے کہ ہمارا کارکن خواہ وہ جیتا ہوا ایم ایل اے ہو یا ہارا ہوا امیدوار ہر مخالفت اور ہر رکاوٹ سے بے نیاز ہو کر زیادہ سے زیادہ خدمت خلق کرتا رہے۔ ہمارے ہاں تو ہار اور جیت کا کوئی امتیاز ہی نہیں۔ ہمارا تو ہر ہارا ہوا امیدوار بھی حزب اختلاف کے جیتے ہوئے امیدوار سے بہتر ہے اور ان کے جیتے ہوئے بھی ہمارے ہارے ہوئے امیدواروں کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے کیونکہ ان میں سے ہر ایک ہاری ہوئی پارٹی کا فرد ہے اور ہماری جماعت کا ہر فرد اس پارٹی کا رکن ہے جسے عوام نے اپنایا عوام ہی بر سر اقتدار لائے اس لئے جہاں مخالفوں کا نام شکست خوردہ افراد میں آتا ہے، آپ کا نام کامیاب اور بر سر اقتدار افراد کی فہرست میں آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ پر عوام کی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور عوام ہی نے آپ کو یہ اعزاز دیا ہے۔ آپ نے الیکشن میں جو منشور پیش کیا ہے عوام نے اس کا دل سے خیر مقدم کیا لہٰذا آپ اس منشور کو عملی جامہ پہنا کر عوام کی خدمت کی سعادت بھی حاصل کیجئے۔

ہماری ضروریات

اس وقت ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ریاست کے لوگوں کو کن کن چیزوں کی ضرورت ہے۔ ہمیں نہ تو

نعروں کی ضرورت ہے اور نہ زندہ باد سننے کا مجھے شوق ہے کہ میں جہاں گیا وہاں نعرے لگ گئے ہار پہنائے گئے اور میں نے تقریر کر کے آپ کو ہنسا دیا اور آپ نے مجھے خوش کر دیا اور یہ ساری روداد پروپیگنڈے کے لئے اخبارات میں چھپ گئی۔ ہمارے برسراقتدار آنے کا ہرگز یہ مقصد نہیں۔ ہمارے برسراقتدار آنے کا مقصد اپنے فرائض کا پورا پورا احساس کر کے پہلے سے زیادہ مصروف عمل ہو جانا ہے۔ سب سے پہلی اور اہم حقیقت ہمارے سامنے یہ ہے کہ اس (بہاول نگر) ضلع کو خطرہ ہے کہ دو سال کے اندر اندر یہ شاداب زمین ویران اور بنجر بنا کر برباد کر دی جائے گی۔ بھارت کے ارادوں سے آپ بھی واقف ہیں اور حزب اختلاف والے بھی۔ دریائے ستلج اور بیاس پر بند باندھ کر اس علاقے کو خشک کر دینے کی سکیمیں کچھ کم خوفناک نہیں ہیں۔ آپ کی حکومت کا کام یہ ہے کہ وہ ان خطروں سے آگاہ رہ کر ان کا علاج سوچے۔ اس کے علاوہ حکومت کے سامنے خوراک کی قلت کو دور کرنے مہاجرین کی مستقل بحالی ملازمین کی تنخواہوں میں اضافے اور عوام کا معیار زندگی بلند کرنے کے مسائل بھی ہیں۔ ہماری منزل مقصود یہ بھی ہے کہ تعلیم عام ہو، صحت عامہ بہتر ہو، زیادہ سے زیادہ سڑکیں تعمیر کی جائیں، صنعت و حرفت کو بڑھایا جائے اور زراعت اور تجارت کو ترقی دی جائے۔

لیکن ان تمام تعمیری کاموں کی طرف ہم پوری توجہ جب ہی دے سکتے ہیں کہ ہمارے عوام یکسوئی حاصل کر کے ہر کام میں حکومت کا ہاتھ بٹانے کے لئے مستعد رہیں اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ اپوزیشن کے جھمیلوں اور تخریبی حرکات سے عوام ہمیں آزاد کرا کے کام کرنے کی مہلت اور فرصت دیں، یعنی وہ اپوزیشن کی تخریبی سرگرمیوں کا مقابلہ ڈٹ کر کریں اور اپنی حکومت کو تعمیری پروگرام پورے کرنے کے مواقع بہم پہنچائیں۔

ملاقاتیں

اس موقع پر میں آپ سے ملاقاتوں کے موضوع پر بھی کچھ کہنا چاہتا ہوں اگر آپ ہمارا زیادہ تر وقت ملاقاتوں میں ہی ضائع کر دیں تو اس کا فائدہ کچھ نہ ہو گا۔ میں ایک ایسی مشینری قائم کر رہا ہوں کہ آپ اس سے کافی کام لے سکیں گے۔ میں آپ کو ایک اور وزیر دے رہا ہوں جو صرف جماعت کا کام کرے گا۔ وہ آپ کے پیش کردہ مسائل کی طرف پوری توجہ کرے گا۔ اس کے علاوہ چیف پارلیمنٹری سیکرٹری اور دوسرے پارلیمنٹری سیکرٹریوں کا بھی یہ کام ہو گا کہ وہ آپ کی باتیں سنیں اور ضروری مسائل ہمارے سامنے رکھیں اور ہم پوری توجہ اور فراغت سے آپ کے ان مسائل کو باحسن وجوہ حل کر سکیں مجھے ملاقاتوں ہی پر اپنی تمام ذمہ داریاں ختم نہیں تصور کرنی مجھے اور بھی اہم کام ہیں۔

مجھے اگر کراچی بھی جانا ہوتا ہے تو آپ ہی کے بہت سے کام نکالنے ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر مرکز سے یو این او کے اہم ادارے ایف۔اے۔او (فوڈ اینڈ ایگریکلچرل آرگنائزیشن خوراک اور زراعت کا ادارہ) کے چیف مسٹر بلوئٹ کو کھینچ کر بہاولپور لے آیا ہوں جو اب میرے ساتھ یہاں آئے ہوئے ہیں اور

طول و عرض ریاست کا دورہ کر رہے ہیں۔ وہ ایف اے او کے چیف ہیں اور انہیں ایک سال تک پاکستان کا دورہ کرنا ہے۔ وہ پہلے بڑے صوبوں میں جا سکتے تھے اور ریاست بہاولپور کو چھوٹا علاقہ سمجھ کر آخر میں یہاں آتے لیکن آپ کی بہتری کے لئے میں انہیں پہلے یہاں کھینچ لایا ہوں۔ مجھے ایسے کاموں کے لئے فرصت اور فراغت کی ضرورت ہے لیکن آپ ہمارا وقت ملاقاتوں پر صرف کرا دیں تو ایسے کام کس وقت کئے جائیں گے؟

فرصت اور فراغت

آپ کے علاقے میں ٹیوب ویل سکیم ہے۔ لیکن ٹیوب ویل مہنگے پڑتے ہیں۔ ایسے کاموں کے لئے فراغت اور روپے کی ضرورت ہے روپیہ مجھے مل سکتا ہے میں مشینری بھی حاصل کر سکتا ہوں لیکن فراغت نہیں ملتی کیونکہ فراغت اور وقت میرے بس کی بات نہیں ہے۔ مجھے بہاولپور میں روزانہ اوسطاً کم سے کم ۱۳۵ ملاقاتیوں سے ملنا پڑتا ہے اور جب میں کسی ضروری کام کے لئے کراچی جاتا ہوں تو ملاقاتی بھی اسی ٹرین میں سوار ہو لیتے ہیں اگر آپ لوگ اس طرح میرا سارا دن ملاقاتوں کی نذر کر دیں گے تو پھر آپ یہ پوچھنے کا حق کیسے استعمال کر سکیں گے کہ فلاں کام ہوا یا نہیں اور اگر نہیں ہوا تو اس کی وجہ کیا ہے۔ پروگرام تو یہ ہونا چاہئے کہ عوام کی ضروریات اور مسائل ان کے منتخب کردہ نمائندے معلوم کریں۔ وہ یہ پارلیمنٹری سیکرٹریوں کے سامنے رکھیں سیکرٹری تمام امور وزراء کے سامنے پیش کریں اور اگر اس کے بعد بھی کچھ نہ ہو پھر آپ بے شک میرے پاس یا میرے رفقاء کے پاس آئیں۔ میں ہر وقت آپ کی جائز شکایات سننے کے لئے تیار ہوں۔ میں قانونی تکلفات کا اتنا قائل نہیں ہوں بلکہ میں تو ہر ایسے قانون کا قائل ہوں جو لوگوں کے لئے انصاف اور دادرسی کے راستے میں روڑا ثابت ہو رہا ہو۔ میں ہر اس قانون کو توڑ دوں گا جو عوام کی فلاح و بہبود کے کاموں کی رفتار کو سست کر دے اِس لئے میں طویل دفتری کارروائیوں کے بھی خلاف ہوں اور میرا مقصد صرف یہ ہے کہ یہ کام طریقے سے ہو۔ ضبط و نظم سے ہو اور اِدھر اُدھر فضول ضائع نہ ہو۔

صلائے عام

اس لئے میں اپوزیشن سے بار بار یہ کہتا ہوں کہ اگر اسے عوام کے مستقبل کی اصلاح و تعمیر سے ہمدردی ہے تو وہ ہمیں کام کرنے کا موقع دے اور انتشار پیدا کر کے ترقی کی رفتار کو نہ روکے۔ وہ اگر ہمارے طریقوں سے بہتر طریقہ اور بہتر پروگرام پیش کرتی تو ہم اسے یقیناً قبول کر لیتے لیکن شکوہ تو یہ ہے کہ اس کے پاس نہ کوئی پروگرام ہے اور نہ وہ پیش کرے گی۔ اس پر تو صرف اس خیال کا بھوت سوار ہے کہ عوام کی قائم کی ہوئی موجودہ ذمہ دار حکومت کا تختہ الٹا دیا جائے۔ یہ اب عوام ہی کو سوچنا ہے کہ وہ کس کا ساتھ دیں۔ آیا ان کا ساتھ دیں جو انتشار، ہراس اور مایوسی پیدا کر کے تعمیری کاموں کے راستے کا روڑا

بن رہے ہیں۔

نئی حکومت کے معنی؟

آپ کے فرائض سے متعلق میں آپ سے پھر یہ پوچھتا ہوں کہ عوام کو نئی حکومت بننے سے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ بے شک ایک انگریز وزیر اعظم گیا اور اس کی جگہ عوام کا منتخب کیا ہوا حسن محمود وزیر اعظم آ گیا۔ گارڈ وہی ہے جو پہلے تھی۔ پولیس وہی ہے وہی استقبال اور وہی ہار ہیں۔ وہی عدالتیں ہیں وہی اہلکار ہیں اور وہی افسر ہیں۔ مگر اس سے عوام کو کیا فائدہ ہوا؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ نظام حکومت جب ہی بدل سکتا ہے کہ عوام کو وہ شکایتیں نہ رہ جائیں جو کسی انگریز وزیر اعظم کے عہد میں تھیں۔ ذمہ دار حکومت کے نام کا اصلی مقصد یہ ہے کہ اس حکومت کے ذریعہ عوام اپنی تقدیر آپ سدھار سکیں۔ وہ کسی غیر کے رحم وکرم کی بجائے اپنی تقدیروں کے آپ مالک ہوں وہ تمام ایسی برائیاں دور کر سکیں جو اپنی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے ان کی ترقی اور بہتری کے راستوں میں حائل تھیں اور ہمیں آج کے بدلے ہوئے نظام حکومت سے یہی اچھے نتیجے حاصل کرنے ہیں۔ ہم اس وقت یہ سمجھیں گے کہ اب ہماری اپنی حکومت ہے جب ہمارے ہاں جرائم میں ۸۰ فیصد کمی ہو گئی ہے جب اغواء کی وارداتیں اسی فیصد دور ہو گئیں اور رفتہ رفتہ کلیتہً ختم ہو گئیں۔ جب بہو بیٹیوں کی عزت و آبرو ہر طرح سے محفوظ ہے۔ جب رشوت اور کنبہ پروری کا قلع قمع ہو گیا جب خوراک کی قلت دور ہو گئی۔ جب انصاف مانگنے والوں کو زیادہ سے زیادہ انصاف کم سے کم قیمت پر اور کم سے کم وقت میں ملنے لگا۔ یہ سب کچھ ہو گیا تو اس کے بعد ہی لوگ کہہ سکیں گے کہ یہ اچھی حکومت ہے۔

تین دشمنوں سے جنگ کا اعلان

حضرات! میں نے تہیہ کر لیا ہے کہ میں رشوت کی لعنت کو ایک سال کے اندر ختم کرا دوں گا۔ اور میں ڈنکے کی چوٹ پہ اعلان کرتا ہوں کہ زبردستی اغواء کرنے والوں یا انتقامی کارروائیوں میں دوسرے فریق کی بہو بیٹیاں اٹھا لے جانے والوں کے ساتھ میری جنگ ہے۔ اپنی بیٹیوں کی عزت سے بڑھ کر کسی کو اور کوئی شے عزیز نہیں ہوا کرتی۔ دوسروں کی بہو بیٹیوں کی عزت میری عزت ہے اور ریاست بہاولپور میں اسی عزت سے کھیلنے والے میری عزت اور حمیت سے کھیلنے کی جرات کریں گے۔

میں تیسرا اعلان یہ کرنا چاہتا ہوں کہ جو ذیلدار، نمبردار یا دوسرے با اثر اور صاحب اقتدار لوگ چوروں کو رکھتے ہیں یا چوریاں کراتے ہیں ان کے ساتھ بھی میری کھلی اور فیصلہ کن جنگ شروع ہو چکی ہے اور تینوں لعنتوں کا مجھے ایک سال کے اندر اندر قلع قمع کرنا ہے۔

اس دعوے کو سن کر یہ مت خیال کیجئے کہ یہ ناممکن العمل ہے۔ میں ابھی ابھی آپ کو بتائے دیتا ہوں کہ میں رشوت، چوری اور اغواء اور اس قسم کی لعنتوں کا خاتمہ کس طرح کرنے والا ہوں تاکہ وہ لوگ

ہوشیار ہو جائیں اور ابھی سے اپنے بھلے برے کو سوچ لیں جوان سماجی جرائم کے مرتکب ہوتے اور اپنے اثر و رسوخ یا ثروت کو اپنے بچاؤ کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

انسداد رشوت

پہلا مسئلہ انسداد رشوت کا ہے میں خوب جانتا ہوں کہ کون دیانت دار ہے اور کون رشوت لیتا ہے۔ میں ایسے دوستوں کو بھی جانتا ہوں کہ جو دونوں ہاتھوں سے پبلک کو لوٹ رہے ہیں۔

میں یہ کر رہا ہوں کہ میں نے ایک اسپیشل ادارہ قائم کیا ہے جس کا پولیس کو بھی علم نہیں ہے۔ یہ ایک ایسی تحقیقاتی ایجنسی ہے جس میں کسی پولیس انسپکٹر کے ذمے دوسرے پولیس انسپکٹر کی شکایت کرنے کا تلخ فریضہ نہیں ہو گا۔ جس کی موجودگی میں یہ نہیں ہو گا کہ انسداد رشوت ستانی کے محکمے کے کسی افسر کو سول پولیس میں منتقل کر دیا جائے تاکہ وہ انتقام کا شکار ہو کر رگڑ سے کھانے لگے۔ یہ ایسا ادارہ قائم کیا گیا ہے جو ہر گڑ سے آزاد ہو گا اور اپنا کام بے خوف و خطر رہ کر کرتا چلا جائے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ ریاست میں کم سے کم پولیس رہ جائے۔ جرائم اس قدر کم ہو جائیں کہ آدھا پولیس سٹاف زرعی ترقی اور صنعتی ارتقاء کے کاموں میں کھپایا جا سکے۔ میں جرائم کے قطعی تدارک کے لئے مروّجہ اصولوں میں انقلاب لانا چاہتا ہوں۔ حضرت عمرؓ کے عہد کا واقعہ ہے کہ ایک شخص چوری کے الزام میں حاضر کیا گیا جرم ثابت ہونے کے بعد اسلامی شرع کی تعزیر کے تحت حکم دیا گیا کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ عین اس وقت جب اس کا ہاتھ کاٹنے کے لئے تلوار اٹھی حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ کیا اس شخص کی روزی کا بندوبست بیت المال کی طرف سے تھا؟ اگر یہ بیکار تھا اور بیت المال کی طرف سے بھی کوئی وسیلہ نہ تھا تو یہ اس سزا کا مستحق نہیں ہے۔ میں نے سب سے پہلا کام یہ کیا ہے کہ سرکاری ملازمین کی تنخواہوں میں اضافہ کر دیا جائے چنانچہ نان گزٹیڈ سٹاف کی تنخواہیں باقی صوبوں کے برابر کر دی گئی ہیں اور بہت جلد باقی گزیٹڈ عملے کی تنخواہیں بھی بڑھادی جائیں گی اور پھر میں ان پر سوار ہو جاؤں گا کہ وہ کیوں رشوت لیتے اور اپنے فرائض سے غفلت کرتے ہیں۔ مگر یاد رہے کہ میں پکڑوں گا بڑے بڑے افسروں کو۔ چھوٹے چھوٹے ملازمین کیا رشوت لیتے ہیں۔ سپاہی یا پٹواری دو چار پانچ سے زیادہ کیا حاصل کر سکتا ہے۔ مجھے اس دن خوشی ہو گی جب کسی دفتر کا بڑا افسر ایک صبح اچانک اپنے دفتر سے غائب پایا گیا اور آپ نے سنا کہ وہ رشوت کے جرم میں جیل میں بند کر دیا گیا ہے۔ میری اس وارننگ کو نوٹس سمجھا جائے میں چند ہفتوں کے لئے ملک سے باہر جا رہا ہوں۔ واپس آکر ان فہرستوں میں مندرج افسروں کے خلاف سخت سے سخت کارروائی شروع کر دوں گا جو فہرستیں میرا خاص ادارہ تیار کر کے میری میز پر رکھ چکا ہو گا

چوریوں کا انسداد

"چوریاں"! ان جرائم کے مرتکب کچھ اپنی برادری کے افراد بھی ہیں۔ معاف فرمایئے گا۔ میں

اس صاف بیانی اور بے باکی سے اس لئے کام لے رہا ہوں کہ یہ میری اپنی جماعت ہے اور مجھے اپنوں کو دھوکہ میں نہیں رکھنا۔ ہمیں اپنے نقائص تسلیم کرنے ہوں گے اور اپنے آپ کو ہرگز ہرگز فریب نہیں دینا چاہئے۔ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ صرف دس یا بیس فیصد ایسی مخلوق ہوتی ہے جو فطرتاً جرائم پیشہ نکلتی ہے ورنہ باقی ۸۰ فیصد جرم محض ماحول، حالات اور سوسائٹی کی خامی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان کا انسداد بھی ہمارے بس کی بات ہے۔

میں چوری کا قلع قمع کرنے کی تجویز بھی طے کر چکا ہوں۔ میں نے ہیڈ سلیمانکی اور منچن آباد سے لیکر صادق آباد اور ریتی تک بد معاشوں اور عادی چوروں کی فہرستیں تیار کرنے کا حکم دے دیا ہے۔ یاد رکھئے کہ ایسے سماج دشمنوں کے علاج کے لئے میرے پاس قانون اور عدالتوں کے کھپچروں کی بجائے ایک نہایت زود اثر پنسلین بھی موجود ہے جسے سیکورٹی ایکٹ کہا جاتا ہے۔ میں اس پنسلین کا ٹیکہ لگا کر ایک ہی رات میں دو چار سو بد معاشوں کو جیل میں بند کر سکتا ہوں تاکہ یہ دیکھ سکوں کہ ان کی قید لوگوں کو کس حد تک فائدہ پہنچا سکتی ہے۔ یاد رہے کہ جب استاد غائب ہو جائے تو شاگرد بھی خود بخود پھنس جاتے ہیں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ قید میں کیا ہوتا ہے۔ بعض مجرم قید میں رہ کر دوسرے پرانے اور عادی مجرموں سے نئے نئے سبق سیکھ کر پہلے سے زیادہ خطرناک مجرم بن جاتے ہیں اور میں اس کے بارے میں علاج سوچ رہا ہوں مگر اس کے لئے بھی مجھے عوام کے مخلصانہ تعاون کی سخت ضرورت ہے۔ آپ کو سیاسی جیت کی وجہ سے دوسروں پر برتری کا درجہ حاصل ہو چکا ہے۔ اب آپ کا فرض ہے کہ آپ حقدار کی حق رسی کریں اور مجھے بھی اس فریضہ کی ادائیگی میں مدد دیں۔ اگر آپ حقدار کے ساتھ انصاف نہیں کریں گے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ میں ان حضرات سے وہ اختیار چھین لوں جو انہیں حق و انصاف کے لئے تفویض کئے گئے ہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ اگر آپ صاحب ثروت اور صاحب اثر ہوتے ہوئے لوگوں سے اچھا سلوک کریں گے اور اپنے اقتدار کا غلط استعمال نہیں کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کے رزق، عزت اور مرتبے میں زیادہ برکت دے گا۔

اغوا کا قلع قمع

"اغواء" غریب اور نادار کا صرف ایک ہی مطالبہ ہوتا ہے اور وہ یہ کہ اس کی بہو بیٹی کی عزت محفوظ رہے اور وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ "میری روزی اور میرے رزق سے کچھ نہ چھینو اور مجھ پر بے جا ظلم اور تشدد نہ کرو"۔

جہاں تک اغواء کی وارداتوں کا تعلق ہے کچھ تو اس میں ہمارے نوجوان بچوں کی غلط اور بگڑی ہوئی خواہشات کا قصور ہے اور کچھ ان خوشامدیوں اور مصاحبوں کا جن سے وہ ایسی بد اعمالیاں سیکھتے ہیں اور وہ اس لئے سکھاتے ہیں کہ ان کے نوجوان آقا ان سے خوش رہیں۔ اس مرض کے لئے دفعہ ۴۹۸ کے نسخے

کامیاب نہیں ہو سکتے اس مرض کے لئے بھی وہی پنسلین کا ٹیکہ ہی کامیاب ہو گا۔ آپ مجھے بتادیں کہ فلاں نے اپنے گھر میں فلاں کی بہو بیٹی جبراً ڈال رکھی ہے اور خدا کی قسم میں اس کے گھر کو جلا دینے کے لئے تیار رہوں گا۔

جہاں تک رشوت کے انسداد کا تعلق ہے میں آپ کا تار موصول ہوتے ہی عین موقع پر پہنچنے کے لئے تیار ہوں۔ مجھے چپ چاپ مطلع کر دیجئے کہ "فلاں افسر کو فلاں موقع پر رشوت پیش کر رہا ہوں آکر دیکھ لیجئے" اور پھر آپ دیکھیں گے کہ اس کا کیا حشر ہوتا ہے۔ عدالتوں اور دفتروں میں افسروں کی جیب سے نوٹوں کے بنڈل بر آمد ہوں تو وہ کبھی بھی بچ کر نہیں نکل سکتے۔

افسر اور ان کی آمدنی

میرے اختیارات خصوصی مجھے بہت وسیع قدم اٹھانے کا موقع دے سکتے ہیں بشرطیکہ آپ کا پورا پورا تعاون ہو ان تمام خرابیوں کا سدباب آپ کے اور عوام کے تعاون سے ہو سکتا ہے۔ مجھے یہ اختیار ہے کہ میں افسروں سے حساب کتاب مانگوں آپ بھی ایسا کر سکتے ہیں۔ لیکن جو افسر آپ کو بد دیانت نظر آئے اور حساب دینے سے انکار کرے آپ معاملہ آگے پہنچا سکتے ہیں۔ میں یہ حساب لگا سکتا ہوں کہ فلاں افسر نے ۱۰ سال سے کتنی تنخواہ لی۔ نوکری سے پہلے اس کی جائیداد اور دولت کتنی تھی۔ اس کے گھریلو اخراجات کتنے ہیں اور وہ کس قدر جائیداد پیدا کر سکتا یا دولت جمع کر سکتا تھا۔ ایسے کیس بھی ملیں گے کہ ایک بیوہ نے انتقال کی درخواست کی ہے فیصلہ اس قدر طول کھینچ جاتا ہے کہ وہ مایوس ہونے لگتی ہے اور آخر فیصلہ اس پر ہوتا ہے کہ وہ آدمی جائیداد افسر کے نام لکھ دے اور باقی اس کے کسی نمائندے یا رشتہ دار کے نام منتقل کر دے اور باقی اس کے نام ہو جاتا ہے۔ مجھے اپنے عہد میں اگر ایسے حقدار یتیم مل گئے جن کے ماں باپ کی جائیدادیں اس طرح غصب کی گئی ہوں تو میں یہ چھینی ہوئی جائیدادیں ضبط کر کے ان میں بانٹ دوں گا اور اگر اصلی وارث اور حقدار نہ ملے تو ایسی جائیدادیں بیت المال کے حوالے ہوں گی تاکہ محتاجوں، اپاہجوں اور لاوارثوں کے کام آسکیں لیکن یہ باتیں جب ہی پوری ہوں گی جب آپ مکمل تعاون کریں گے۔ یہ سب کام جماعت کے ساتھ وابستگی ہی سے انجام پا سکتے ہیں۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ آپ صرف مجھ کو ان کاموں کا کرتا دھرتا سمجھتے رہیں۔ یہ جذبہ انفرادی نہیں بلکہ جماعتی ہونا چاہئے۔ افراد ختم ہو سکتے ہیں لیکن جماعتیں ختم نہیں ہو سکتیں اور نہ جماعتی جذبہ ختم ہوا کرتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ کا جماعتی جذبہ بھی ختم نہ ہو اور عمل بھی ختم نہ ہو۔ اگر حسن محمود چلا بھی جائے تو یہ جذبہ اور عمل ضرور باقی رہے۔

ناجائز اور رعایت سے احتراز

آپ کا ایک فرض یہ ہے کہ آپ جھوٹ اور غلط بیانی سے کام نہ لیں۔ اگر آپ واقعی یہ کام

کرتے ہیں تو ناجائز اور رعایت چھوڑ دیں ذاتی اغراض کو خیرباد کہہ ڈالیں۔ لیگوں کو مضبوط بنائیں اور عوام سے رابطے پیدا کر کے دوست اور دشمن کے حقوق کی یکساں نگہبانی کریں۔ حزب اختلاف کو آخری اور اصلی شکست اس وقت ہو گی جب آپ عوام کے دلوں پر چھا گئے۔ پھر کوئی سہروردی ہو یا کوئی اور وہ آپ میں انتشار اور تخریب پیدا کرنے کے لئے کسی علاقے میں آنے کی جرات نہیں کرے گا۔ آپ مجھ میں نقائص دیکھیں تو بے دھڑک ٹوک دیں۔ مجھ سے آکر صاف صاف کہہ دیں کہ میں غلطی پر ہوں۔ میں کوئی فرشتہ ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا انسان بار بار غلطیاں کر کے ہی سیکھتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تذبذب میں نہ پڑے رہو۔ قدم اٹھاؤ دس دفعہ غلط اٹھاؤ گے تو سو دفعہ صحیح بھی پڑے گا مگر جو قومیں قدم ہی اٹھانا نہیں جانتیں انہیں نہ کوئی دوست تسلیم کرتا ہے نہ دشمن قوت فیصلہ ہی پیغام عمل ثابت ہوتی ہے اور خدا کا فضل ہے کہ مجھ میں فیصلہ کر سکنے کی جرات ہے۔

ناجائز توقعات نہ کرو!

آخر میں میں آپ سے ایک اور اپیل کرنا چاہتا ہوں میرے بعض احباب میرے اختیارات اور اقتدار سے فائدہ چاہتے ہیں مگر مجھ سے یہ توقع نہ رکھنی چاہئے میں حق وانصاف کا قائل ہوں۔ اقرباء پروری میرے اصول میں نہیں ہے میرا عقیدہ ہے کہ جو کچھ دیتا ہے خدا دیتا ہے۔ انسان انسان کو کچھ نہیں دے سکتا۔ آپ اگر کل کو یہ کہیں کہ میرے قلم نے غلطی کی ہے تو پھر آپ یہ الزام خدائی بانٹ پر لگا رہے ہوں گے۔ اس لئے کہ رازق اللہ تعالیٰ ہے۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے کہ میں تیری ذات پر بھروسہ کرتا ہوں اور تیرے بھروسہ پر ہی میرا قلم بھی چلے۔ اس لئے میں حتی المقدور انصاف سے کام لوں گا۔ مجھ سے ناجائز اور ناحق فائدوں کی توقع نہ رکھی جائے۔

قوموں کے کیریکٹر اس وقت ہی پرکھے جاتے ہیں جب کوئی خاصی امید میسر نہ آئے یا کوئی مطلوبہ چیز میسر نہ آئے اور وہ پھر بھی جماعت سے وابستہ رہیں۔

مجھے جو کچھ کہنا تھا میں نے آپ کو اس امید سے کہہ دیا ہے کہ آپ جماعت کے مخلص کارکنوں اور ملک وملت کے حقیقی بہی خواہوں کی طرح ٹھنڈے دل سے اس پر غور کریں گے اور نوع انسان کی تعمیر اور ترقی کے آئندہ پروگراموں میں منہمک ہو جائیں گے۔ ”

توشہ خانہ کامعاملہ

۱۹۵۲ء کے دوران ایک عجیب وغریب واقعہ پیش آیا۔ بہاولپور کاتوشہ خانہ بطور ایک محکمے کے اعلان جمہوریت کے بعد عوامی وزراء کو منتقل ہو گیا تھالیکن نواب صاحب اور ان کے باڈی گارڈز یہ سمجھتے تھے کہ جس طرح پہلے یہ محکمہ نواب صاحب کے کنٹرول میں تھااب بھی ان کی تحویل میں ہے۔ چنانچہ انہوں نے توشہ خانہ سے ایک عمدہ قسم کا قالین ڈیرہ نواب میں منگوالیااور باقی توشہ خانہ پر اپنے باڈی گارڈ کو مقرر کر دیا۔ یہاں تک کہ توشہ خانہ کے سپرنٹنڈنٹ کواس کے معترض ہونے پر اسے پکڑ کر ڈیرہ نواب میں لے جا کر بند کر دیا۔

میں اس وقت دورے پر تھاجب واپس آیااور اس واقعے کا مجھے علم ہواتو میں نے مشیر اعلیٰ سے رابطہ قائم کیالیکن انہیں بھی اس کا کوئی علم نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے فوری طور پر اپنی کابینہ کااجلاس طلب کیااور ان کے سامنے ساری صورت حال رکھی۔ اصل میں یہ نہ صرف جارحانہ اقدام تھابلکہ ہمارے اختیارات کو ایک طرح کاچیلنج بھی تھا۔ جو محکمے ہمیں سپرد ہو چکے تھے انمیں کسی قسم کا دخل ہماری مرضی اور منظوری کے بغیر نہیں ہو سکتاتھا۔ توشہ خانہ جوایک محکمے کے طور پر قائم تھااس میں ہماری منظوری کے بغیر مداخلت قانون کے خلاف تھی۔ میں نے کابینہ کو بتایا کہ اگر مداخلت کا یہ سلسلہ جاری رہاتو ہمارا آزادانہ طور پر کام کرنا مشکل ہو جائے گا۔ چنانچہ میرے ساتھ تمام وزراء نے بطور احتجاج استعفےٰ دے دیئے۔

اس واقعے کی خبر اخبارات میں شائع ہوئی تو مسلم لیگی حلقوں میں خاصی تشویش پیدا ہوئی اور بعض مسلم لیگی عہدیداران مثلاً چودھری صلاح الدین جنرل سیکرٹری پاکستان مسلم لیگ نے خطوں کے ذریعہ اپنی تشویش اور حیرت کااظہار کیااور مسلم لیگ کی تمام ہمدردیاں اس معاملے کو خوش اسلوبی سے طے کرنے کیلئے مجھے پیش کیں۔

کئی دن تک خاصی گہما گہمی رہی۔ انہیں دنوں ہماری اپوزیشن کاایک کنونشن بہاولپور میں ہونا تھا۔ ہمیں خطرہ تھا کہ اس ناخوشگوار واقعے کو اپوزیشن والے ہمارے خلاف استعمال کریں گے اور یہ تاثر دیں گے کہ اعلیٰ حضرت ہمارے خلاف ہیں۔ اسی وجہ سے انہوں نے ہمارے محکموں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا ہے۔

بہرحال ہم نے نہ صرف مشیر اعلیٰ سے رابطہ رکھابلکہ اعلیٰ حضرت سے بھی ملاقات کی اور انہیں ان کے باڈی گارڈز کی زیادتی کاحال بتایا۔ نواب صاحب کو نہ صرف اپنی غلطی کااحساس ہوابلکہ اپنے باڈی گارڈز کی زیادتیوں پر بھی افسوس ہوا۔ اس طرح یہ معاملہ نہ جانے کہاں تک جاتاافہام وتفہیم سے ختم ہو گیا اور میرے ساتھ باقی تمام وزراء نے بھی حسب معمول اپنی ذمہ داریاں پوری کرنی شروع کر دیں۔

نیا سیاسی موڑ۔ رفیق کار بھی مخالف ہو گئے

وزارت اعلیٰ کے منصب پر فائز ہونے کے بعد میری انتہائی کوشش یہی تھی کہ بہاولپور مسلم لیگ کے منشور کو بروئے عمل لایا جائے اور بہاولپور کو ایک ترقی یافتہ اور فلاحی ریاست میں تبدیل کر دیا جائے۔ اب تک یہاں کی حکومت میں ڈیارکی سسٹم رائج تھا۔ عوامی وزراء کو سرکاری وزراء کے ساتھ مل کر کام کرنا پڑتا تھا اور بعض امور کی انجام دہی میں کافی حد تک ان پر انحصار کرنا پڑتا تھا۔ بعض اوقات سرکاری موانع ہمارے ارمانوں کے راستے میں بھی حائل ہوتے تھے. اور ہم اپنی خواہشات کو عملی جامہ پہنانے سے بھی قاصر ہوتے تھے۔ تاہم اس دو عملی نظام کے تحت جو کچھ ہم کر سکے وہ لوگوں کی توقع سے کہیں زیادہ تھا۔
لیکن اب جبکہ مکمل ذمہ دارانہ نظام حکومت نافذ ہو چکا تھا اور جمہوری معنوں میں ہم کافی حد تک آزاد و خود مختار تھے ہمیں اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرنے کا پورا پورا موقع حاصل تھا۔ ہم چاہتے تھے کہ آن کی آن میں ریاست کی کایا پلٹ جائے اور ریاست کی ترقی ہر دیکھنے والے کو حیران کر دے۔

اس مہتم بالشان کام کے لئے جہاں تک ہماری دماغی صلاحیتوں اور دلی تمناؤں کا تعلق تھا وہ تو اپنی جگہ تھیں لیکن یہ بھی حقیقت تھی کہ کوئی کتنا ہی باہمت، مستعد اور باصلاحیت ہو وہ تن تنہا کچھ نہیں کر سکتا۔ اسے اپنے رفقاء بالخصوص ارکان کابینہ کے تعاون کی قدم قدم پر ضرورت پڑتی ہے۔ جماعت جس کی وہ نمائندگی کرتا ہے اس کی تائید و حمایت اس کی حوصلہ افزائی کرتی ہے جو اس کے ذوق کار میں اضافے کا موجب ہوتا ہے۔ لیکن اگر بدقسمتی سے وہ ان چیزوں سے محروم ہو تو نہ اس کی صلاحیت کوئی فائدہ پہنچا سکتی ہے اور نہ اس کے منصوبے پروان چڑھ سکتے ہیں۔
جماعت کی حد تک تو میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ مجھے اس کی ہمیشہ بھرپور حمایت حاصل رہی جس کی وجہ سے کسی مرحلے پر بھی شکستہ پائی کا مجھے احساس نہیں ہوا۔ لیکن افسوس رفقائے کار کے معاملے میں خوش نصیبی میرے حصے میں نہیں آئی۔ خاص طور پر ریاست کی ان نازک اور اہم گھڑیوں میں جبکہ ہمیں ریاست کے مستقبل کو تابندہ بنانے کے لئے بڑی یکجہتی و یک دلی سے کام کرنے کی ضرورت تھی مجھے اپنے بعض رفقائے کار کی طرف سے ایسی رکاوٹیں پیش آئیں جن کی وجہ سے ریاست کی ترقی کے بہت سے منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ گو اس مخالفت یا عدم تعاون کا میری ذات کو کوئی خاص نقصان نہیں پہنچا۔ لیکن حقیقت میں اس کی وجہ سے ریاستی عوام جن فوائد سے محروم رہے میں اسے بھی اپنا ذاتی ہی نقصان تصور کرتا ہوں۔ بہرحال اس کی تفصیل آگے چل کر بیان کروں گا۔ جہاں تک ریاست کی ترقی اور ریاستی عوام کی بہبود کا تعلق تھا اس سے ایک دن بھی غفلت نہیں برتی گئی اور جب تک ریاست کا اقتدار مسلم لیگ کے پاس رہا میں ہمہ تن مسلم لیگی منشور کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرتا رہا۔ چنانچہ وزارت

اعلیٰ کا عہدہ سنبھالنے کے بعد ریاست میں جن ترقیاتی سرگرمیوں کا آغاز ہوا اس کا اجمالی ذکر یہاں کرتا ہوں۔

ترقیاتی سرگرمیوں کا اجمالی تذکرہ

چونکہ کسی حکومت کی کامیابی کا انحصار کافی حد تک اس مشینری پر ہوتا ہے جو منصوبوں اور پروگراموں پر عمل کرتی ہے اس لئے جہاں اس کا اہل ' دیانت دار اور فرض شناس ہونا ضروری ہوتا ہے وہاں اس بات کی بھی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ ہر طرح سے مطمئن ہو اور جائز مراعات و سہولیات اسے حاصل ہوں۔ چنانچہ میں نے انہیں متنبہ کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی یقین دلایا تھا کہ ان کی شرائط ملازمت بہتر بنائی جائیں گی اور ان کی تنخواہوں میں معقول حد تک اضافہ کیا جائے گا۔ خالی آسامیوں پر تقرری کے لئے ریاست میں کوئی خاص ضابطہ اب تک مقرر نہ تھا۔ میں نے پہلی مرتبہ اس سلسلے میں پبلک سروس کمیشن قائم کیا تاکہ اہل اور موزوں لوگوں کا ملازمتوں کے لئے انتخاب کیا جا سکے۔ پبلک سروس کمیشن کے چیئرمین کے لئے میری نظر بہاولپور ہائیکورٹ کے چیف جسٹس خان بہادر عبدالعزیز پر تھی جو اپنے عہدے سے حال ہی میں ریٹائر ہوئے تھے۔ یہاں اس کا اظہار بے محل نہ ہوگا کہ یہ میرے وزیر اعلیٰ بننے سے پہلے میری جائداد کا ایک مقدمہ انہیں خان بہادر عبدالعزیز کی عدالت میں پیش ہوا تھا تو انہوں نے شواہد و واقعات کی روشنی میں اس کا فیصلہ میرے خلاف کیا تھا۔ اس فیصلے سے میں ناخوش نہ تھا بلکہ اس کا اتنا خوشگوار اثر ہوا تھا اور خان بہادر کے وقار کے اتنے گہرے نقوش میرے دل پر پڑے تھے کہ میں نے پبلک سروس کمیشن کے چیئرمین کے لئے ان کا ہی انتخاب کیا۔

سرکاری ملازمین کی تطہیر

سرکاری ملازمین کو دیانت و فرض شناسی سے کام لینے کے لئے تو میں نے بارہا انہیں وارننگ دی تھی۔ لیکن پھر یہ محسوس کرتے ہوئے کہ ان کی تطہیر کے بغیر مشینری صحیح خطوط پر نہیں چل سکے گی میں نے ایسے ملازمین کی فہرست تیار کرائی جو مسلمہ طور پر بد دیانت ' کام چور اور نا اہل تھے۔ میں نے اس فہرست میں سے ۲۱ افسران کو چن کر انہیں جبری ریٹائر کرنے اور کچھ کو معطل کرنے کے احکام جاری کر دیئے۔ لیکن ان ریٹائر اور معطل کئے جانے والے افسروں کو یہ حق دیا گیا تھا کہ اگر وہ چاہیں تو سروس ٹربیونل میں اپیل کر سکتے ہیں۔

دریائے ستلج کے پانی کا مسئلہ

سرکاری مشینری کو کسنے کے ساتھ ساتھ ان کی تنخواہوں میں معقول اضافہ کیا گیا اور ان کے گریڈ پنجاب کے برابر کر دیئے گئے۔ اس کے بعد ریاست کے جو اہم مسائل تھے ان کی طرف توجہ دی گئی۔

اس وقت نہری پانی کے مسئلے کو سب پر فوقیت حاصل تھی کیونکہ ہماری معیشت کا دارومدار زراعت پر تھااور زراعت پانی کی محتاج تھی اس لئے مقامی طور پر ہم اس کمی کو پورا کرنے کی جو کوشش کر سکتے تھے کر رہے تھے لیکن قومی وبین الاقوامی سطح پر بھی اس مسئلے کو اٹھایا۔ ہندوستان نے دریائے ستلج کا رخ موڑ کر اس کے پانی سے ہمیں محروم کر دیا تھااور اس سلسلے میں پاکستان اور ہندوستان کے مابین جو معاہدہ طے پایا تھاہندوستان نے اس کی خلاف ورزی کی تھی۔ جس کی وجہ سے پاکستان بالعموم اور ریاست بہاولپور کو بالخصوص نا قابل تلافی نقصان پہنچا تھا۔ اس سلسلے میں پاکستان کا ایک پارلیمنٹری وفد کینیڈا گیا تھا جس میں مجھے بھی شامل کیا گیا تھا۔ میں نے وہاں بھی نہری پانی کی قلت اور ہندوستان کی ہٹ دھرمی کے خلاف آواز اٹھائی تھی۔ اس کے علاوہ واشنگٹن میں اس تنازعہ پر پاک بھارت جو مذاکرات ہوئے تھے اس میں شرکت کے لئے بطور خاص بہاولپور کے چیف انجینئر سید حسنین احمد شاہ کو بھجوایا۔

کینیڈا میں میری تقریر

کینیڈا میں کامن ویلتھ ایسوسی ایشن کا اجلاس تھا جس میں ہندوستان کے مندوبین بھی شرکت کر رہے تھے۔ جن میں دیگر حضرات کے علاوہ انڈیا کے ایوان عام کے سیکرٹری آئنگر اور دستور ساز اسمبلی کے قائد حزب اختلاف شری چندر اچٹو پا دھیا بھی تھے۔ جنھوں نے میری تقریر میں بڑے روڑے اٹکائے اور اعتراضات بھی کئے اس کے باوجود میں نے اپنا مافی الضمیر بیان کیا اور ہندوستان کی ہٹ دھرمی کے خلاف آواز اٹھائی۔ یہاں بھی کامن ویلتھ ایسوسی ایشن میں اپنی تقریر سے چھ اقتباسات اور ہندوستانی مندوبین کے اعتراضات اور ان کے جوابات پیش کرتا ہوں۔

میں نے ریاست بہاولپور کے وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے اپنی تقریر کا آغاز یوں کیا تھا۔

جناب صدر اور محترم خواتین و حضرات!

میں یہ سوچ رہا ہوں کہ میں یہ درخواست کروں کہ مجھے میرے احساسات کے اظہار کے لئے زیادہ وقت دیا جائے لیکن میں سمجھتا ہوں مقرر کے لئے جو وقت مقرر کر دیا گیا ہے اس کی پابندی رکھنی ضروری ہو گی اس لئے میں وقت کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنے جذبات کا اظہار کروں گا۔

بہر حال مجھے معلوم ہے کہ میں جس ایسوسی ایشن کے مذاکرات میں حصہ لے رہا ہوں اس میں اگر میں اپنے جذبات و احساسات کا صحیح اور مکمل اظہار نہ کر سکوں تو یہ بھی میری طرف سے اپنے فرائض میں کوتاہی ہو گی۔ بہر حال اس ایسوسی ایشن کی کامیابی کا انحصار کامن ویلتھ کے ممالک کی مجموعی یگانگت و اتحاد پر منحصر ہے۔ یہ انجمن کوئی الگ تھلگ تنظیم نہیں ہے۔ اس لئے اگر ہم اس انجمن کے ہاتھ مضبوط کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں کامن ویلتھ کے ممالک کے باہمی تعلقات کو خوشگوار بنانا بھی ضروری ہے۔

جناب والا! میرے خیال میں ہم بہت سے اہم معاملات میں جو ہمارے پیش نظر ہیں، قطع نظر کر

رہے ہیں بہت سے اور تنازعات جن کی وجہ سے کامن ویلتھ کو بذات خود خطرہ ہو سکتا ہے اور نتیجہ کے طور پر اس ایسوسی ایشن کو بھی وہ نظریاتی اختلافات نہیں جو جمہوریت سے متصادم ہیں۔ میری رائے یہ ہے کہ جہاں تک جمہوریت کا تعلق ہے تو وہ تمام ممالک جو جمہوریت کے علمبردار ہیں کمیونزم کا کامیابی سے مقابلہ نہیں کر سکتے۔ جب تک وہ اپنی سرگرمیوں کو اپنی سرحدوں کی قیود و حدود سے بلند و بالا کر کے اجتماعی مقابلہ نہ کریں۔ کمیونسٹ ہندوستان میں ہو یا جنوبی افریقہ میں یا کسی اور ملک میں وہ اپنے آپ کو اس ملک کا شہری نہیں کہتا۔ بلکہ اپنی سکونت سے ماورا اپنے آپ کو صرف کمیونسٹ کہتا ہے۔

مقابلہ جب اس قسم کے حریفوں سے ہو تو یہ دانش مندی نہ ہوگی کہ ہم اپنی جغرافیائی سرحدوں تک محدود رہیں اور اجتماعی جنگ جمہوریت کے تحفظ کے لئے کمیونزم کے خلاف نہ لڑیں۔ کمیونزم کا مقابلہ کرنے کے لئے جغرافیائی اور رنگ و نسل کی حدبندیوں کو بالائے طاق رکھنا ہوگا۔

کل میں نے یہ بات نوٹ کی تھی کہ بعض ممالک نے خود بھی کچھ حدود و قیود اپنے ملکوں میں لگا رکھی ہیں اور اسکے باوجود یہ ممالک یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اس ایسوسی ایشن کی رکنیت کے باوجود اپنی عائد کردہ قیود کو بھی قائم رکھ سکتے ہیں۔

جناب والا! میں پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ ان کی سوچ کا انداز صحیح نہیں ہے۔ میں پاکستان سے آیا ہوں اور یہ ہماری قومی خصوصیت ہے کہ جب ہم دوسروں سے ملتے ہیں یا کسی انجمن کی رکنیت اختیار کرتے ہیں تو ہم اس انجمن کے مفادات کو اپنے مخصوص ملکی مفادات پر ترجیح دینا ضروری سمجھتے ہیں میری رائے میں ایک مضبوط کامن ویلتھ کی جتنی ضرورت آج ہے اس سے پہلے کبھی نہ تھی۔ میرا عقیدہ ہے کہ ہماری فلاح اور تحفظ اس بات میں ہے کہ ہم کامن ویلتھ کو پہلے سے زیادہ مضبوط اور فعال بنادیں۔ میں پاکستان کے نقطہ نظر سے یہ بات کہہ دینا چاہتا ہوں کہ میں دولت مشترکہ کے رکن کی حیثیت سے ہر اس خطرے کی بے باکی اور بے خوفی سے نشاندہی کروں گا جو کامن ویلتھ کے وجود اور استحکام کو لاحق ہو۔

میری رائے میں ایک خاندان کے ارکان پر کسی قسم کی حدبندی لگانا اس خاندان کی یگانگت کے لئے نقصان دہ ہو سکتا ہے۔ اگر ایک خاندان میں پانچ بھائی ہوں اور ان کے درمیان کوئی تنازعہ ہو اور انکی ماں خاموش تماشائی بنی بیٹھی رہے اور اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے سے پہلو تہی کرے اور تنازعہ کا تصفیہ کروانے سے باز رہے تو میری رائے میں ایسے خاندان کو مضبوط خاندان نہیں کہا جا سکتا میری دانست میں ایک خاندان کے ارکان کی حیثیت سے ہمیں اپنی غلطیاں تسلیم کرنے سے گریز نہیں کرنا چاہئے۔ کوئی بھی شخص ہمیشہ ہر بات صحیح نہیں کر سکتا۔ ہم میں سے بھی بعض غلط راستے پر ہوں گے۔ لیکن ہم پر لازم ہے کہ ہم جمہوری اصول پر دیئے ہوئے مشوروں کو قبول کر لیں۔ پاکستان اپنی ہر غلطی کو درست کرنے کے لئے تیار ہے۔

ہماری خواہش ہے کہ کامن ویلتھ کے تمام ممالک اجتماعی حیثیت سے عمل کریں اور پاکستان کامن ویلتھ ممالک کے ایسے فیصلے کا خیر مقدم کرے گا۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ اجتماعی اشتراک عمل پر عائد کردہ حدود و قیود ہٹادی جائیں۔

میری رائے میں جب تک ہم بنیادی مسائل سے چشم پوشی کرنا نہ چھوڑیں گے اور جب تک ہم سطحی مسائل میں خود کو بتلا رکھیں گے ، اس وقت تک ہم کامن ویلتھ کو مضبوط کرنے میں اپنا کردار صحیح طور پر ادا نہ کر پائیں گے۔ میرے خیال میں میرے لئے یہ موقع مناسب ہے کہ میں اس اجلاس کے روبرو چند حقائق پیش کروں ۔ اگرچہ ایسا کرنے سے میری نیت کسی ملک پر تنقید و اعتراض کی نہیں ہے۔ لیکن اس کے ساتھ میں یہ عرض کروں گا کہ مذاکرات کرتے وقت ہمیں حقیقت پسندی کو نہ چھوڑنا چاہئے۔ مثال کے طور پر پاکستان اور ہندوستان دولت مشترکہ میں ریڑھ کی ہڈی جیسی اہمیت رکھتے ہیں۔ ۔

ایک طرف ترقی یافتہ ممالک میں آبادی بہت کم ہے اور دولت مشترکہ میں ان ممالک کی صنعتی اور مالی معاونت بڑی قابل قدر ہے۔ ہمارے ملک سے افرادی قوت ترقی یافتہ ممالک کے کام آسکتی ہے۔ لیکن اگر ہم آپس میں لڑتے جھگڑتے رہیں تو کیا دولت مشترکہ کے استحکام کو برقرار رکھنے میں اپنا کردار ادا کرنے کے قابل ہو سکیں گے۔

کیا ہندوستان کے لئے یہ مناسب ہے کہ وہ ایک طرف جمہوریت کا دعویٰ کرے اور یہ تجویز کرے کہ زائد آبادی والے ممالک کی فالتو آبادی کو کم آبادی والے ممالک میں بھجوایا جائے۔ اور دوسری طرف وہ کامن ویلتھ ممالک کا یہ اختیار تسلیم نہ کرے کہ وہ تنازعات مابین ارکان کا تصفیہ کرا سکے۔ میں ڈرتے ڈرتے یہ بتادینا چاہتا ہوں کہ تبادلہ آبادی کی یہ ترکیب پاکستان پر آزمائی جارہی ہے۔ ہندوستان کی آبادی زیادہ ہے اور شاید پاکستان کی آبادی اس کی استطاعت سے کم ہے اور شاید اس لئے لاکھوں مہاجرین کو پاکستان کی سرحدوں میں دھکیلا جارہا ہے اور اس عمل کا نام ہجرت رکھا گیا ہے۔

اس موقع پر ہندوستانی مندوب نے مداخلت کی۔

جس کے جواب میں، میں نے کہا کہ

میری اس گزارش پر برہم ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہم غلطی پر ہو سکتے ہیں لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ جب تک ہم کامن ویلتھ میں کام کریں گے اور کامن ویلتھ کے رکن ہیں ہمیں جمہوری ممالک کے ثالثانہ فیصلوں کو قبول کرنا لازم ہے۔ پاکستان ہر ایسے منصفانہ فیصلے کو تسلیم کرنے کے لئے تیار ہو گا جو کامن ویلتھ کی بہتری کے لئے کیا جائے۔ مثال کے طور پر ذرا کشمیر کے مسئلے کو لیجئے۔ ہم اقوام متحدہ کے فیصلے کے لئے اس بین الاقوامی ادارے کے پاس فریادی ہوئے۔

ایسوسی ایشن کے چیئرمین نے مداخلت کی اور مجھے اس نکتے کو آگے بڑھانے کی اجازت نہیں دی۔

اس پر میں نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا کہ

جناب والا! مجھے معلوم ہے کہ میری حدود کہاں تک ہیں۔ میری تجویز ہے کہ ہمیں اپنے تنازعات کے تصفیے کے لئے خاندان سے باہر نہ جانا چاہئے۔ دولت مشترکہ کے اراکین کے لئے یہ زیادہ مناسب تھا کہ ہم اپنا معاملہ ان ممالک کے سامنے رکھتے اور ان کا فیصلہ خواہ کچھ بھی ہوتا اسے بہ طیب خاطر ہم قبول کر لیتے۔ ہم نہیں جانتے کہ وہ فیصلہ کیا ہوگا۔ لیکن میری تجویز یہ ہے کہ ہم اپنے ہی خاندان کے اراکین سے رجوع کرتے اور دولت مشترکہ ممالک سے درخواست کرتے کہ وہ تنازعہ کشمیر کا فیصلہ کر دیں۔

ہندوستانی مندوب نے پھر مداخلت کی اور چیئرمین ایسوسی ایشن نے کہا کہ ہمارے سامنے سالانہ رپورٹ ہے اور ہم صرف انہیں امور پر بات کر سکتے ہیں جو اس سالانہ رپورٹ میں ہیں۔ آپ کو صرف اسی وجہ سے کسی حد تک اجازت دی ہے کہ کامن ویلتھ ایسوسی ایشن میں یہ آپ کی پہلی تقریر ہے۔ اگرچہ آپکی تقریر کافی دلچسپ ہے لیکن جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں وہ ایجنڈے سے غیر متعلق ہے۔ مناسب ہوگا کہ یہ باتیں کل اس وقت کہی جائیں جب کامن ویلتھ ممالک کے باہمی اقتصادی معاملات پر بحث ہوگی۔

صدر کے ان ریمارکس کے بعد میں نے کہا

جناب صدر! مجھے افسوس ہے کہ میری بات کو غلط سمجھا گیا۔ جب میں نے پاک وہند تعلقات کے سوال پر گزارشات کیں تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کونسل کے وجود کا انحصار دولت مشترکہ کے ممالک کے مابین اشتراک عمل پر ہے۔ اس لئے میں نے کشمیر کے موضوع کو چھوڑ کر ان ممالک کے باہمی تعلقات کا ذکر کیا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس ایسوسی ایشن کا استحکام صرف اس صورت میں ممکن ہے، جب اس کے ارکان ممالک کے باہمی تعلقات مضبوط اور مستحکم ہوں۔ میں کشمیر کے معاملے کو یہیں چھوڑ دوں گا۔ کیونکہ اس مسئلے پر گذشتہ چار سال سے بڑی بدمزگی پیدا ہو چکی ہے۔ اور میں نئے مسائل کی طرف آؤں گا۔ اب میں ان تعلقات پر بحث کروں گا جو پاکستان اور ہندوستان کے درمیان موجود ہیں اور یہ دونوں ممالک کامن ویلتھ کے ممبر ہیں۔ ہم ایک مخصوص ملک کے شہری ہیں اور یہ حقیقت دوسرے ارکان ممالک کے معاملات پر اثر انداز ہوتی ہے۔ کینیڈا آکر میرے دل میں میرے اپنے ملک کے لئے ایک نئی محبت جاگ اٹھی ہے۔ میں کینیڈا میں دنیا کے کسی اور ملک سے زیادہ اپنے گھر جیسا ماحول محسوس کرتا ہوں۔ کینیڈا کی سرسبز وادیاں اور چراگاہیں اس کی خوشحالی مجھ میں یہ احساس پیدا کر رہی ہیں کہ جب میں اپنے ملک میں واپس جاؤں تو میں اپنے ساتھ کچھ ایسے تصورات ساتھ لے کر جاؤں جن کو وہاں رواج دیا جا سکے۔ لیکن میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جو دریا میرے صوبے اور میرے ملک کو سیراب کرتے ہیں ان کے پانیوں کو بند باندھ کر دوسری طرف موڑا جا رہا ہے۔

انڈیا کے ایوان عام کے سپیکر نے کہا کہ میں ایک قانونی نکتے پر بولنا چاہتا ہوں۔ میں بغیر دخل اندازی کئے صبر و سکون سے وہ سب کچھ سننے کے لئے تیار ہوں جو فاضل مقرر کہنا چاہیں لیکن میں یہ بتلانا چاہتا

ہوں کہ ہماری خاموشی سے یہ مطلب ہر گز نہ نکالا جائے کہ جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں ہم اس کو اعلانیہ یا مضمراتی طور پر درست سمجھتے ہیں۔

چیئرمین نے کہا کہ آپ میرے رولنگ سے پہلو بچا رہے ہیں اور ناجائز طور پر پاکستان اور ہندوستان کے درمیان پانی کے معاملہ کو اٹھا رہے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ معاملہ اہم ہے لیکن یہ موجودہ بحث کے لئے موزوں نہیں۔ اس لئے جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں کہ اس معاملے کو کل کے لئے اٹھا رکھا جائے۔

میں نے ان تقاریر کے بعد معذرت کرتے ہوئے کہا کہ میں نے کشمیر کا ذکر چھوڑ کر جناب چیئرمین کا حکم مان لیا ہے۔ پانی کا ذکر ہم نے براہ راست نہیں چھیڑا۔ میرے دل کے کسی گوشے میں بھی ہندوستان کو ناراض کرنا نہیں ہے۔

میری تمنا یہ تھی کہ صاف دلی سے ان تمام اہم باتوں کا ذکر کر دوں جو ہمارے ممالک کے باہمی تعلقات پر اثرانداز ہو سکتی ہیں۔ میری رائے میں کامن ویلتھ کے مفادات کا بھی یہی تقاضا ہے۔ ہم کھلے دل سے ان مسائل کا ذکر کر کے ان کے تصفیہ کا کوئی راستہ نکالیں۔ جہاں تک سالانہ رپورٹ کا تعلق ہے مجھ سے پہلے جو مقررین سیکرٹری جنرل اور اس کے عملے کو خراج تحسین پیش کر چکے ہیں، میں بھی اپنے ملک کی طرف سے یہی کرتا ہوں۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ ہم ملک میں اس ایسوسی ایشن کی کونسل سے فائدہ اٹھائیں گے اور آئندہ میٹنگ میں آپ کو بتا سکیں گے کہ پاکستان میں اس انجمن کی کئی نئی شاخیں قائم ہو چکی ہیں۔ پاکستان امن اور جمہوریت کا علمبردار ہے۔ ہمارا ملک جمہوریت اور کامن ویلتھ کی بقا کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دے سکتا ہے۔ اور میں یہ بھی آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم کسی حالت میں اپنے معاہدے سے منہ نہیں موڑ سکتے۔

جناب صدر! میں آئندہ پندرہ منٹ میں اپنی اس تقریر کو ختم کر دوں گا جو میں نے کل شروع کی تھی اور اس مختصر وقت میں اپنے احساسات کا اظہار کروں گا۔ مجھے یاد ہے کہ کل بعض موضوعات پر ذکر چھیڑنے سے ایوان میں کچھ غلط فہمیاں اور غلط اندیشے پیدا ہو گئے تھے۔ اس لئے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اپنی پوزیشن واضح کرنے کے لئے ان موضوعات کی مزید تفصیل و تشریح کروں، جن کا تعلق پاکستان کے اقتصادی اور مالی تعلقات مابین کامن ویلتھ سے ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ ان مختصر قیمتی چند منٹوں میں میری گزارشات کو بے روک ٹوک سنا جائے گا۔

جناب والا! پاکستانی ہونے کی حیثیت سے مجھے قدیم تر ممالک کے مندوبین کی وہ تقاریر سن کر بڑی مسرت ہوئی۔ جس میں انہوں نے اپنے ممالک کی بڑھتی ہوئی خوشحالی اور اپنی زمینوں کی بڑھتی ہوئی زرخیزی کا ذکر فرمایا۔ میں ان سب کے لئے کامیابی کی دعا کرتا ہوں۔ میں خوشحالی کی اس دعا میں پاکستان کے قریب ترین ہمسایہ ہندوستان کو شامل کرتا ہوں۔ میں ہندوستان کا سچا خیر خواہ ہوں۔ لیکن میں یہ بھی

پسند نہیں کرتا کہ کوئی ملک دوسرے ملک کے زوال کو اپنا وقار سمجھے یا ہمسایوں کی خستہ حالی کو اپنی خوشحالی کا ذریعہ بنائے۔

جناب والا! پاکستان کامن ویلتھ کا حصہ دار ہے۔ اور اس لئے پاکستان بغیر کسی ہچکچاہٹ کے دولت مشترکہ کے ہر ملک کے اقتصادی اور مالی استحکام کا خواہش مند ہے۔ اور ہر قیمت پر اپنے دوستوں کی خوشحالی چاہتا ہے۔ میں جب دوسرے ممالک کی خوشحالی کی داستانیں سن رہا تھا تو میری نظریں مڑ مڑ کر اپنے ملک کی حالت دیکھ رہی تھیں جہاں نہ تو خوشحالی کا دعویٰ ہو سکتا ہے نہ مالیاتی استحکام کا۔ ہم اپنے دوست ممالک سے اپنی خوشحالی کا نسخہ نہیں پوچھتے البتہ ان سے وہ ترکیب پوچھنا چاہتے ہیں جس سے ہم اپنے مصائب سے چھٹکارہ پاسکیں۔

مجھے یقین ہے کہ آپ سب پاکستان کے پس منظر سے بخوبی واقف ہیں یہ آپ کو علم ہے کہ پاکستان ۱۹۴۷ء کے بعد معرض وجود میں آیا ہے۔ اس وقت جب ہمارے پاس کوئی قومی سرمایہ نہ تھا۔ بحیثیت ایک آزاد قوم کے کام کرنے کے لئے بھی بہت کم ذرائع موجود تھے۔ اس وقت ہمیں یہ توقع تھی کہ ہمارے ہمسائے ہمارے ملک کی آزادی کو تسلیم کرتے ہوئے ہماری حوصلہ افزائی کریں گے۔ لیکن ہمیں اس میدان میں بڑی ناکامی ہوئی۔ ہم اس معاملے میں بڑے بدقسمت ثابت ہوئے، کیونکہ شروع سے ہم ایسے مسائل سے دوچار کر دیئے گئے جو ہمارے پیدا کردہ نہ تھے، بلکہ ہم پر زبردستی ٹھونسے گئے تھے۔

جناب والا! میں کشمیر کا نام نہ لوں گا تاکہ کوئی شخص ناراض نہ ہو۔ میں کسی کے جذبات کو ٹھیس پہنچانا بھی نہیں چاہتا۔ لیکن کامن ویلتھ کے ایک خود مختار رکن ملک کی حیثیت سے جو جمہوریت کا علمبردار ہے میں یہ سمجھتا ہوں کہ میں آپ صاحبان سے یہ مطالبہ کرنے کا حق رکھتا ہوں کہ ہمیں ہمارے جائز حقوق کا اختیار ہے۔ کشمیر کا ایک حصہ جبراً ہم سے چھین لیا گیا ہے۔ یہ حصہ ہمارے ملک کی اقتصادیات پر گہرا اثر رکھتا ہے۔

مسٹر آئنگر نے اس موقع پر پھر مداخلت کرنی چاہی لیکن میں نے کہا کہ جناب صدر میں سمجھتا ہوں کہ جناب نے کل جو فیصلہ کیا تھا اس کے مطابق میں اس موضوع پر بول سکتا ہوں۔ اگر مجھے آج بھی اظہار خیال کی اجازت نہ دی گئی تو یہ خود کل والے فیصلے کی خلاف ورزی ہوگی۔ چیئرمین نے کہا کہ آپ کو محدود اجازت ملی تھی میں نے کہا مجھ پر کوئی قیود عاید نہیں کی گئی تھیں۔ چیئرمین نے کہا کہ اس قسم کی کانفرنس میں صرف مقررہ حدود میں ہی اظہار خیال کیا جاسکتا ہے۔

میں نے کہا کہ اگر کامن ویلتھ کی پارلیمانی ایسوسی ایشن کی کانفرنس میں ہم اس معاملے کو زیر بحث نہیں لاسکتے تو ہم کیا توقع رکھ سکتے ہیں کہ ہم غلط فہمیوں کو دور کر کے اپنے مسائل کا تصفیہ کرا سکیں گے۔

ہندوستان کے نمائندے نے پھر مداخلت کی اور کہا کہ مختلف ممالک کے درمیان متنازعہ مسائل کا حل اس ایسوسی ایشن کے دائرہ اختیار میں نہیں۔ میں نے جواب دیا کہ کل مجھے یقین دلایا گیا تھا۔

ہندوستانی نمائندے نے کہا کہ جہاں تک کشمیر کے مسئلے کا تعلق ہے وہ بین الاقوامی ادارے کے پاس زیر تحقیقات ہے۔ پانی کا مسئلہ بھی زیر تحقیقات ہے۔ ان حالات میں ہم کیا ان سوالات کو یہاں اٹھا سکتے ہیں۔ لیکن پھر میں اپنے دوست کو تقریر کرنے سے نہیں روکوں گا۔ بشرطیکہ چیئرمین انہیں بولنے کی اجازت دے دیں۔ بہر حال ہندوستانی مندوب اسی قسم کی باتیں کرتے رہے۔ بہر حال میں نے کہا کہ

ہماری معاشیات کو شدید خطرہ ہے اور جناب والا! یہ معاملہ صرف پاکستان سے متعلق نہیں بلکہ ایسا معاملہ ہے جس سے کامن ویلتھ کے استحکام اور اتحاد کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ میں ان دریاؤں کی طرف توجہ دلا رہا ہوں جو پاکستان کو سیراب کرتے ہیں اور جن پر اب بند باندھ کر ان کا رخ موڑا جا رہا ہے۔ جناب کو معلوم ہے کہ پہلے ہم خوراک برآمد کرتے تھے اور اب ہم خود کمی خوراک میں مبتلا ہیں۔ پاکستان بننے کے بعد ہمیں دریاؤں کے پانی میں سے جو پانی تقسیم ملک سے پہلے ملا کرتا تھا اس کا نصف مل رہا ہے۔ اب ہندوستان بند باندھ رہا ہے اور ۱۹۵۳ء تک جب یہ بند مکمل ہو جائیں گے ہمارے علاقے میں ان دریاؤں سے ایک بوند بھی پانی کی نہیں آئے گی۔ یہ دو دریا ستلج' بیاس ہیں۔ ان پر بند باندھے جا رہے ہیں اور اس کے بعد بھی میرے دوست دعویدار ہیں کہ وہ جمہوریت پسند ہیں۔ جو پند و نصائح وہ فرماتے ہیں میں ان کے مہاتماپن کو مان لیتا بشرطیکہ میں ان کا ہمسایہ نہ ہوتا۔ یہ صاحبان اپنے ملک میں بڑھتی آبادی کی بات کرتے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ جب وہ ہر روز دو ہزار بے کس اور بے سامان مہاجرین کو اپنی سرحدوں سے ہمارے ملک میں دھکیل رہے ہیں تو ان کو اپنی بڑھتی ہوئی آبادی کا خطرہ ہو سکتا ہے۔ ان کے اس عمل سے پاکستان کے معاشی استحکام پر زد پڑتی ہے۔ ہر دفعہ جب ہم اپنے لوگوں کا معیار بلند کرنے کا منصوبہ بناتے ہیں بھارتی بھائی دو ہزار مزید مہاجرین ہماری طرف دھکیل دیتے ہیں اور یہ تماشا جاری ہے۔ شاید ان کے نزدیک اپنی بڑھتی ہوئی آبادی کو کم کرنے کی یہی ایک ترکیب ہے۔

دوسری طرف جناب والا! ہم محسوس کرتے ہیں کہ وہ لوگ جو صدیوں سے ہمارے ملک میں رہتے بستے ہیں اور جنھوں نے وہاں اپنے گھر بسا رکھے ہیں۔ ۱۹۵۴ء تک دریائی پانی نہ ملنے کے سبب برباد ہو جائیں گے۔ پھر وہ ہجرت کرنے پر مجبور ہوں گے۔ وہ کہاں جائیں گے۔ کوئی اور ملک تو ان کو پناہ نہیں دے سکتا۔ کیا پھر فاقہ کشی کی موت ان کا مقدر بن جائے گی میں یہ چاہتا ہوں کہ کامن ویلتھ کے ممالک اس وقت محسوس کریں کہ یہ لاکھوں لوگ فاقہ کشی سے مرنا پسند نہیں کریں گے۔ اگر موت کے سوائے ان کے پاس کوئی راستہ نہ رہا تو وہ اکیلے نہ مریں گے۔ مرتے ہوئے لوگ اکیلے مرنا نہیں پسند کرتے وہ جہاد کریں گے اور اس سے کامن ویلتھ . اتحاد اور استحکام کو خطرہ لاحق ہو جائے گا۔

جناب والا! میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ ان سنگین معاملات کو جناب کے نوٹس میں لے آؤں تاکہ ہم سب اراکین سر جوڑ کر بیٹھیں اور ان پر سنجیدگی سے غور کریں۔ یقین جانئے کہ پاکستان جمہوری ممالک کا ہر وہ فیصلہ قبول کرلے گا جو جائز اور منصفانہ ہو گا۔

ہندوستان سے متعلق میرے فاضل دوست یہ کہتے رہیں گے کہ کامن ویلتھ ممالک میں شریک کسی ملک کے لوگوں کو فاقہ کشی کی نوبت نہ آنی چاہئے۔ ہم پاکستانی وہ لوگ ہیں جن کو ۱۹۵۳ء میں فاقہ کشی کا خطرہ درپیش ہے۔ فاقہ کشی کو دور کرنا ان صاحبان کا اپنا مطالبہ ہے' اور انہوں نے خود کامن ویلتھ ممالک کو اس سلسلے میں موثر کارروائی کرنے کا اختیار دیا ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ جب یہ مندوبین اپنے ملک میں واپس جائیں گے تو وہ ہمارے مسائل کو اپنی حکومتوں کے سامنے رکھ کر ان سے مطالبہ کریں گے کہ وہ ان پر ہمدردی سے غور کریں۔

ایک طرف تو ہندوستان والے کامن ویلتھ ممالک کا یہ حق و اختیار تسلیم نہیں کرتے کہ وہ باہمی مسائل کا تصفیہ کرائے لیکن دوسری طرف جب وہ تقاریر کا جادو جگاتے ہیں تو ان کے الفاظ سے اعلیٰ اقدار کی بارش ہوتی ہے۔ میں تو چاہتا ہوں کہ ان کا طرز عمل ان کے ارشادات عالیہ کی شہادت ہے۔ ان کا قول ہے کہ ہر فرد ہر ملت کے لئے ہے اور ہر ملت ہر فرد کے لئے۔ میں صرف یہ کہوں گا کہ آپ کامن ویلتھ کے اقتصادی استحکام کے لئے بہت بڑا کام کریں اگر آپ پاکستان کے لئے کچھ کریں میں یہ کہتا ہوں کہ پاکستان کے ساتھ منصفانہ سلوک کرنا حق ہمسائیگی کا اولین تقاضہ ہے کیا کینیڈا میں کبھی لوگ ہمسایہ ممالک کے بنیادی حقوق کی دستبرداری روا رکھتے ہیں۔ کیا کینیڈا نے کبھی یہ سوچا بھی ہے کہ امریکہ کو اس دریا کے فیض سے محروم کرے کیا کبھی امریکہ نے ایسی بات سوچی ہے کہ وہ کینیڈا کو قدرتی دولت سے محروم کرے۔

دریائے ڈنیوب کئی یورپین ممالک سے گزرتا ہے۔ کیا کبھی کسی ملک نے یہ سوچا تک بھی ہے کہ وہ اس پر بند باندھ کر دوسرے ممالک کو اس کی سپلائی بند کر دیں۔ اگر ہم امن پسند اقوام ہیں اور اس کے باوجود یہ سمجھتے ہیں کہ دریاؤں کا رخ ایک ملک سے موڑ کر دوسرے ملک کی طرف کر دینا جمہوری تقاضوں کو مجروح نہیں کرتا تو پھر جمہوریت کی زندگی بہت تھوڑی ہے۔

جناب والا! اور بھی بہت سے مسائل ایسے ہیں جنہیں میں جناب کے نوٹس میں لاتا لیکن وقت کا تقاضا ہے کہ میں فی الحال ان کا ذکر نہ کروں۔ جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے ہم ایک امن پسند قوم ہیں اور ہم کامن ویلتھ کے مالیاتی استحکام کے لئے اپنی مقدور بھر کوشش کرنے پر کمربستہ ہیں۔ پاکستان جمہوریت کے تحفظ اور امن کے مقاصد کے فروغ کے لئے نمایاں کردار ادا کرنا چاہتا ہے لیکن کامن ویلتھ ممالک کے لئے لازم ہے کہ وہ بھی پختگی کے ساتھ بنیادی حقوق کا تحفظ کرنے میں مدد کریں۔

جناب والا! میں محسوس کرتا ہوں کہ پاکستان کبھی ہندوستان کو یہ محسوس نہیں ہونے دیگا کہ وہ اس کے جائز حقوق میں دخل اندازی کر رہا ہے۔ لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ ایک موقع پر ہندوستان نے اپنی ننانوے فیصد فوج ہماری سرحدوں پر جھونک دی تھی۔ کیا ایسے حالات میں جب اتنی بھاری فوج ہماری سرحدوں پر ہتھیار تانے کھڑی ہو، ہم کامیابی کے ساتھ اپنے لوگوں کی فلاح و بہبود اور کامن ویلتھ کے

دوسرے ممالک کے لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے کچھ نمایاں کام کر سکتے ہیں ؟ آج پاکستان اپنی آمدنی کا ستر فیصد دفاعی امور پر خرچ کرنے پر مجبور ہے۔ ہندوستان جغرافیائی طور پر پاکستان سے تین گنا بڑا ملک ہے لیکن اگر انہوں نے پاکستان کی آزادی پر ہاتھ اٹھانے کی کوشش کی جس کے حصول کے لئے ہم نے لاکھوں جانیں قربان کی ہیں اور ہزارہا مصائب اٹھائے ہیں تو میں ان کو یقین دلاتا ہوں کہ ہر پاکستانی اپنے لہو کے آخری قطرہ تک اپنی بیش بہا آزادی کی حفاظت کرے گا۔ ہمیں جنگ جوئی کا کوئی شوق نہیں ہے۔ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ ہمارا وجود بطور خود مختار ملک کے تسلیم کر لیا جائے۔ شاید ہندوستان یہ سمجھتا ہے کہ اب بھی پاکستان ختم کر کے اکھنڈ بھارت بنایا جاسکتا ہے۔ اتفاق رواداری کے بغیر نہیں ہوتا۔ ہم ایک الگ قوم ہیں اور ہمیشہ اسی طرح ایک الگ اور آزاد قوم کی طرح زندہ رہیں گے۔ ہم اپنی طرف سے دولت مشترکہ میں اقتصادی استحکام لانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ ہم آپ سب کی خوشحالی کے خواہاں ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ ہندوستان پاکستان کی آزادی پر دست درازی کے ارادے ترک کر دے۔

چیئرمین نے کہا اب میرا وقت ختم ہو گیا ہے۔ بہر حال میں نے اپنی تقریر ختم کرتے ہوئے کہا کہ میں اپنی بات ختم کرنے سے پہلے صرف ایک درخواست کروں گا اور وہ یہ ہے کہ اس کانفرنس کے مندوبین جب اپنے ملک واپس جائیں تو اپنی حکومتوں پر یہ واضح کر دیں کہ کامن ویلتھ کے اجتماعی مفادات کو کیا خطرات لاحق ہو سکتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ اپنی حکومتوں کو یہ بھی جتلادیں گے کہ پاکستان یہ انصاف اور عدل نے تقاضوں کے مطابق جمہوریت نواز فیصلوں کو کھلے دل سے قبول کرتا رہے گا۔

ان مسائل کے علاوہ نجی سطح پر ہم نے خوراک وزراعت کی ایک منصوبہ بندی کونسل تشکیل دی تاکہ بہاولپور میں پانی کی قلت سے پیدا ہونے والے حالات کا مقابلہ کیا جاسکے۔ اور سائنٹفک طریقوں سے غلہ کی پیداوار بڑھانے کی تدابیر بروئے کار لائی جاسکیں۔ نہر عباسیہ کے توسیعی منصوبے کو جو مرحلہ وار مکمل ہو رہا تھا اس کی رفتار تیز کی گئی جس سے تقریباً ایک لاکھ ۵۰ ہزار ایکڑ زمین مزید زیر آبپاشی آگئی۔ غیر مزروعہ زمین پر کاشت کرنے والے لوگوں پر مالیہ معاف کر دیا گیا۔ زیادہ غلہ اگاؤ مہم سے تقریباً ساڑھے تین لاکھ ایکڑ رقبہ کو قابل کاشت بنایا گیا۔ غرض بھارت نے بہاولپور میں پانی کی جو قلت پیدا کی تھی اس کا ہر ممکن تدارک کیا گیا اور اہل بہاولپور کو خوراک کی کمی کا یا نایابی کا قطعی سامنا نہیں کرنا پڑا۔

خوراک وزراعت کے بعد ہم نے تعلیم پر توجہ دی۔ بہاولپور میں اب تک خواندگی کی شرح ۵ فیصد سے زائد نہ تھی۔ ہم نے اس سلسلے میں دوسرے ضروری اقدامات کے علاوہ ایک انقلابی پروگرام بنایا اور طے کیا کہ کم از کم دو ہزار مساجد میں پرائمری اسکول کھولے جائیں گے۔ آئمہ مساجد کو طریق تعلیم کی تربیت دی جائے گی۔

مکتب اسکیم کا اجراء

یہ تمام اسکول خود کفالت کی بنیاد پر چلائے جائیں گے اور حکومت کو اس پر اپنی جیب سے کچھ خرچ کرنا نہیں پڑے گا۔ چنانچہ مکتب اسکیم کے نام سے اس منصوبے کو شروع کر دیا گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ریاست کے تمام دیہاتوں میں یہ اسکول جاری ہو گئے۔ یہ اسکیم اتنی مفید اور موثر تھی کہ پاکستان کے تمام ماہرین تعلیم نے نہ صرف اسکو سراہا بلکہ اسے پورے پاکستان میں رائج کرنے کے عزم کا اظہار کیا۔ ہمارا اندازہ تھا کہ اس اسکیم کے ذریعہ ہم پانچ سال کے اندر اندر تعلیم کا تناسب ۶۸ فیصد تک کر سکتے ہیں۔ چنانچہ میں کہہ سکتا ہوں کہ اس کے نتائج خاطر خواہ بر آمد ہوئے۔ لیکن بعد میں ون یونٹ بننے کی وجہ سے اس سکیم پر پوری توجہ نہ دی جا سکی اور اس طرح ترقی تعلیم کی جو سکیم پورے پاکستان کے لئے مفید سمجھی جا رہی تھی وہ بہاولپور میں بھی صحیح خطوط پر نہ چلائی جا سکی۔

میٹرک تک مفت تعلیم

اس مکتب سکیم کے علاوہ تعلیم کے محاذ پر ہمارا دوسرا اہم کارنامہ یہ تھا کہ ہم نے ریاست میں میٹرک تک مفت تعلیم کر دی۔ ارادہ تو ہمارا ڈگری کلاسوں تک مفت تعلیم کرنے کا تھا لیکن حکومت پاکستان نے یہ کہہ کر ہمیں اس کی اجازت نہ دی کہ یہ اقدام دوسرے صوبوں کے حق میں تکلیف دہ ثابت ہو گا کیونکہ وہ ایسا نہ کر سکیں گے اور اس طرح سے پورے پاکستان میں تعلیمی لحاظ سے یکسانیت پیدا نہ ہو سکے گی۔ بہر حال ہم ریاستی باشندوں کو تعلیم کی جو سہولتیں فراہم کر سکتے تھے اس میں ہم نے کوئی کمی نہیں کی۔ جہاں ڈگری کالج نہیں تھے وہاں نئے ڈگری کالج کھولے۔ نیز انٹر کالج، نارمل اسکول، ہائی اسکول، مڈل اسکول اور پرائمری اسکولوں کی تعداد میں معتد بہ اضافہ ہوا۔ اس سلسلے میں ہمارا چھ سالہ منصوبہ تھا جس پر ۴ کروڑ روپے کے قریب خرچ آتا تھا۔ لیکن افسوس یہ بھی پایہ تکمیل تک نہ پہنچ سکا۔

جامعہ عباسیہ کو یونیورسٹی بنانے کا منصوبہ

بہاولپور میں دینی تعلیم کا ایک مدرسہ جامعہ عباسیہ کے نام سے قائم تھا۔ ہم اس یونیورسٹی کی سطح پر ترقی دینا چاہتے تھے۔ اس کے لئے ماہرین تعلیم کے مشوروں سے جدید نصاب بھی تجویز کر دیا گیا تھا۔ ہماری خواہش تھی کہ یہ جامعہ دینی علوم کے ساتھ جدید اور سائنسی علوم کا بھی مرکز بن جائے۔ یہ تمنا ہمارے مختصر دور وزارت میں تو پوری نہ ہو سکی لیکن یہ امر باعث مسرت ہے کہ جامعہ عباسیہ کو یونیورسٹی بنانے کا خواب اب پورا ہو چکا ہے اگرچہ اس کا جو اپنی تشخص تھا اسے ہمارے پروگرام کے مطابق بر قرار نہیں رکھا جا سکا۔ بہر حال اس کی عمارت ہم نے تعمیر کرا دی تھی۔

صادق پبلک اسکول کا اجراء

ہم نے ایچی سن کالج لاہور کے طرز کا ایک اسکول بھی بہاولپور میں صادق پبلک اسکول کے نام سے جاری کیا۔ اس کے لئے کافی اراضی حاصل کی جس پر حسب ضرورت شاندار عمارات تعمیر کی گئیں۔ میں صادق پبلک سکول کی گورننگ کونسل کا پہلا صدر تھا۔ یہ اسکول اب تک نہایت کامیابی سے چل رہا ہے۔ اس کی گورننگ کونسل ہی تو میں اب بھی ہوں لیکن اس کی صدارت اب گورنر پنجاب کو سونپ دی گئی ہے۔

مزید ترقیاتی اقدامات

ریاستی باشندوں کو علاج معالجے کی سہولتوں کیلئے شہروں میں ہسپتالوں کے علاوہ ہر تحصیل میں بھی شفاخانے کھولے گئے۔ دیہی آبادی کی مزید سہولت کے لئے سفری شفاخانے بھی جاری کئے گئے۔ بڑے ہسپتالوں کے لئے ماہر ڈاکٹروں کی خدمات حاصل کی گئیں۔ میں نے خود پاکستان کے ہسپتالوں میں جا کر وہاں کے انتظامات دیکھے اور ماہرین امراض سے ملاقات کی اور ان میں سے کئی صاحبان کو بہتر شرائط ملازمت کی پیشکش کر کے بہاولپور لے آیا۔

صنعتی سرگرمیاں بھی کافی بڑھیں۔ رحیم یار خان میں عباسیہ ٹیکسٹائل ملز اور لیور برادرز کے کارخانے قائم ہوئے۔ خان پور میں شکر سازی کے کارخانے کا منصوبہ منظور کیا گیا۔ آٹا پیسنے اور کپاس بیلنے کے کارخانوں میں اضافہ ہوا۔

کسی علاقے کی ترقی میں ذرائع مواصلات کو بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ ریاستی دور حکومت میں اس طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی تھی۔ ہم نے دیہاتوں اور اہم شہروں کو ایک دوسرے سے ملانے کے لئے سڑکوں کا جال بچھا دیا۔ گداگری کے خاتمہ کے لئے محتاج خانے قائم کرنے کی منظوری دی۔ بہبودی اطفال کے مراکز کھولے گئے۔ نرسوں کی تربیت کا باقاعدہ انتظام کیا گیا۔

کھیلوں کے فروغ کے لئے باقاعدہ سپورٹس ڈائریکٹوریٹ قائم کیا۔ ہر تحصیل میں ایک کتب خانہ اور پنچائت گھر قائم کرنے کی منظوری دی۔ مہاجرین کی مستقل آباد کاری کے لئے ایک وزارت مہاجرین تشکیل دی جس پر سردار محمد ایوب خان ڈاہر کو مقرر کیا گیا۔ یہ اس وقت تک اسمبلی کے ممبر منتخب نہیں ہوئے تھے اور وزیر بننے کی یہ شرط تھی کہ وہ اسمبلی کا منتخبہ ممبر ہو۔ اس لئے اس کمی کو پورا کرنے کے لئے میں نے جمال دین والی کی اپنی خاندانی نشست سے استعفیٰ دے کر سردار ایوب کو وہاں سے منتخب کرایا۔ مہاجرین کو زرعی زمینیں تقسیم کرنے کے علاوہ رعایتی نرخوں پر ایسے قطعات اراضی بھی دیئے گئے جہاں

مہاجر اپنے مکانات تعمیر کر سکیں۔ علاوہ ازیں مہاجر کالونیاں بھی تعمیر کی گئیں اور بنے بنائے مکانات مہاجرین کو آسان شرائط پر دیئے گئے۔

صحافتی سرگرمیوں کا فروغ

آزادی صحافت کو جمہوریت کے فروغ کے لئے بہت ضروری خیال کیا جاتا ہے۔ میں بھی اس کے حق میں تھا۔ آپ تعجب کریں گے کہ ریاستی دور میں جہاں صرف تین چار ہفت روزہ اخبار نکلا کرتے تھے وہاں ہمارے دور میں درجنوں اخبار نکلنے لگے۔ ان میں سہ روزہ اور روزنامے بھی تھے۔ پھر میں نے صحافت کی ترقی کے لئے ریاست میں ٹیلی پرنٹر سروس کا اجرا کرایا۔ بہاولپور میں ایک ریڈیو اسٹیشن قائم کرنیکی منظوری مرکزی حکومت سے حاصل کی۔ میں ریاست کے تینوں ضلعی ہیڈ کوارٹروں پر ہوائی اڈے بھی قائم کرنا چاہتا تھا تاکہ یہ ریاست کی تجارتی و معاشرتی ترقی میں مفید ثابت ہوں۔

طبقات آبادی کی تفریق کا خاتمہ

یہاں یہ بھی ذکر کرتا چلوں کہ ریاستی دور میں ریاستی آبادی کو تین درجوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ جو اس سرزمین کے پیدائشی طور پر باسی تھے درجہ الف میں رکھے گئے تھے۔ ب اور ج باہر سے آنے والوں اور یہاں آباد ہو جانے والوں کے لئے مخصوص تھے جن کو نسبتاً مراعات بھی کم حاصل تھیں۔ اس تخصیص کو ختم کرنے کا سہرا بھی ہماری وزارت کو حاصل ہوا اور اس کے بعد ریاست میں آباد شدہ تمام باشندوں کے حقوق بلاتخصیص مساوی تسلیم کر لئے گئے۔

بہاول نگر کے نئے ضلع کا قیام

یہاں میں یہ بھی واضح کر دوں کہ اب تک ریاست بہاولپور صرف دو اضلاع پر مشتمل تھی بہاولنگر اور بہاولپور کو ملا کر ایک ضلع بنایا گیا تھا۔ اور دوسرا ضلع جس میں خان پور، لیاقت پور، رحیم یار خان اور صادق آباد وغیرہ شامل تھے۔ میں نے بہاولنگر کو بہاولپور سے الگ کر کے علیحدہ ضلع بنایا جس سے انتظامی امور میں بھی سہولت پیدا ہوئی اور لوگوں کو اپنے ذرا ذرا سے کام کے لئے دور دراز علاقوں سے بہاولپور آنے کی جو زحمت اٹھانی پڑتی تھی وہ بھی دور ہوئی۔ تحصیلوں کی تعداد بھی بڑھا کر گیارہ کر دی گئی جو مزید انتظامی سہولت کا ذریعہ ثابت ہوئیں۔

ملکی سطح پر ریاست کے وقار میں اضافے کی مساعی

ان ترقیاتی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ میں ملک کے سیاسی اتار چڑھاؤ سے بھی غافل نہیں رہا۔ ذمہ دارانہ نظام حکومت کے قیام کے بعد بہاولپور مسلم لیگ نے جو شاندار کامیابی حاصل کی تھی میں اس کی حیثیت کو ملکی سطح پر بھی تسلیم کرانے کی فکر میں تھا۔ چنانچہ اس سلسلے میں پہلی کامیابی تو یہ ہوئی کہ مرکزی مسلم لیگ میں بہاولپور مسلم لیگ کے ۱۵ کونسلر لئے گئے۔ اس کے علاوہ مرکزی مسلم لیگ کی مجلس عاملہ جس کے صرف صدر بہاولپور مسلم لیگ ممبر تھے اس میں ایک مزید ممبر کا اضافہ ہوا اور بہاولپور مسلم لیگ نے اس کے لئے متفقہ طور پر مجھے منتخب کر کے بھیجا۔ نیز پاکستان دستور ساز اسمبلی میں اب تک اعلیٰ حضرت کے نامزد افراد بھیجے جاتے تھے۔ لیکن اب بہاولپور مجلس کے منتخبہ ممبران میں سے پاکستان دستور ساز اسمبلی کے لئے ممبران کا چناؤ ہونے لگا اور اس غرض کے لئے بھی بہاولپور مجلس نے مجھے منتخب کیا اور اس طرح پاکستان دستور ساز اسمبلی میں بہاولپور کی نمائندگی کرنے اور ان کے حقوق کے لئے آواز اٹھانے کا مجھے موقع ملا۔

فیصل آباد کی ایک یادگار مسلم لیگ کانفرنس

یہاں میں لائل پور (فیصل آباد) میں منعقد ہونے والی ایک کل پاکستان مسلم لیگ کانفرنس کا ذکر کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں جس میں میری تقریر نے بیرون ریاست کے بہت سے لوگوں کی ریاست کے متعلق کئی غلط فہمیوں کو دور کیا اور سیاسی طور پر بہاولپور کو پاکستان میں ایک اہم مقام ملا۔

اس کانفرنس میں خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم پاکستان کے علاوہ مشرقی پاکستان سے مسٹر نور الامین وزیر اعلیٰ مشرقی پاکستان، صوبہ سرحد سے خان عبدالقیوم خان، سردار عبدالرب نشتر، پنجاب سے میاں ممتاز دولتانہ، نواب مشتاق احمد گورمانی، سعید احمد کرمانی نے شرکت کی تھی۔ تمام صوبوں سے ہزاروں کارکن کانفرنس میں شریک ہوئے تھے۔

کانفرنس کا پہلا اجلاس ۷ نومبر ۱۹۵۲ء ڈیڑھ بجے دوپہر کو مسٹر نور الامین کی صدارت میں ہوا تھا جس میں خواجہ ناظم الدین نے خطبہ افتتاحیہ پڑھا اور میاں دولتانہ نے تقریر کی۔ دوسرا اجلاس رات کو ساڑھے آٹھ بجے خان عبدالقیوم خان کی صدارت میں ہوا۔ اس میں مختلف تجاویز اور قرار دادیں پیش ہوئیں جو مسئلہ کشمیر، انسداد رشوت ستانی اور ملک کے دستور کی بلا تاخیر تشکیل سے متعلق تھیں۔ ۸ نومبر ۱۹۵۲ء کو تیسرا اجلاس رات کے آٹھ بجے سردار عبدالرب نشتر کی صدارت میں ہوا۔ اس میں میاں ممتاز دولتانہ اور نواب مشتاق احمد گورمانی نے بڑی معرکہ الآرا تقریریں کیں۔ یہ دونوں صاحبان بڑے فصیح و بلیغ تھے۔ خاص طور پر گورمانی صاحب کا جواب نہ تھا۔ میاں دولتانہ نے ان سے پہلے اپنی تقریر میں شکوہ و

شکایت کا جو دفتر کھولا تھا۔ گورمانی صاحب نے مرکز کی طرف سے اس کی صفائی پیش کی۔ ان کی تقریر تبحر علمی اور زبان و بیان پر قدرت کی آئینہ دار تھی۔ گورمانی صاحب کی تقریر ختم ہوئی تھی کہ میاں ممتاز دولتانہ نے مجھے خطاب کی دعوت دی اور ساتھ ہی میرے متعلق جو تعارفی کلمات فرمائے ان میں ان گہرے روابط کا بھی ذکر کیا جو ایک طرف پنجاب کو بہاولپور سے اور بہاولپور کو پنجاب سے ملائے ہوئے ہیں اور دوسری طرف خاندان دولتانہ کو خاندان مخدوماں کے ساتھ شیر و شکر کئے ہوئے ہیں۔

میری تقریر کی غیر معمولی پذیرائی

ایک سیاسی پھبتی کی زبان سے ان تعارفی جملوں سے میں خوش ہونے کے بجائے چوکنا ہو گیا۔ ویسے بھی ایسے بڑے جلسہ عام میں جہاں تمام منجھے ہوئے سیاستدان موجود تھے مجھے تقریر کرنے کا یہ پہلا موقع ملا تھا۔ شاید مجھ جیسا نو آموز سیاستدان کوئی اور ہوتا تو اس موقع پر ضرور چوکڑی بھول جاتا۔ لیکن خدا نے مجھے خود اعتمادی کی جو صفت عطا کی ہے اس نے مجھے خوفزدہ کرنے کی بجائے بیباک و دلیر بنا دیا اور میں بے خوف و خطر مائیک کے سامنے آیا اور نہایت صبر و تحمل کے ساتھ اپنی تقریر کا آغاز کیا۔

> "آپ یہ سنتے چلے آرہے ہیں کہ پنجاب پاکستان کا بازوئے شمشیر زن ہے لیکن یہ میں بتادوں کہ جنگ کے زمانے میں آپ کی شمشیر اور آپ کا بازو ایک چیز کا محتاج ہے۔ بازو اور شمشیر اس وقت تک اپنا کام نہیں کر سکتے جب تک آپ کے جسم کی حفاظت کے لئے ڈھال موجود نہ ہو۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ پاکستان کے استحکام اور دفاع کے لئے جب کبھی بازوئے شمشیر زن اٹھے گا تو بغیر کسی للکار کے ڈھال آپ کی حفاظت کے لئے سامنے آجائے گی"۔

اس آخری جملے پر کانفرنس میں شریک ہزاروں کارکنوں نے فلک شگاف نعرے لگائے اور اس پُرجوش نعروں کی گونج میں مجھے چند لمحوں کے لئے رکنا پڑا۔ لیکن پھر میں نے اپنا خطاب جاری رکھتے ہوئے کہا:

> "دنیا کے دور کو کسی نہ کسی نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ممکن ہے اس دور کو برطانیہ، روس، امریکہ ایٹمی دور سے موسوم کریں لیکن ہمارے لئے یہ نام اس لئے مناسب نہ ہوگا کہ ابھی ہم نے ایٹم تیار ہی نہیں کیا۔ اس زمانے میں عورت مرد سے حق طلب کرتی ہے۔ مزارع زمیندار سے حق مانگتا ہے اور رعایا حکومت سے حقوق طلب کرتی ہے۔ اس لئے اگر میں اس زمانے کو حق طلبی کا زمانہ کہوں تو مناسب ہوگا۔ حق طلبی کے اس زمانے میں میرا یہ حق

ہے کہ میں آپ کو یاد دلاؤں کہ آپ کو بھی کسی کے حق ادا کرنے ہیں اور جس بلند مرتبہ ہستی کے حقوق آپ کی طرف واجب الادا ہیں وہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات ہے۔ یاد رکھئے کہ کوئی قوم جو ایسی ذات سے وابستہ نہ ہو، جسے ہمیشہ کی بقا ہو خود بقا حاصل نہیں کر سکتی۔

مسلمانوں کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ وہ کوشش کریں اور نتائج کو اللہ پر چھوڑ دیں۔ میں آپ سے یہی درخواست کرتا ہوں کہ آپ نتائج سے بے پرواہو کر منزل مقصود کی طرف بڑھتے جائیں"۔

گورمانی صاحب نے اپنی تقریر میں اس اندیشے کا اظہار کیا تھا کہ دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت (پاکستان) کا بھی جو دستور بنایا جائے گا وہ انسانی کوششوں کے تحت آ کر نقائص کا حامل ضرور ہو گا۔ میں نے اس اندیشے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ واحد کے پرستاروں کے لئے اس قانون کا حوالہ دیا جسے خالق یکتا کے محبوب یگانہ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کی تمام امتوں کی رہبری ور ہنمائی کے لئے پیش فرمایا ہے اور جسے توحید کے بندے قانون الٰہیہ کے حسین و بلیغ نام سے موسوم کرتے ہیں۔ میں نے مزید کہا کہ۔

"میرا عقیدہ ہے کہ جب مسلمان اللہ کی طرف نگاہ کرتا ہے تو تائید ایزدی یقیناً اس کے شامل حال ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ طاقتور ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور قرآن کی شکل میں تبدیلی ممکن نہیں۔ پھر ایسے مکمل آئین کی موجودگی میں یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم جو دستور بنائیں اس میں نقائص رہ جائیں۔ ہاں ایک بات ممکن ہے۔ شاید ہم فرمان الٰہی کو سمجھنے میں غلطی کر جائیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ ہم اپنے ملک و ملت کے سامنے ایسا دستور پیش کریں گے جو اللہ اور اللہ کے رسول کے فرمان کے مطابق ہو گا"۔

میری تقریر کو لوگوں نے بہت پسند کیا اور اب تک جو یہ تاثر تھا کہ ریاستی عوام نہ سیاست کو سمجھتے ہیں اور نہ غیر ملکی سیاست میں کوئی اہم کردار ادا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اس کا میری تقریر سے خاصا توڑ ہوا اور میرے متعلق لوگوں کا جو یہ خیال تھا کہ یہ ناز و نعم میں پلا ہوا رئیس زادہ سیاست کے نشیب و فراز کیا جانے 'اس کی بھی خود بخود تردید ہو گئی۔

کانفرنس کے بعد پاکستان کے تمام لیڈروں نے میری تقریر کی تعریف کی اور مجھے اس کامیاب تقریر

کرنے پر مبارکباد دی اور مسلم لیگ نیشنل گارڈز نے بطور خاص مجھے سلامی دی اور میری عزت افزائی کی۔
یہاں ایک دلچسپ واقعہ بھی بیان کرتا چلوں کہ لائل پور میں میری تقریر سے ایک خاتون پروفیسر اتنی متاثر ہوئی تھیں کہ وہ مجھ سے شادی کرنے پر مصر تھیں۔ اس سلسلے میں دنوں ان کے محبت بھرے یکطرفہ خطوط بھی میرے پاس آتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک دن بہ نفس نفیس وہ خود کراچی آدھمکیں اور میں نے بڑی مشکل سے ان سے پیچھا چھڑایا۔

جمہوری حکومت کا پہلا بجٹ

۲۵ مارچ ۱۹۵۳ء کو بہاولپور کی پہلی جمہوری حکومت کا پہلا بجٹ پیش ہوا جو مسلم لیگ کے انتخابی منشور کی اساس پر تیار کیا گیا تھا۔ اب تک ہمارے مخالفین جو بغیر کسی جماعتی تنظیم کے مخالفت برائے مخالفت کے اصول پر عمل پیرا تھے اب انہوں نے سید حسین شہید سہروردی کے دامن میں پناہ لے لی تھی۔ اور ان کی قائم کردہ جناح عوامی لیگ میں شمولیت اختیار کر لی تھی۔ چنانچہ بہاولپور اسمبلی میں بھی جو مخالف ممبران منتخب ہو کر آئے تھے ان میں سے اکثر اس جماعت کی نمائندگی کرتے تھے۔ انہیں چوہدری عبدالسلام جو کسی زمانے میں ریاستی ملازمت میں رہے تھے اور اسسٹنٹ کمشنر کے عہدے سے فارغ ہو کر سیاست میں حصہ لینے لگے تھے اسمبلی میں حزب اختلاف کے لیڈر کا کردار ادا کرتے تھے۔ ان کے ساتھ مشہور کانگریسی لیڈر چوہدری رحمت اللہ بھی خاصے سرگرم تھے۔ ان کے علاوہ جماعت اسلامی اور آزاد پاکستان پارٹی کا بھی ایک رکن تھا جو حزب مخالف میں شامل تھے۔

بجٹ کے بجائے مسئلہ ختم نبوت پر تقاریر

بجٹ اجلاس میں بجٹ پر تو ان کی طرف سے کوئی خاص تنقید نہیں کی گئی لیکن مسئلہ ختم نبوت پر انہوں نے موقع بے موقع بہت سے نکات اٹھائے اور اپنی دانست میں بجٹ کی کارروائی میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی۔ اس زمانے میں تحریک ختم نبوت بڑے زوروں پر تھی۔ خاص طور پر پنجاب اس کا مرکز تھا۔ میاں ممتاز دولتانہ جو ان دنوں پنجاب کے وزیر اعلیٰ تھے انہوں نے کمال ہوشیاری سے اس تحریک کا رخ پنجاب سے ہٹا کر مرکزی حکومت کی طرف موڑ دیا تھا لیکن مرکز میں جو لوگ بیٹھے تھے کچی گولیاں انہوں نے بھی نہیں کھیلی تھیں۔ چنانچہ نتیجہ یہ نکلا کہ پنجاب میں مارشل لاء لگ گیا اور میاں ممتاز دولتانہ کی وزارت غفراللہ ہو گئی۔

ہمارے مخالفین بھی یہی صورت حالات بہاولپور میں پیدا کرنی چاہتے تھے۔ پہلے انہوں نے ریاست میں بھی اس تحریک کو خوب ہوا دی اور امن وامان میں خلل ڈالنے کی کوشش کی اور جب
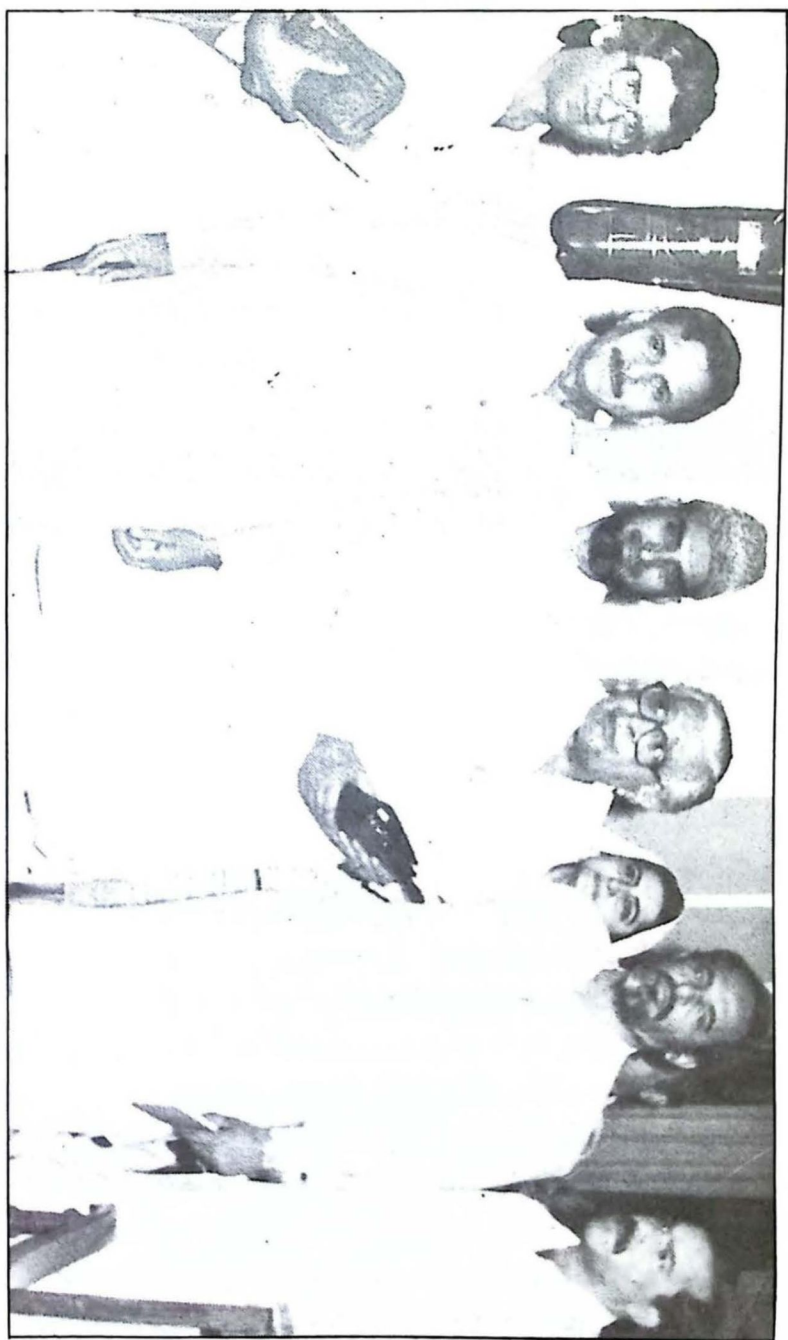
عوامی سطح پر انہیں کوئی کامیابی نہ ہو سکی تو انہوں نے بہاولپور اسمبلی کو اس غرض کے لئے استعمال کرنا چاہا۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ریاست بہاولپور میں مرزائیت کا کوئی فتنہ موجود نہ تھا اور یہ واحد ریاست تھی جو بہت عرصہ قبل مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے چکی تھی۔ لیکن ان حقائق کو پس پشت ڈال کر انہوں نے مسلمانوں کے اس جذباتی مسئلے سے بھی ناجائز طور پر فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ بہرحال میں نے ان کی طرف سے اٹھائے جانے والے سوالات کا آخر میں ایک مسکت جواب دے کر ان کا منہ بند کر دیا اور یہ بحث ختم ہو گئی۔ میں نے کہا تھا کہ۔

"پاکستان میں کوئی بھی ایسا مسلمان نہیں جو ختم نبوت پر ایمان نہیں رکھتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ جو شخص اس عقیدے سے اختلاف رکھتا ہے وہ کافر ہے۔
ہم جانتے ہیں کہ مسلمانوں کو مذہب کے نام پر ابھارا جاتا ہے لیکن ابھارنے والوں کی یہ حرکت ہرگز مستحسن نہیں قرار دی جا سکتی۔
میری رگوں میں خاندان نبوی کا خون موجزن ہے' اگر میں سمجھوں گا کہ ناموس رسول صلی اللہ علیہ وسلم خطرے میں ہے تو میں سب سے پہلے اپنی قربانی پیش کروں گا۔
ختم نبوت کے متعلق کوئی قرارداد ضامن نہیں ہو سکتی' اللہ نے انہیں خاتم النبیین بنایا ہے اور وہ ان کی نبوت کا محافظ ہے"۔

بجٹ پر میری تقریر

بجٹ پر میری تقریر ہماری تمام حکمت عملی کا احاطہ کرتی تھی اور ساتھ ہی اس سے یہ واضح ہوتا تھا کہ ہم اب تک کیا کچھ کر چکے ہیں اور آئندہ کیا عزائم رکھتے ہیں۔ بہرحال اس کے کچھ اقتباسات یہاں درج کروں گا۔

ہم نے آزادانہ اظہار خیال کی ہمیشہ اجازت دی۔ حالانکہ اسمبلی میں مسلم لیگی ممبران کی اکثریت تھی جہاں ہم جو چاہتے کر سکتے تھے لیکن اس کے باوجود مخالف ممبران کو کھل کر بولنے کی پوری اجازت تھی۔ چنانچہ غذائی صورت حالات پر بحث کے لئے ایوان کو پورا ایک دن دیا گیا جس میں مخالف ممبران نے حکومت کے خلاف خوب بھڑاس نکالی۔ ہم نے بڑے تحمل سے سب کی کڑوی کسیلی باتیں سنیں اور آخر میں حکومت کی طرف سے اس سلسلے میں جو اقدامات کئے گئے تھے وہ ایک ایک کر کے ہاؤس کے سامنے بیان کئے' سب سے پہلے میں نے معترضین کے انداز تنقید پر تبصرہ کیا اور کہا۔

"تمام تقاریر کا موضوع صرف یہ تھا کہ آج پاکستان کے لوگوں کی حالت

پست ہے۔ وہ فاقے کر رہے ہیں۔ آؤ دیکھو کہ یہ مر رہے ہیں' حالانکہ آج کی بحث کا مقصد یہ تھا کہ آپ حکومت کو بتاتے کہ اس کی کیا غلطیاں ہیں اور آپ کیا تجاویز رکھتے ہیں تا کہ یہ عمارت جو آپ کے خیال کے مطابق ڈھے رہی ہے گرنے سے بچ جائے۔

ہر چیز کا ایک پس منظر ہوتا ہے۔ جب ایک مریض کسی ڈاکٹر کے سامنے لایا جاتا ہے تو وہ پہلے نبض دیکھتا ہے اور اس کے سابق حالات کی تحقیقات کرتا ہے۔ وہ یہ بھی پوچھ سکتا ہے کہ کل رات مریض نے کیا کھایا تھا۔ پرسوں کیا تکلیف تھی۔ ان جوابات کی روشنی سے وہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ مرض کا علاج کیا ہونا چاہئے۔ اس لئے اگر آج کے ماحول کا علاج اور تشخیص کرنی ہو گی تو مجھے ۱۹۴۷ء سے پہلے کے حالات پوچھنے پڑیں گے کہ اس وقت آپ کا مرض کیا تھا تا کہ میں آپ کو بتا سکوں کہ آپ لوگوں کا مرض کیا ہے۔ جب حزب مخالف کے بنچوں کی طرف دیکھتا ہوں تو مجھے ایسے لوگ بھی نظر آتے ہیں جو ۱۹۴۷ء میں یہ کہتے تھے کہ پاکستان مت بناؤ"۔

میری تقریر جاری تھی کہ چوہدری رحمت اللہ نے دخل در معقولات کرتے ہوئے کہا "جناب صدر! یہ موضوع سے باہر جا رہے ہیں۔ ان کو غذائی مسئلے کے متعلق تقریر کرنی چاہئے۔ جس پر میں نے کہا کہ

"ابھی تو میں نے تشخیص بھی نہیں کی۔ مجھے علاج کا حکم دیا گیا ہے۔ مجھے اپنے اوپر اعتماد ہے اور مجھے مزید باتیں بھی آپ سے پوچھنی ہیں۔ ۱۹۴۷ء میں جب پاکستان اور ہندوستان کے وجود کو تسلیم کرنے کا سوال تھا تو اس وقت میرے دوست جو مخالف بنچوں پر بیٹھے ہوئے ہیں یہ کہتے تھے کہ پاکستان نہ بناؤ کیونکہ پانی نہیں ملے گا۔ کھانڈ نہیں ملے گی۔ کپڑا نہیں ملے گا۔ آج ان باتوں کا ٹکراؤ ہوتا ہے اس لئے میں موضوع سے بڑا دور نہیں ہوں۔ میرے دوست فرماتے ہیں کہ جہاں تک ریاست بہاولپور کا تعلق ہے اسے ہندوستان کے ساتھ شامل ہونا چاہئے کیونکہ اس کے پانی کا تعلق ہندوستان سے ہے۔

جناب صدر! یہی ہے وہ وجہ جس کے سبب آج ہم قحط سالی میں مبتلا ہیں۔ اب ہمارے دوست خود ہی گندم کا ماجرا سمجھ لیں۔ ہندوستان کی جب تقسیم ہو گئی تو وہی ہندوستان جس کے یہ گن گایا کرتے تھے آج اس نے یہ ثابت کر دیا کہ اس کی اصل تصویر کیسی ہے۔ ان جیسے مسلمانوں نے اس سے جو امیدیں

وابستہ کر رکھی تھیں وہ پوری نہیں ہوئیں۔ وہ ہمارا گلا گھونٹ کر ہمیں تباہ و برباد کرنا چاہتا ہے۔ شاید وہ مسلمانوں سے یہ انتقام لے رہا ہے کہ انہوں نے پاکستان کا ساتھ کیوں دیا تھا۔

بھارت نے دریائے ستلج، بیاس، چناب اور جہلم کا پانی کاٹنے کی اسکیمیں تیار کی ہیں اور ان پر عمل کر رہا ہے۔ جس کی وجہ سے آپ کے علاقے میں پانی کی کمی ہے۔ میرے دوست میری تقریر کے دوران جو گڑبڑ پیدا کرنے کی کوشش کر رہے تھے اس کی وجہ یہی تھی کہ میری باتوں سے ان کے دل پر چوٹ پڑتی تھی اور اس ہندوستان کی قلعی کھلتی تھی جس کے یہ حامی تھے اور جس کی طرف ہمیں لے جا رہے تھے۔ کیا بھارت ہمارے ساتھ جو کر رہا ہے وہ اس کے لئے جائز ہے۔ افسوس ہندو مہاراج کے گن گانے والے آج بھی یہ کہتے ہیں کہ ہم نے ہندوستان کو کیوں تقسیم کرایا۔

کہا گیا ہے کہ ریاست کے بہت سے باشندے غذائی بحران سے تنگ آ کر ریاست سے نقل مکانی کر گئے۔ لیکن شاید یہ لوگ نہیں جانتے کہ ریاست میں چنائی کے لئے لوگ ڈیرہ غازی خان اور مظفر گڑھ سے آتے ہیں اور چنائی کر کے واپس چلے جاتے ہیں۔ ان کی واپسی کو یہ غذائی قلت کا ذمہ دار قرار دے رہے ہیں۔ ریاستی آبادی کے اکثر رشتہ دار ریاست کی ملحقہ آبادی مثلاً لودھراں، منٹگمری، مظفر گڑھ، ملتان اور ڈیرہ غازی خان اور سکھر وغیرہ میں رہتے ہیں اور وہ یہاں آتے جاتے رہتے ہیں۔ ان لوگوں کے یہاں سے جانے کو نقل مکانی کیسے کہا جا سکتا ہے۔

خوراک کی کمی کی اصل وجہ بھارت کا وہ عمل ہے جس کی وجہ سے دریاؤں کا پانی ہم سے چھین لیا گیا ہے۔ میں پچھلے دنوں جو کینیڈا گیا تھا اس کی غرض و غایت یہ تھی کہ کامن ویلتھ پارلیمنٹری ایسوسی ایشن میں اس معاملے کو اٹھاؤں۔ چنانچہ میں نے وہاں بہاولپور اور پاکستان کے اس کامن ویلتھ پارلیمنٹری ایسوسی ایشن میں پانی کے معاملے کی نمائندگی کی ہے۔

بہرحال میری کینیڈا سے واپسی پر میرے وزیر خوراک نے بتایا کہ میری کوششوں کے نتیجے میں کافی مقدار میں گیہوں سنٹرل گورنمنٹ نے بہاولپور کو مہیا کر دیا۔ اس وقت بہاولپور میں اتنا اسٹاک موجود ہے کہ نئی فصل کی آمد تک آپ کی تکالیف دور ہو جائیں گی۔ ہم نے کونے کونے سے گندم جمع کی ہے اور

تشویش کی کوئی وجہ نہیں۔ گندم سے بھری ہوئی گاڑیاں برابر بہاولپور پہنچ رہی ہیں۔ دیہی اور شہری آبادی کے لئے کوٹہ مقرر کر دیا گیا ہے۔ حصولِ گندم کی سکیم پر باقاعدگی سے عمل ہو رہا ہے۔ ہر زمیندار سے بلا لحاظ فاضل گندم حاصل کی جارہی ہے اور انشاءاللہ کسی علاقے میں گندم کی فراہمی کی کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ نیز ہم نے ایسے انتظامات کر لئے ہیں کہ آئندہ ہمیں غلہ باہر سے منگانا نہیں پڑے گا اور اگلے سال ہم خود کفیل ہو جائیں گے"۔

بجٹ کی خصوصیات

۱۹۵۳ء کا یہ بجٹ اخراجات کے لحاظ سے تقریباً ۵ کروڑ روپے کا تھا جس میں آمدنی کے مقابلے میں ۴۸ لاکھ روپے کا خسارہ دکھایا گیا تھا۔ خسارے کے اس بجٹ پر حزب مخالف نے بڑی بغلیں بجائیں اور اس نے اسے ہماری حکومت کی ناکامی پر محمول کیا۔ لیکن واقفانِ حال جانتے ہیں کہ کسی حکومت کی کارگزاری کا اندازہ محض اس کے میزانیہ کے توازن یا عدم توازن سے نہیں لگایا جاتا بلکہ دیکھا یہ جاتا ہے کہ جو میزانیہ پیش کیا گیا ہے اس میں رفاہ عامہ، صنعت و حرفت اور تعمیرات و ترقی کے کاموں پر کتنا روپیہ صرف کیا گیا ہے اور یہ صرف بے جا تو نہیں۔ اگر حکومت ان امور کا خاطر خواہ خیال رکھنے کی وجہ سے اپنا میزانیہ متوازن نہ کر سکے تو اس پر نا اہلیت کا الزام نہیں لگایا جا سکتا۔ اندازہ کیجئے کہ ہم نے تعمیرات پر ۷۳ لاکھ ۸۵ ہزار روپے، طب اور حفظان صحت پر ۲۲ لاکھ اور تعلیم پر ۴۵ لاکھ ۹۲ ہزار روپے مخصوص کئے تھے۔ ہمارا نصب العین یہ تھا کہ ریاست کے انتہائی گوشے تک طبی سہولتیں بہم پہنچا دی جائیں۔ ہم نے پروگرام بنایا تھا کہ ہر نو میل کے بعد عوام کو ایک ڈسپنسری مہیا کی جائے۔ ہر تحصیل میں ایک اعلیٰ درجے کا ہسپتال ہو اور ہر ضلع میں ایک سو مریضوں کے ٹھہرنے کا بندوبست ہو۔

یہی صورت تعلیم کے سلسلے میں تھی۔ پچھلے چار سال کے اندر ریاست میں ۱۲۳ ثانوی، ۱۵ پرائمری، ۷ امدارس عربی، ۱۳ امدادی، ۲۸ لازمی پرائمری، ۸ برائے بالغاں اور ۲ نئے نارمل اسکول کھولے گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ طلبہ کی تعداد جو پہلے ۳۲۲۶ تھی وہ بڑھ کر ۹۸۵۳ ہو گئی۔ مزید برآں پرائمری تک تعلیم پانے کی فیس قطعی معاف کر دی گئی۔ ثانوی تعلیم میں مستحق اور نادار طلبہ کو فیس سے مستثنیٰ کر دیا گیا۔ اعلیٰ تعلیم پانے والوں کو وظائف دیئے گئے۔ ان اقدامات کی وجہ سے سال گذشتہ کی نسبت بالترتیب ۳۷۔ ۳۱ اور ۷۵ فیصد کا اضافہ ہوا تھا۔ جن کے معنی یہ تھے کہ یہ بجٹ رجعت پسندانہ نہ تھا بلکہ تعمیری و رفاہی تھا اور یہ کوشش کی گئی تھی کہ ترقی کے میدان میں حکومت بہاولپور کا قدم سرعت اور سلامت روی کے ساتھ آگے بڑھے۔

کچھ اہم اقدامات۔ مساجد اور آئمہ مساجد کی اصلاح

یہ بڑی تلخ حقیقت ہے کہ ہماری اکثر مساجد چندوں سے چلتی ہیں اور آئمہ کا گذارہ خیرات پر ہوتا ہے۔ ہم نے یہ کوشش کی کہ جہاں مساجد کی حالت بہتر بنائی جائے وہاں آئمہ مساجد اور علمائے کرام کے لئے بھی ایسے انتظامات موجود ہوں کہ وہ چندوں اور خیرات کے محتاج نہ رہیں۔ ان کی روزی کا معزز اور باوقار ذریعہ ہو۔

ریاست کے محکمہ امور مذہبیہ کے عہدیداروں کے فرائض میں شامل کیا گیا کہ وہ لوگوں کو اسلام کے احکام سے آگاہ کریں۔ صیغہ نکاح خواں کے عہدیداران کا فرض ہے کہ وہ بوقت دورہ عام مسلمانوں کو کلمہ طیبہ اور احکام ربانی یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کی پابندی کی ترغیب دیں اور منکرات شرعی اور فضول خرچی سے اجتناب کی تلقین کریں اور صاحب نصاب لوگوں کو ترغیب دیں کہ وہ زکوٰۃ، فطرانہ اور قربانی کی کھالوں کو یکجا کر کے بیت المال میں جمع کرائیں تاکہ مستحقین اور غریبوں کی امداد ہو سکے۔

غذائی فصل اگانے کا قانون

۲۲ اکتوبر ۱۹۵۳ء کو میں نے بہاولپور اسمبلی میں غذائی فصل اگانے کا قانون پیش کیا جس کو بحث و تمحیص کے بعد ایوان نے منظور کر لیا۔ مقصد یہ تھا کہ غذائی فصلوں کی ریاست میں کمی نہ ہو اور زیادہ سے زیادہ رقبہ پر اجناس خوردنی کاشت کی جائیں۔ میں نے اس مسودہ قانون پر تقریر کرتے ہوئے کہا تھا۔

> "اب جبکہ لوگوں کو صحیح صورت حالات کا علم ہو چکا ہے اور مسئلہ خوراک کی نزاکت کو سمجھنے لگے ہیں اور یہ جان گئے ہیں کہ بھوک کا علاج کپاس وغیرہ نہیں بلکہ گیہوں اور دیگر اشیا خوردنی ہیں تو امید ہے کہ وہ پھر گیہوں وغیرہ کی کاشت زیادہ سے زیادہ شروع کریں گے۔ موجودہ قانونی بل بہاولپور کے لئے نیا نہیں۔ یہ بل پاکستان کے تمام صوبوں میں نافذ ہے اور یہاں بھی سنٹرل گورنمنٹ کی ہدایت پر نافذ کیا جا رہا ہے۔ اس بل سے یہ مقصد نہیں کہ عوام کو بے جا سختیوں میں جکڑ لیا جائے۔ موجودہ بل کی دفعات اس قدر سہولت بخش ہیں کہ مجھے یقین ہے کہ ہمارے کاشتکار اور زمینداران پر آسانی سے عمل کر سکیں گے۔
>
> بعض اصحاب نے اعتراضات کئے ہیں کہ حکومت یہ قانون اس لئے بنا رہی ہے کہ اس کے ذریعہ عوام کو اپنی گرفت میں لے۔ اگر فاضل ممبران کسی اور

حکومت کے بارے میں ان خیالات کا اظہار کرتے تو شاید کوئی ان کی بات مان لیتا۔ مگر ان حضرات کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ مسلم لیگ کی حکومت ہے اور دنیا جانتی ہے کہ مسلم لیگ فقط جذبہ خدمت اور خلوص کے تحت کام کرتی ہے۔ رہا گرفتار کرنے کا سوال تو میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اگر حکومت خدانخواستہ ایسا ارادہ کرے تو اس کے لئے ضروری نہیں کہ وہ اس قانون کے منظور ہونے کا انتظار کرے۔ حکومت کے پاس پہلے ہی اتنے قوانین ہیں کہ اگر ان سے کام لے تو کوئی بھی ان کی گرفت سے باہر نہیں ہو سکتا۔ اب تک حکومت نے بہاولپور میں جس طور پر کام کیا ہے وہ سارے پاکستان میں اپنی مثال آپ ہے۔ چنانچہ فاضل ممبر کی معلومات کے لئے میں بڑے فخر سے اس کا اظہار کرتا ہوں کہ جماعتی رواداری کی یہ زبردست مثال ہے کہ موجودہ حکومت نے سیفٹی قوانین کا کسی پر استعمال نہیں کیا۔

بحمد اللہ میری پارٹی میں خدا ترس اور جذبہ خدمت سے سرشار لوگوں کی کمی نہیں نیز مسلم لیگ کے نصب العین کے مطابق حکومت عوام کی خدمت کرنے کا تہیہ کر چکی ہے اس لئے انشاء اللہ وہ پوری تن دہی اور ایمانداری سے عوام کی خدمت کرے گی۔

میرے فاضل دوستوں نے کہا ہے کہ وہ اس بل کو اس لئے منظور نہیں کریں گے کہ اس سے کپاس اور اس کی آمدنی کا نقصان ہو گا' افسوس انہیں اس سے سروکار نہیں کہ عوام کو اجناس کی کتنی ضرورت ہے۔ انہیں اس سے مطلب نہیں کہ قانون سے لوگوں کا کیا حال ہو گا۔ انہیں فکر ہے تو صرف اپنے حلوے مانڈے کی۔ مردہ جنت میں جائے یا جہنم میں۔ وہ چاہتے ہیں کہ اس میں غلے کی کمی رہے' بھوک اور فاقہ ہمیشہ کے لئے یہاں رہے۔ اللہ اللہ کیا انداز فکر ہے!"۔

بہرحال میری تقریر کے بعد یہ مسودہ قانون منظور کر لیا گیا۔

جنرل ایڈمنسٹریشن

جنرل ایڈمنسٹریشن کے بارے میں یکم اپریل ۱۹۵۳ء کو بہاولپور اسمبلی میں بحث ہوئی۔ حزب اختلاف کی طرف سے جو اعتراضات اٹھائے گئے تھے ان کا میں نے جواب دیا۔ ایک اعتراض اپوزیشن کی طرف سے یہ ہوا تھا کہ ہم نے آبیانہ کی شرح میں ایک روپیہ فی ایکڑ کا اضافہ کر دیا اور دوسرے ایگریکلچر انکم ٹیکس میں

اضافہ کیوں نہیں کیا۔ تیسرا اعتراض یہ تھا کہ ملازموں کی تنخواہوں میں تفاوت کیوں ہے۔ چوتھا یہ کہ بد دیانت افسروں اور نا اہل افسروں کو ملازمت سے کیوں علیحدہ کیا گیا۔ میں نے ان اعتراضات کا جواب دیا اور ساتھ ہی کہا۔

"مجھے خوشی ہے کہ آزادی کے بعد ہمارے لوگ اس قابل ہو گئے ہیں کہ وہ بڑی تیز رفتاری کے ساتھ ملک اور قوم کی ترقی کے خواہاں ہیں اور چاہتے ہیں کہ کوئی ایک نقص بھی باقی نہ رہے۔ میں خود بھی اسی کا خواہشمند ہوں۔ میں معترضین کا جواب بجٹ کے دوران دے چکا ہوں لہٰذا ان کا اعادہ نہیں ہو گا۔ البتہ چوہدری عبدالسلام نے اپنی تقریر میں جس سیاسی گفتگو کا حوالہ دیا ہے وہ خود چونکہ اسے صیغہ راز میں رکھنے کے پابند نہیں رہے اس لئے اس سے جو غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے اس کا ازالہ ضروری سمجھتا ہوں۔

میں سمجھتا ہوں کہ سرزمین بہاولپور ایک ایسا خطہ ہے جہاں میں تہہ دل سے ایک مثالی حکومت قائم کر کے تمام پاکستان کے دوسرے صوبوں کی رہنمائی کے لئے ایک مشعل راہ روشن کر دینا چاہتا ہوں۔ اور میری خواہش ہے کہ یہ کارنامہ ایک بے مثال کارنامہ ہو۔ دوسرے میں یہ چاہتا ہوں کہ حزب مخالف سے نہایت خلوص کے ساتھ اور نیک نیتی سے تعاون کر کے ان کے اشتراک عمل کو حاصل کیا جائے۔ اور اسی اسمبلی میں اپنی حکومت کی طرف سے دعویٰ کرتا ہوں کہ ہم حزب مخالف کے لیڈر کے وقار کو بلند کر کے اس کو عالی رتبت وزراء کی طرح موزوں تنخواہ دلانا چاہتے ہیں اور آج میں اس امر کا انکشاف بھی کر دینا چاہتا ہوں کہ اس مقصد کے لئے ایک بل زیر ترتیب ہے کہ اس ہاؤس میں حزب مخالف کے لیڈر برطانوی پارلیمنٹ کی طرح تنخواہ دار ہوں۔

میری تقریر میں مداخلت کرتے ہوئے چوہدری رحمت اللہ نے کہا کہ "یہ ایک دانہ ہے"۔ میں نے کہا کہ۔

"یہ کوئی دانہ نہیں۔ گھبرایئے نہیں۔ دراصل یہ ایک دانائی کی بات ہے۔ یہ بل واقعی زیر ترتیب ہے۔ یہ دانے اور لالچ کی بات نہیں۔ جس طرح وزراء اپنا سارا وقت سرکاری کام میں صرف کر کے تنخواہ پاتے ہیں اسی طرح لیڈر آف اپوزیشن بھی سرکاری امور میں حکومت کا ہاتھ بٹانے کے لئے اپنا قیمتی وقت صرف کرتے ہیں اور اس کا انہیں بھی معاوضہ ملنا چاہئے۔ یہ کوئی سازش نہیں اور نہ مجھے اس کی ضرورت ہے۔ خدا کے فضل و کرم سے مسلم لیگ

نہایت مستحکم اور عوام کی نظروں میں بے حد مقبول ہے۔

جہاں تک ریڈ سگنل اور سپیڈ کا تعلق ہے میں تو سو میل کی سپیڈ سے بھی نہیں گھبراتا اور نہ ریڈ سگنل سے ڈرتا ہوں۔ سوال اٹھایا گیا ہے کہ ریل کی پٹڑی بچھائی جائے۔ اس پر ریڈ سگنلز ہوں۔ سٹیشن ہوں۔ پلیٹ فارم ہوں۔ تو پھر اپوزیشن بھی میری زیادہ سپیڈ سے نہیں ڈرے گی۔ مگر میں یہ بتا دوں کہ ریل کی پٹڑی بھی موجود ہے۔ ریڈ سگنلز بھی ہیں۔ اسٹیشن بھی قائم کئے جا چکے ہیں۔ مگر فرق یہ ہے کہ جہاں میرے بھائی گاڑی کے پچھلے ڈبوں میں سوار ہیں وہاں میں گاڑی کے انجن میں سوار ہوں اور جونہی گاڑی کا انجن ریڈ سگنل کے قریب آ گیا اور گھبراہٹ میں وہ گاڑی سے چھلانگ لگا کر نیچے گر پڑتے ہیں اور اپنا سر پھوڑ دیتے ہیں، مگر میں انجن میں بیٹھے ہوئے اصل حقیقت کو خوب سمجھتا ہوں کہ ریڈ سگنل کراس نہیں ہوا۔

اس دلچسپ اور علامتی گفتگو کے بعد کہا۔

"میں پوری ذمہ داری سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ریاست بہاولپور کی گرانقدر ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو اہوں۔ مجھے قانون کی عظمت کا بھی پورا احساس ہے۔ دور غلامی کے بعض قوانین Imperialism کے مقصد بنائے گئے تھے اور ان میں سے بعض حق و انصاف اور سچائی کے راستے میں روڑے اٹکاتے ہیں۔ اگر ایسے قوانین رشوت ستانی کو دور کرنے میں رکاوٹ بنیں تو میں دانستہ انہیں توڑتا ہوں اور توڑتا رہوں گا۔ قانون اس لئے ہوتے ہیں کہ ایڈمنسٹریشن اہلیت کے ساتھ چل سکے لیکن جو عمدگی کی راہ میں روڑے اٹکائیں انہیں جمہوری حکومت میں توڑنا ہی پڑے گا"۔

۲۱ افسران کی برخاستگی

اس سلسلے میں اپوزیشن نے بڑا شور مچایا ہے۔ میں نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا،

"جہاں تک ۲۱ افسروں کو واپس لینے کے متعلق اپوزیشن کا مطالبہ ہے میں ان ۲۱ افسران کو واپس لینے کے لئے تیار ہوں مگر ایک شرط پر اور وہ یہ کہ چوہدری صاحب ان سے درخواست لکھوا کر دلوا دیں کہ ہم جو قدم بھی اٹھائیں گے انہیں منظور ہو گا۔ جناب والا! یہ ۲۱ افسران وہ ہیں جن میں سے اکثر اپنا عرصہ ملازمت ختم کر بیٹھے ہیں۔ چارج شیٹ کے بعد انہیں پنشن نہیں مل سکتی اور وہ

ڈسمس Dismiss ہو جائیں گے۔ میں نے یہ قدم اس لئے اٹھایا ہے کہ انہیں پنشن کا حق رہے۔ ان میں سے تین چار ایسے تھے کہ جن سے میں نے یہ کہا تھا کہ انہیں Prosecute کرایا جائے۔ میرا خیال ہے کہ اس پر تو آپ کو کوئی اعتراض نہ ہونا چاہئے' آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ ان بڑے افسروں میں سے ایک نے آکر یہ بھی کہا کہ میں مستعفی ہوتا ہوں۔ کیونکہ Trial face نہیں کر سکتا۔ میں اب بھی آپ سے دو باتیں کہتا ہوں اور وہ یہ کہ آپ کسی ایک افسر پر ہاتھ رکھ کر یہ بتائیں کہ اس نے الیکشن میں ہماری امداد کی تھی۔ میں آج اسے واپس لینے کو تیار ہوں۔ بشرطیکہ وہ یہ لکھ دے کہ Trial اور چارج شیٹ لینے کے لئے تیار ہے۔ اس موقع پر یہ بھی عرض کر دوں کہ تقریباً ۱۸ افسران اور بھی ہیں جن کی لسٹ عنقریب آنے والی ہے۔
"سکیورٹی آف سروس کے ضمن میں رشوت ستانی کا ذکر کیا گیا ہے اِس کے متعلق واضح طور پر کہہ دینا چاہتا ہوں کہ حکومت اپنی کارروائی کی پابند ہے۔ میرے دوست دیانت دار افسروں کی تعریف کی ہے۔ لہٰذا ان کی Insecurity کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جہاں تک بد دیانت افسروں کا تعلق ہے ان کے لئے Security نہیں۔ بلکہ Insecurity ہونی چاہئے۔ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ انہیں ہر وقت نکالا جا سکتا تھا۔ لہٰذا انہیں اپنی Security کے پیش نظر عوام میں اعتماد پیدا کرنا چاہئے۔ مجھے خوشی ہے کہ دیانتدار افسر ۱۲ سے ۱۸ گھنٹے کام کرتے ہیں۔ مجھے ان پر بھروسہ ہے اور انہیں یہ اعتماد ہے کہ ان کے کاروبار میں دخل نہیں دیا جاتا۔"

جہاں تک تنخواہ کے متعلق اعتراضات کا تعلق ہے میں اتنا بتا دینا چاہتا ہوں کہ ان افسروں نے پچھلے سال یا چودہ ماہ کے دوران یہ ترقی کی ہے کہ ان کی تنخواہ ۹۰۰ سے ۱۴۰۰ تک کر دی گئی ہے۔ اصول یہ ہے کہ کوئی افسر Revision of Scale کے مطابق دو ڈھائی صد سے زیادہ نہ لے۔ ہائیکورٹ کے جج صاحبان کو Revised Scale سے پانچ سو سے زیادہ کا فائدہ ہوا ہے۔
جہاں تک سروسز کا تعلق ہے ہم نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ ان کے سکیل پنجاب کے برابر کر دیں گے۔ وہ ہم نے وعدہ پورا کر دیا"۔

پاکستان کی گاڑی پٹڑی سے اتر گئی۔

اِدھر ہم بہاولپور کو جمہوری خطوط پر استوار کرنے اور یہاں کے باشندوں کی ترقی و بہبود کی کوششوں میں مصروف تھے اُدھر پاکستان نئی سیاست سے دوچار ہو رہا تھا۔ ختم نبوت کی تحریک نے کئی صاحبان کے اقتدار کا دھڑن تختہ کر دیا تھا۔ اس کی لپیٹ میں آ کر میاں ممتاز دولتانہ پنجاب کے وزیر اعلیٰ کے عہدے سے الگ ہوئے تھے۔ اب غلام محمد گورنر جنرل پاکستان نے خواجہ ناظم الدین کی کابینہ کو بھی برخاست کر دیا تھا اور ان کی جگہ مسٹر محمد علی بوگرا کو وزارت عظمیٰ کا عہدہ سونپا گیا تھا۔ ان کی برطرفی کا اعلان کرتے ہوئے مسٹر غلام محمد گورنر جنرل پاکستان نے کہا تھا کہ ان کی کابینہ قومی مسائل کو حل کرنے میں ناکام رہی ہے۔ دراصل یہی وہ وقت تھا جب پاکستان کی گاڑی پٹڑی سے اتری تھی اور پاکستانی سیاست سازشی عنصر کے چنگل میں آ گئی تھی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پاکستان کا جمہوری سفر غلط راستے پر چل نکلا اور صحت مند سیاست کی جگہ جوڑ توڑ کی سیاست نے لے لی۔ بہرحال ہم نے اس تبدیلی کا اس امید پر خیر مقدم کیا کہ نئی قیادت ملک کا نظام جمہوریت کے اصول پر چلائے گی۔ ملک کے نظم و نسق کو خویش پروری' بدنظمی و بدعنوانی سے پاک کرے گی۔ اقتصادی صورتحال اور غذائی قلت کو دور کرے گی اور بہاولپور کی ترقی میں خصوصی دلچسپی لے گی۔

تبدیلی کا میری ذات پر اثر

جب ملک غلام محمد نے خواجہ ناظم الدین کو علیحدہ کر کے محمد علی بوگرا کو وزیر اعظم بنایا تھا تو میں نے دلی طور پر اس تبدیلی کو قبول نہیں کیا تھا۔ میں خواجہ ناظم الدین کا نہ صرف یہ کہ مداح تھا بلکہ انہیں ایک شریف اور صاف ستھرا سیاستدان سمجھتا تھا۔ اس لئے میں نے وزارت عظمیٰ سے علیحدگی کے باوجود خواجہ صاحب کا ساتھ نہ چھوڑا اور برابر نیاز مندی کے تعلقات ان سے قائم رکھے۔ اس بنا پر مرکزی حکومت میں میرے متعلق جو نرم گوشہ تھا وہ باقی نہ رہا اور ایک طرح سے میں زیر عتاب آ گیا۔ ان حالات سے فائدہ اٹھانے کی میرے مخالفین نے پوری کوشش کی اور میرے خلاف از سر نو مہم کا آغاز کیا۔ ان کے وفد بھی وزیر اعظم پاکستان سے ملے لیکن وہ جو کہتے ہیں کہ جسے خدا رکھے اسے کون چکھے۔ ان کی تمام کوششیں بے کار گئیں اور میرا بال تک بیکا نہ ہو سکا۔ ویسے بھی میرا دامن صاف تھا۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ میں نے سیاست میں ذاتی نوعیت کا کبھی کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ بلکہ میں تو وہ واحد سیاست دان تھا جو گھر پھونک تماشا دیکھ کے مقولے پر عمل کر رہا تھا۔ لاکھوں روپیہ اس کی نذر کر دیا۔ لاکھوں کے کاروبار کا بھٹہ بٹھایا لیکن میں نے پھر بھی اف نہ کی اور برابر اپنے مشن کو جو بہاولپور میں جمہوری اقدار کے فروغ اور ریاستی عوام کو ترقی و بہبود کے لئے مخصوص تھا جاری رکھا۔

میری کابینہ کے ایک رکن بھی مخالفین میں شامل ہو گئے

بہر کیف میرے مخالفین اور تو کچھ نہ کر سکے البتہ میری کابینہ کے ایک رکن کو میرے خلاف استعمال کرنے میں کسی حد تک کامیاب ہو گئے۔ مجھے اس کا ذکر کرتے ہوئے بڑا دکھ ہوتا ہے۔ یہ رکن کابینہ سردار محمد افضل خان لغاری تھے جنہیں میں نے وزارت مال کا نہایت اہم محکمہ سونپا تھا۔ میں انہیں چچا کی جگہ سمجھتا تھا اور ایک شفیق بزرگ کی طرح ان کا احترام کرتا تھا۔ لیکن کچھ تو ان کی خود پسندانہ طبیعت تھی جو انہیں کسی نظام کے تابع بننے میں رکاوٹ تھی۔ دوسرے اسے میرے مخالفین کی فتح سے تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے میرے ایک نہایت قابل اعتماد ساتھی کو مجھ سے توڑ لیا تھا۔ اس کے دراصل اور بھی کئی محرکات تھے۔ جس میں سب سے بڑا محرک خود ان کے ایک بھائی سردار اجمل خان تھے جو بہاولپور اسمبلی میں جماعت اسلامی کے ٹکٹ پر منتخب ہوئے تھے۔ ان کا چونکہ دوسری مخالف جماعتوں سے اتحاد تھا جن کی مشترکہ کوشش میری وزارت کو ختم کرنا تھی اس لئے انہوں نے اپنی مہم کی کامیابی کے لئے سردار محمد افضل خان کی خدمات حاصل کرنا ضروری سمجھیں۔ لغاری خاندان کو مخالف جماعتوں نے یہ جھانسہ بھی دیا تھا کہ اگر ان کی مہم کامیاب ہو گئی تو بہاولپور کا سیاسی اقتدار آسانی کے ساتھ انہیں منتقل ہو جائے گا۔ سردار محمد افضل خان کے ایک بھائی ریاست کے پولیس کمشنر اور ایک بھائی اعلیٰ حضرت امیر بہاولپور کے ذاتی شاف میں شامل تھے۔ ان اثرات کو بھی لغاری خاندان نے میرے خلاف استعمال کیا اور بہت سے سرکاری ملازمین کو اپنی ریشہ دوانیوں میں اپنے ساتھ ملا لیا۔

یہ صورت حالات خاصی خراب تھی۔ مجھے کئی محاذوں پر لڑائی کا سامنا تھا۔ لیکن میں ان سے قطعی نہ گھبرایا اور اپنے کاموں میں بدستور منہمک رہا۔ صرف اتنا ہوا کہ جب مجھے یقین ہو گیا کہ سردار صاحب نے میرے مخالفین سے مکمل طور پر گٹھ جوڑ کر لیا ہے اور یہی نہیں کہ میری کابینہ کے ممبر ہونے کے باوجود میری کوئی بات نہیں مانتے بلکہ میری پالیسیوں اور منصوبوں کی راہ میں بھی مزاحم ہوتے ہیں تو میں نے انہیں پہلے اصولی طور پر متنبہ کر کے انہیں راہ راست پر لانے کی کوشش کی۔ لیکن جب تنبیہ کا بھی ان پر کوئی اثر نہ ہوا تو میں نے ان سے کہا کہ بہتر ہو گا وہ وزارت سے مستعفی ہو جائیں۔ اس سلسلے میں ان سے کافی خط و کتابت بھی ہوئی۔ لیکن وہ میری بات ماننے کے بجائے خود مجھ سے مستعفی ہونے کا مطالبہ کرنے لگے وہ اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ شاید اسمبلی کے مسلم لیگی ارکان کی اکثریت ان کے ساتھ ہے۔ لیکن جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہو گا کہ اس میں کوئی حقیقت نہ تھی۔ سردار محمد افضل خان صاحب نے علامہ ارشد اور ولی اللہ صاحب سے مل کر ان کے اخبار کا ایک نمبر میرے خلاف نکلوایا اور مرکزی حکومت کے چیدہ چیدہ افراد کو بھجوایا۔

جمہوری روایات کے خلاف ہٹ دھرمی کا مظاہرہ

جمہوری روایات تو یہ تھیں کہ جب کابینہ کا کوئی معتبر سربراہ کابینہ سے اختلاف کرنے لگے تو وہ کابینہ کی رکنیت سے خود الگ ہو جائے لیکن سردار صاحب ان جمہوری روایات کی کیا پروا کرتے تھے۔ انہیں تو ان طاقتوں پر گھمنڈ تھا جن کا ذکر میں اوپر کر چکا ہوں اور ان کی موجودگی میں وہ یہ تصور نہیں کر سکتے تھے کہ کوئی انہیں وزارت سے ہٹا سکتا ہے۔ میں نے ان کے لحاظ اور خاندانی روابط کی وجہ سے اب تک ان کا جو خیال کیا تھا اسے شاید وہ میری کمزوری پر محمول کرتے تھے۔ لیکن بالاخران کی یہ غلط فہمی بھی دور ہو گئی اور جب میرے کہنے پر وہ خود وزارت سے مستعفی نہ ہوئے تو میری تحریک پر اعلیٰ حضرت نے انہیں برطرف کر دیا۔ یہاں میں یہ بھی بتادوں کہ مرکزی حکومت یوں تو میرے خلاف کوئی کارروائی نہ کر سکی تھی اور میرے مخالفین کو بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکی تھی لیکن بربنائے دشمنی اس نے یہ ضرور کیا کہ جب اعلیٰ حضرت نے سردار محمد افضل خان کی برطرفی کے احکام بذریعہ ٹیلی گرام لندن سے بھیجے تو یہ ٹیلی گرام مرکزی حکومت نے دبا لیا۔ کچھ روز بعد جب مجھے اس کا پتہ چلا تو میں نے اس کے مطابق کارروائی کی اور لغاری صاحب کو برطرف کر دیا۔

ان کی اس برطرفی کے حق میں بہاولپور مسلم لیگ نے نہ صرف قرارداد منظور کی بلکہ انہیں مسلم لیگ کے تمام عہدوں سے بھی ہٹانے کا فیصلہ کیا۔ مسلم لیگ پارلیمنٹری پارٹی نے ان کی برطرفی کی تائید و حمایت کی۔ اپنے خلاف ان اقدامات کے بعد انہیں اپنی حقیقت کا پتہ چل جانا چاہئے تھا اور جس خوش فہمی میں وہ مبتلا تھے کہ اسمبلی کے ممبران کی اکثریت ان کے ساتھ ہے اسے بھی ختم ہو جانا چاہئے تھا لیکن اس ہزیمت کے باوجود وہ نچلے نہیں بیٹھے اور کچھ نہیں تو انہوں نے میرے خلاف الزامات لگانے شروع کر دیئے، الزامات بھی بددیانتی اور بدعنوانیوں کے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اپنے لگائے ہوئے الزامات میں ان کی حیثیت سلطانی گواہ کی ہوگی۔ چنانچہ انہوں نے ان الزامات کی نہ صرف اخبارات میں خوب خوب تشہیر کی بلکہ اعلیٰ حضرت اور حکومت پاکستان کو بھی باقاعدہ شکایت کی صورت میں پیش کئے۔ اس سلسلے میں ان کی حالت دیدنی تھی۔ کبھی وہ صادق گڑھ پیلس کے طواف کرتے نظر آتے اور کبھی کراچی کا رخ کرتے۔

ایک مرحلے پر نواب مشتاق احمد گورمانی نے جو اس وقت وزیر داخلہ تھے مداخلت کر کے ہمارے درمیان مصالحت کی کوشش کی۔ لیکن جب یہ بیل بھی منڈھے نہ چڑھ سکی تو مجھے پرائم منسٹر ہاؤس میں طلب کر کے ڈرایا گیا اور ایڈولگانے کی دھمکی دی گئی۔ میں نے پرائم منسٹر ہاؤس سے واپس آ کر استعفیٰ لکھا اور گورمانی صاحب کو بتادیا کہ میں مستعفی ہو رہا ہوں۔ انہوں نے مجھ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ میرے ملنے پر انہوں نے استعفیٰ واپس لینے پر مجھے راضی کر لیا اور میں اپنے دشمنوں کے خلاف جس طرح پہلے ڈٹا ہوا تھا اسی طرح ڈٹا رہا اور ان کے ہر وار کو اپنے سینے پر روکتا رہا۔

الزامات کی نوعیت

میرے خلاف جو الزامات لگائے گئے تھے وہ زیادہ تر سیاسی نوعیت کے تھے اور یہ کہا گیا تھا کہ میں نے سیاسی مفاد کے لئے کچھ سابق وزراء ' ایم ایل اے اور کچھ مسلم لیگی کارکنوں کو ناجائز مراعات دی تھیں۔ سب سے بڑا الزام میری ذات پر بددیانتی کا یہ تھا کہ میں نے صادق آباد کے ایک متروکہ کارخانے میں کراچی کے ایک کاروباری صاحب کو اس لئے حصہ الاٹ کیا تھا تاکہ اس کے بدلے میں ان صاحب سے مبینہ طور پر اپنے کاروبار کے لئے ایک نہایت موزوں جگہ حاصل کر سکوں۔ ایک الزام کرنل فقیر وحیدالدین مرحوم کے سلسلے میں مجھ پر یہ تھا کہ میں نے ناجائز طور پر انہیں تجارتی مراعات دی تھیں۔

میرے پاس ان الزامات کا کافی وشافی جواب تھا۔ لیکن ان الزامات کے سلسلے میں نہ اعلیٰ حضرت نے اور نہ حکومت پاکستان نے مجھے قصوروار قرار دے کر کبھی میری جواب طلبی کی اور چونکہ انہوں نے ذاتی دشمنی کے تحت اسے الزام تراشی سے زیادہ حیثیت نہیں دی تھی۔ اس لئے میں نے بھی جواب جاہلاں باشد خموشی کے مقولے پر عمل کیا اور اپنا جمہوری سفر جاری رکھا۔ البتہ لغاری صاحب کے اثرات زائل کرنے کے لئے ان کے بھائی سردار رحیم خان لغاری آئی جی پولیس کو برطرف یا کسی اور آسامی پر تعینات تو نہیں کیا لیکن انہیں بے اثر کرنے کے لئے اے آئی جی پولیس کی ایک آسامی نکال کر اس پر ملک محمد شبیر کا تقرر کر دیا جن کا ملازمتی ریکارڈ بھی مثالی تھا اور وہ سیاست سے بھی قطعی بے تعلق تھے۔ مزید بر آں ریاست کے چیف سیکرٹری جو ریاستی سیاست میں اکثر سرگرم رہتے تھے انہیں بھی تبدیل کر دیا۔

افسران کو میرا انتباہ

میرے سامنے ریاست کی ترقی کے بہت سے منصوبے تھے۔ میں ان پر جلد از جلد عمل درآمد کرانا چاہتا تھا۔ لیکن اس چپقلش کے نتیجے میں جن سرکاری ملازمین نے لغاری صاحبان کی ہمدردی میں میرے کاموں میں رکاوٹ ڈالنی شروع کر دی تھی انہیں راہ راست پر لانے کے لئے مجھے حکومت کی گرفت کو کچھ زیادہ مضبوط کرنے کی ضرورت تھی۔ اس لئے میں نے مختلف مواقع پر انہیں انتباہ بھی کیا اور پیار اور محبت سے بھی انہیں اپنے فرائض منصبی دیانتداری کے ساتھ انجام دینے کی تلقین کی۔ اس سلسلے میں ریاستی افسران کی ایک کانفرنس بلائی جس میں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں اور پولیس افسران کو بطور خاص شمولیت کی دعوت دی۔ اس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے میں نے کہا تھا۔

> "رشوت خوری کی بیخ کنی' جرائم کے تدارک اور چور بازاری کا قلع قمع کرنے اور ریاست کی اقتصادی حالت کو ترقی دینے کے لئے ضروری ہے کہ اپنی تمام قوتوں کو مجتمع کر کے کم سے کم وقت میں جلد از جلد کامیابی حاصل کی جائے۔

ان مقاصد کے جلد از جلد اور تسلی بخش نتائج اسی وقت حاصل ہو سکتے ہیں جب ملازمین اپنے طرزِ عمل کو یک لخت بدل کر اپنے آپ کو عوام کا خادم تصور کرنے لگیں۔

حکام ضلع کو جن کا معیار زندگی اور تعلیمی حالت بلند ہے، چاہئے کہ اپنے علاقوں میں افسروں کی طرح نہیں بلکہ عوام کے خادم کی حیثیت سے اکثر دورے کیا کریں۔ عوام کو معاشرے میں ان کے فرائض اور ذمہ داریاں سمجھائیں۔ ان کی تکالیف کو سن کر جس قدر جلد ممکن ہو قانون کی حدود کے اندر رہ کر رفع کریں۔ عوام میں ایسے جذبات پیدا کرنے چاہئیں کہ وہ عوام کو اپنا مربی اور بہی خواہ سمجھیں اور ان کو حکام تک پہنچنے میں دشواری نہ ہو۔ ملازمین سرکاری ملازمت کو قدیم غیر ذمہ دار حکومت کا ورثہ سمجھنا ترک کر دیں اور طریق ملازمت کو یک لخت بدل دیں۔

اگر کوئی ایسا عنصر باقی رہتا ہے جو اپنی غیر معاشرتی حرکتوں کو ترک نہیں کرتا اور باوجود متواتر مساعی اور انتباہ کے راہ راست پر نہیں آتا تو اس کے ساتھ ایسی کارروائی کرنی چاہئے جو دوسروں کے لئے درس عبرت بن سکے میں چاہتا ہوں کہ معاشرے کے تمام ناسور جلد از جلد مندمل ہو جائیں۔ اس انتباہ کا خاطر خواہ اثر ہوا اور حکومتی مشینری کے کل پرزے ٹھیک ٹھاک چلنے لگے"۔

غذائی قلت دور کرنے کیلئے ایک آرڈیننس کے اجرا کی سفارش

اس کے بعد میں نے غذائی و زرعی پلاننگ کونسل کا اجلاس بلا کر غذائی قلت دور کرنے کے سلسلے میں مختلف تجاویز پر غور کیا۔ میں نے اس اجلاس میں ایک آرڈیننس کی سفارش کی جس کے ذریعہ حکومت ان نجی زمینوں کے مالکان کے خلاف جنھوں نے ابھی تک اپنی اراضیات پر کاشت شروع نہیں کی قانونی کارروائی کی جاسکے۔ مزید یہ بھی سفارش کی کہ حکومت فوری طور پر محکمہ خوراک کی امداد کے لئے محکمہ جات پولیس اور مال کے سینئر افسران کا تقرر کرے تاکہ وہ آئندہ ۶ ہفتے تک لیوی کی گندم کے حصول میں خاص طور پر مدد دیں۔

ان تجاویز کے ساتھ ہم عوام کی فلاحی قسم کی امداد سے بھی غافل نہ تھے۔ چنانچہ ہم نے غلہ کی قلت کے باوجود رمضان المبارک میں گندم کے نرخ میں خاصی کمی کی۔ پہلے گندم کے نرخ ساڑھے سولہ روپے فی من تھے لیکن رمضان المبارک میں یہی گندم ڈپوؤں پر ساڑھے تیرہ روپے فی من بیچنے کا حکم جاری کیا۔ یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ حکومت نے یہ گندم گراں نرخ پر خریدی تھی اور اس کے نرخ میں جو

کی عوام کی بہبود کے لئے کی گئی تھی اس سے تقریباً ساڑھے تین لاکھ روپے کا خسارہ ہونا تھا لیکن ہم نے عوام کی خاطر اس کی پروانہ کی۔

نازک حالات میں مخالفین کا کردار

تعجب ہے ملک غذائی بحران سے دوچار تھا۔ بھارت نے دریائے ستلج کا رخ موڑ کر ریاست کی معیشت پر کاری ضرب لگائی تھی۔ ہزاروں ایکڑ اراضی کے بنجر ہونے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا لیکن ایسے وقت میں بھی ہمارے مخالفین ذاتیات میں الجھے ہوئے تھے۔ انہوں نے اس خطرے کی طرف سے بالکل آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔ ہمارا اندازہ تھا کہ بھارت کے اس اقدام سے ریاست کی زرعی اراضی میں سے بیس لاکھ ایکڑ زمین بنجر ہو جائے گی۔ ہم تو اس فکر میں تھے کہ کسی طرح اس خطرے کا مقابلہ کیا جائے اور ہمارے مخالفین تھے کہ وہ صرف مجھے پچھاڑنے کی ترکیبیں کر رہے تھے۔ عین اس وقت جب بھارت کی طرف سے ریاست کی معیشت کو تباہ کرنے کے لئے یہ قدم اٹھایا گیا تھا بہاولپور میں جناح عوامی لیگ کی طرف سے ایک جلسہ عام منعقد کر کے مقررین نے یہ مطالبہ کیا کہ حسن محمود کو فی الفور برطرف کیا جائے۔ اس جلسے کے صدر ہی نہیں بلکہ روح رواں بھی حسین شہید سہروردی تھے۔ جنھوں نے یہ بھی اعلان کیا تھا کہ میں پاکستان کے گوشے گوشے میں ریاست کی بدعنوانیوں کی تشہیر کروں گا۔ کاش وہ اس جلسے میں بھارتی اقدام کی کم از کم مذمت ہی کر دیتے ان جیسے بڑے لیڈر سے یہ توقع عبث نہ تھی لیکن دراصل وہ اس فکر میں تھے کہ اگر پاکستان کے کسی اور گوشے سے وہ اپنے حامیوں کی کوئی بڑی فوج جمع نہ کر سکے تو بہاولپور کے کچھ لوگ تو ان کی ہاں میں ہاں ملانے والے پیدا ہو جائیں چنانچہ انہیں خوش کرنے کے لئے وہ یہ سب کچھ کر رہے تھے۔

مولوی تمیزالدین نے ہمارے زخموں پر پھایا رکھا

بہرحال ہمارے لئے یہ بات وجہ طمانیت تھی کہ مخالفانہ شورش میں بھی ایسی آواز سننے میں آجاتی تھی جو ہمارے زخموں پر پھاہا رکھنے کے مترادف تھی۔ چنانچہ پاکستان دستور ساز اسمبلی کے صدر مولوی تمیزالدین جولائی ۱۹۵۳ء میں بہاولپور کے چار روزہ دورے پر تشریف لائے تو انہوں نے یہاں کی ترقیاتی سرگرمیوں کو دیکھ کر یہ بیان دیا کہ۔

> "عوامی حکومت نے قومی تعمیر کے ہر شعبے میں جس سرعت سے ترقی کی ہے اس کا میرے دل پر گہرا اثر پڑا ہے۔
>
> دور دراز مواضعات میں اسکولوں اور ہسپتالوں کا جال بچھا دیا گیا ہے۔
>
> تمام ریاست میں بے شمار سڑکیں اور نہریں تعمیر کی گئی ہیں۔ عالیشان سٹیڈیم کی عمارت، وکٹوریہ ہسپتال بہاولپور اور رحیم یار خان میں ماڈل ٹاؤن کی عمارتیں

اپنی ہردلعزیز عوامی وزارت کی خود ثنا خواں ہیں۔
حکومت نے زندگی کی نئی روح پھونک کر عوام کا اعتماد حاصل کر لیا ہے۔
جامعہ عباسیہ کی عمارت صرف ریاست ہی کے لئے نہیں بلکہ پورے پاکستان کے لئے باعث فخر ہے۔
اگر حکومت شاہراہ ترقی پر اسی رفتار سے گامزن رہی تو یہ یقین کرنا بے جا نہ ہو گا کہ قلیل مدت میں ریاست بہاولپور وفاق پاکستان کا ایک ممتاز یونٹ بن جائے گا"۔

لغاری صاحب کی خوش فہمی دور ہو گئی۔

سردار محمد افضل خان لغاری نے میری طرف سے استعفیٰ طلب کرنے پر یہ تاثر دیا تھا کہ یہاں پر مسلم لیگ اور مسلم لیگ اسمبلی پارٹی کی اکثریت ان کے ساتھ ہے اس لئے ان سے استعفیٰ طلب کرنے کے بجائے خود مجھے وزارت سے مستعفی ہو جانا چاہئے۔ لیکن جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں ان کی یہ خوش فہمی زیادہ دن تک قائم نہ رہ سکی۔ سب سے پہلے مسلم لیگ کی مجلس عاملہ نے ان کی برطرفی کے اقدام پر اعلیٰ حضرت کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد لیگ اسمبلی پارٹی نے اس اقدام پر خوشی کا اظہار کیا اور آخر میں بہاولپور مسلم لیگ کونسل نے انہیں تین سال کے لئے مسلم لیگ سے نکال دیا ۔ میں نے ان کی برطرفی اور میرے متعلق ان کے الزامات کے جواب میں ایک پریس کانفرنس دی جس میں صحیح صورت حالات کو پہلی مرتبہ میں منظر عام پر لایا اس پریس کانفرنس کے جستہ جستہ اقتباسات یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

"میں لغاری صاحب کی وزارت سے علیحدگی کے متعلق عوام اور مقامی و بیرونی اخبارات کے ردعمل کا لگاتار اور متواتر مطالعہ کرتا رہا ہوں۔ اس اقدام کا ریاست کے ہر گوشے سے خیر مقدم کیا گیا ہے اور مقامی اخبارات نے وزارت سے سردار صاحب کی علیحدگی کو برمحل اور بروقت قرار دیا ہے۔ البتہ بیرونی پریس میں چند ایسی خبریں ضرور شائع ہوئی ہیں جن کی اساس محض دو بیانات تھے جو سردار محمد افضل خان لغاری اور ان کے چند ایسے احباب نے جاری کئے جو حزب اختلاف میں ہیں۔

میرے خلاف لغاری صاحب نے بد دیانتی، اقربا پروری اور اختیارات کے ناجائز استعمال کے الزامات لگائے ہیں اگرچہ میں لغاری صاحب کی علیحدگی کی وجوہ پہلے بیان کر چکا ہوں لیکن ان کی غلط بیانیوں کے پیش نظر اس مسئلے پر مزید روشنی ڈالنی ناگزیر ہے۔

یہ امر نہایت عجیب اور حیرت انگیز ہے کہ سردار صاحب کو اس الزام تراشی کی صرف اس وقت ہی سوجھی جب حالات سے مجبور ہو کر ان سے یہ کہا گیا کہ وہ اپنے عہدے سے مستعفی ہو کر کرسی وزارت خالی کر دیں، اگر انہیں میرے متعلق یا میرے رفقائے کابینہ کے متعلق کسی طرح کی بے قاعدگیوں غفلت یا نقائص کا علم ہوا تھا تو ایک دانشمندانہ دوست اور مخلص رفیق کی حیثیت سے ان کا فرض تھا کہ وہ اس وقت ہمیں ان کمزوریوں سے آگاہ فرما دیتے۔ تاکہ ہم اِن کوتاہیوں کا ازالہ کر سکتے۔ مگر موصوف نے ایسا نہیں کیا۔

واقعہ یہ ہے کہ سردار صاحب نے کچھ عرصہ سے کابینہ کے خلاف سازشیں شروع کر رکھی تھیں اور حزب اختلاف کے ساتھ عملی طور پر رابطہ قائم کر لیا تھا۔ موصوف کھلم کھلا اصول و ضوابط کو نظر انداز کرنے اور اپنے اختیارات سے جو انہیں بحیثیت وزیر حاصل تھے تجاوز کرنے لگے تھے۔ اپنے اپنے محکموں کے اعلیٰ افسروں کے مشوروں کو بالائے طاق رکھ کر مطلق عنانہ احکام صادر کرنے شروع کر دیئے تھے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اعلیٰ حکام میں عدم تعاون اور بد دلی کا جذبہ پیدا ہونے لگا۔

یہی وہ حالات تھے جنھوں نے مجھے بحیثیت وزیر اعلیٰ اپنا فرض ادا کرنے پر مجبور کر دیا اور اس تعطل کو ختم کرنے کے لئے سردار صاحب کو معطل کرنا پڑا۔ سردار صاحب کا میرے خلاف الزامات کا طومار صرف اس وقت باندھنا جب وہ خود مشکل اور پریشانی میں گھر گئے اس امر کی بین دلیل ہے کہ وہ اپنے فرائض سے ہرگز دیانتداری اور خلوص کے ساتھ عہدہ برآ نہیں ہوتے رہے۔

اگر ان کے الزامات صحیح ہوتے تو وہ اس وقت خود مستعفی ہو سکتے تھے جنہیں وہ مفاد عامہ کے خلاف تصور کرتے تھے۔ بہر حال میں ان الزامات کی تحقیق کا خیر مقدم کرتا ہوں۔ میں نے پوری دیانتداری اور اپنی بساط کے مصداق اس ریاست کی خدمت کی ہے۔ بہر حال اگر ارباب اختیار کو جس وقت بھی یہ محسوس ہوا کہ میرے خلاف الزامات کا کوئی وجود ہے اور میرا ریاست کے وزیر اعلیٰ رہنے سے ان الزامات کی غیر جانبدارانہ اور منصفانہ تحقیقات میں کسی طرح بھی رخنہ اندازی کا خطرہ ہے تو میں خود رضا کارانہ طور پر کرسی خالی کر دوں گا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ اعلان بھی کر دینا چاہتا ہوں کہ میں کبھی بھی اور

کسی قیمت پر بھی ریاست کے جمہوریت دشمن عنصر کے شرانگیز اور معاندانہ پروپیگنڈے کے سامنے جھکنا گوارا نہیں کروں گا"۔

سردار افضل خاں کی برطرفی

سردار افضل خان کے وزارت سے علیحدہ کرنے کے بعد ایم پی اے صاحبان کو سردار صاحب نے میرے پاس بھجوایا۔ میں اس وقت بر آمدے میں کرسی پر بیٹھا ہوا بال کٹوا رہا تھا۔ اور وہاں سے میں نے تمام کرسیاں بھی ہٹوا دی تھیں۔ ممبران جب میرے پاس آئے تو میں نے حیران ہو کر ان کے آنے کی وجہ پوچھی۔ " آج کوئی میٹنگ تو نہیں" میرے استفسار پر ممبران نے کہا کہ ہم کو معلوم ہوا ہے کہ آپ سردار افضل خان صاحب کو علیحدہ کر رہے ہیں ہماری گذارش ہے کہ آپ ایسا نہ کریں۔ میں نے کہا کہ جب میں نے سردار صاحب کو وزیر بنانے کے سلسلے میں آپ سے کوئی مشورہ نہیں کیا تھا تو ان کو علیحدہ کرنے کے سلسلے میں بھی آپ کو کوئی مشورہ نہیں دینا چاہئے۔ بہر حال میں یہ کر سکتا ہوں کہ ایک ہفتے کے اندر آپ صاحبان کی میٹنگ بلاؤں جس میں آپ اس مسئلے پر غور کریں۔ اگر آپ اپنا نیا لیڈر چننا چاہتے ہیں تو اسی میٹنگ میں اس کا انتخاب کر کے مجھے بتا دیں۔ میں خود مستعفی ہو جاؤں گا۔ لہٰذا میں نے حسب قرارداد میٹنگ بلوائی۔ فرید خان لالیکا نے آکر مجھے بتایا کہ ممبران آچکے ہیں اور آپ کا انتظار ہو رہا ہے میں اپنے کمرے میں بیٹھا اپنا کام نمٹانے کی کوشش کر رہا تھا تاکہ اگر یہ عہدہ چھوڑوں تو کوئی کام باقی نہ رہے۔ بہر حال جب فرید خان لالیکا صاحب نے مجھے میٹنگ میں چلنے پر مجبور کیا تو میں نے ان سے کہا کہ ممبران اپنے میں سے کسی کو صدر منتخب کر کے کارروائی شروع کریں۔ لیکن ممبران اس پر راضی نہ ہوئے اور بالآخر مجھے میٹنگ میں جانا پڑا۔ لیکن اس کے لئے میٹنگ میں پہلی قرارداد تو یہ منظور ہوئی کہ سردار افضل خان لغاری کے خلاف جو کارروائی کی گئی ہے ہم اس کی تائید کرتے ہیں اور دوسری قرارداد مجھ پر اعتماد کی تھی۔

چنانچہ جب دونوں قراردادیں منظور ہو گئیں تو میں نے میٹنگ میں شرکت کی اور ممبران کا شکریہ ادا کرنے کے بعد میٹنگ برخاست ہوئی۔ میں نے اس موقع پر ممبران کو بتایا کہ ریاست میں جمہوری عمل کو جاری رکھنے کے لئے مجھے کیا کیا اقدامات کرنے پڑے ہیں۔ جو افسران اس سلسلے میں ملوث تھے ان کی جواب طلبی کی گئی ہے۔ سول سروس کو سیاست سے الگ رہنے کی ضرورت پر زور دیا۔ بعض ممبران نے مجھے تحریری طور پر یہ بتایا کہ ان پر کیسے کیسے دباؤ ڈالے گئے لیکن میں نے سوائے جواب طلبی ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی۔ یہاں تک کہ ان کے فائل میں بھی اس کا ذکر نہیں کیا۔ البتہ میں نے اس کے بعد ایک ایس آئی جی (سی آئی ڈی) مقرر کیا۔ نئے چیف سیکرٹری کا تقرر کیا۔ لیگل ریممبرنس کی آسامی پر کی اس کے علاوہ کسی کے خلاف کوئی انتقامی کارروائی نہیں کی۔

رشوت کے خلاف پاکستان دستور ساز اسمبلی میں میری تقریر

۲۴ ستمبر ۱۹۵۳ء کو پاکستان دستور ساز اسمبلی کا اجلاس تھا۔ جس میں بحیثیت ممبر میں نے بھی شرکت کی تھی۔ اس اجلاس کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں رشوت ستانی اقربا پروری اور بد دیانتی کے خلاف بڑی گرما گرم بحث ہوتی تھی۔ میں نے بھی اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ۔

"رشوت کی لعنت سرکاری افسروں میں ہی نہیں عوام اور وزیر میں بھی ہے۔ رشوت کی اصل جڑیں جرائم کی روز افزوں افزائش' غلط مقدمے بازی' مراعات حاصل کرنے کا جنون اور سرکاری ملازمین ہیں جو زیادہ روپیہ پیدا کرنے کی حرص میں مبتلا ہیں۔

حکومت بہاولپور نا اہل اور رشوت خور افسروں کے خلاف موثر کارروائی کر رہی ہے اور ریاست میں رشوت ۸۰ فیصدی کم کرنے کے لئے ایک اسکیم تیار کر لی گئی ہے۔ اس سلسلے میں ۶۰ مشتبہ افسروں کی فہرست تیار کر لی گئی ہے۔ جن میں ۲۱ اب تک برطرف کئے جا چکے ہیں مگر حکومت کے اس اقدام کی تعریف کرنے کے بجائے اسے بھی پارٹی بازی کا مسئلہ بنا لیا گیا ہے۔

اس صورت حالات کی ذمہ داری کسی حد تک اعلیٰ افسروں' پارلیمینٹ کے ممبروں اور دیگر ممتاز شخصیتوں پر بھی ہے۔ جو بر سر اقتدار طبقے سے سودے بازی کر کے ناجائز مراعات حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں یہاں ایک خطرناک رجحان یہ ہے کہ جونہی کسی افسر کو بددیانتی وغیرہ کے الزام میں برطرف کیا جاتا ہے وہ عوامی لیڈر بن جاتا ہے۔ حکومت کو ایسا قانون بنانا چاہئے کہ برطرف شدہ سرکاری ملازمین سیاست میں حصہ نہ لے سکیں۔

ہم نے عوامی زندگی کی بدعنوانیوں کو بھی دور کرنے کے لئے ۵۰۰ غیر پسندیدہ اشخاص کی فہرست مرتب کی ہے اور اگرچہ اس سلسلے میں ہمیں کافی نکتہ چینی اور مخالفت کا سامنا کرنا پڑے گا لیکن ہم ان برائیوں کے ساتھ ایسے اشخاص کو بھی ختم کر کے رہیں گے۔ حکومت کو بھی چاہئے کہ وہ جرائم کو ختم کرنے کے سلسلے میں ضروری قوانین نافذ کرے"۔

پاکستان کا آئینی فارمولا

ہم ابھی ریاست بہاولپور کو بہتر جمہوری خطوط پر استوار کرنے اور یہاں کے عوام کی فلاح و بہبود کی کوششوں کی ابتدائی منزلوں میں تھے کہ پاکستان میں سیاسی اکھاڑ پچھاڑ کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ پاکستان

کے آئینی مسائل کے سلسلے میں مختلف تجاویز منظر عام پر آنے لگیں۔ ایک تجویز کے مطابق پاکستان کو پانچ یونٹوں میں تقسیم کیا گیا تھا اور کراچی، بلوچستان اور ریاست بہاولپور کو ملا کر ایک یونٹ بنانا طے ہوا تھا۔ جبکہ دوسرا یونٹ سندھ اور خیرپور پر مشتمل تھا۔ تیسرا یونٹ پنجاب پر مشتمل تھا۔ چوتھا سرحد، سرحدی ریاستیں اور قبائلی علاقوں پر مشتمل تھا اور پانچواں یونٹ مشرقی پاکستان تھا۔

آئینی فارمولا کے مضمرات

کہا یہ گیا تھا کہ یہ فارمولا صوبائی عصبیتوں کو ختم کرنے کیلئے بنایا گیا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ یونٹوں کی تقسیم نہ صرف غیر منصفانہ بلکہ عصبیت کی بھی آئینہ دار تھی۔ اس کی ایک مثال یہ تھی کہ اگرچہ طے پایا تھا کہ ایوان زیریں کا انتخاب براہ راست ہوگا اور اس میں آبادی کے تناسب سے تمام علاقوں کو نمائندگی دی جائے گی لیکن صورت حالات یہ تھی کہ ایوان بالا جس کا انتخاب یونٹوں کی مجالس قانون ساز کو کرنا تھا اس سے متعدد یونٹوں کی انفرادیت کو ختم کر کے انہیں اجزا کی حیثیت دیدی گئی تھی۔ مثلاً بہاولپور جو پاکستان کا ایک جداگانہ یونٹ تھا اسے غیر قدرتی طور پر بلوچستان اور کراچی کے ساتھ شامل کر دیا گیا تھا لہٰذا عوامی حلقوں میں اس آئینی فارمولے کی اچھی خاصی مخالفت ہوئی خود پاکستان دستور ساز اسمبلی میں جب اسے پیش کیا گیا تو یہ مخالفت کی نذر ہو گیا اور اس میں طرح طرح کی ترمیمیں ہونے لگیں۔ مثلاً سندھ کے جی ایم سید کی طرف سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ سندھ، کراچی، خیرپور اور بہاولپور کو ملا کر ایک سیاسی یونٹ قرار دیا جائے۔ ہمارا موقف اس سلسلے میں یہ تھا کہ یا تو ریاست بہاولپور کو ایک جداگانہ یونٹ کے طور پر برقرار رکھا جائے اور اگر جداگانہ یونٹ ختم کرنے ہیں تو بلا استثنا تمام یونٹوں کو ختم کر کے صرف ایک انتظامی یونٹ بنایا جائے۔

یہ دراصل ان متوقع سیاسی تبدیلیوں کا شاخسانہ تھا جو مشرقی بنگال کے حالیہ انتخابات کے نتائج کی صورت میں سامنے آنے والی تھیں۔ مسلم لیگی قیادت کی غلط اندیشیوں نے مشرقی بنگال میں مسلم لیگ کی حیثیت خاصی کمزور کر دی تھی۔ چنانچہ مشرقی بنگال میں مسلم لیگ کے خلاف ایک زبردست متحدہ محاذ قائم ہوا جس نے بالاخر انتخابات میں مسلم لیگ کو شکست دیدی۔

اس شکست کے اثرات فوری طور پر پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں محسوس کئے گئے۔ جس کے اجلاس میں شدومد کے ساتھ یہ مطالبہ کیا گیا کہ پاکستان دستور ساز اسمبلی توڑ دی جائے۔ لیکن یہ مطالبہ اس لئے درست نہیں تھا کہ کسی ایک صوبے میں حکمران جماعت کی ناکامی مرکز میں ان کی قیادت کے خاتمہ کا سبب نہیں بنتی۔ لہٰذا مسٹر محمد علی بوگرہ نے اعلان کیا کہ مشرقی بنگال میں مسلم لیگ کی شکست سے مرکز پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اور دستور ساز اسمبلی آئین مرتب کئے بغیر ختم نہیں کی جائے گی۔ اگرچہ مسلم لیگ کی مرکزی قیادت نے استعفیٰ نہیں دیا اور نہ دستور ساز اسمبلی توڑی گئی لیکن اس کے بعد پاکستان میں

سیاسی سرگرمیاں تیز تر ہو گئیں۔ مسٹر محمد علی بوگرا نے تمام صوبائی وزراء اعلیٰ اور دیگر لیڈروں کو صلاح و مشورہ کیلئے کراچی طلب کر لیا۔ اب مسئلہ محض آئینی فارمولے کا ہی نہ تھا بلکہ مشرقی بنگال کی طرف سے یہ مطالبہ بھی کیا جارہا تھا کہ پاکستان کی سرکاری زبان اردو کے ساتھ بنگالی کو بھی تسلیم کیا جائے۔ ہم اصولی طور پر اس کے مخالف تھے۔ اردو مسلمہ طور پر پاکستان کی واحد قومی و سرکاری زبان تھی۔ اس کے ساتھ بنگلہ کو شامل کرنے کے معنی یہ تھے کہ دوسرے صوبوں میں بھی لسانی تعصب کو ہوا دی جائے۔ بہر حال قومی مسائل میں حتی المقدور ہم اپنا کردار ادا کرتے رہے۔

ایسٹ پاکستان مسلم لیگ الیکشن فنڈ میں حصہ لینے کا موقع آیا تو میں نے ذاتی طور پر اس میں حصہ لیا اے۔ ڈبلیو۔ آدم جی۔ نارائن گنج کے نام اس فنڈ میں میں نے ایک لاکھ روپیہ دیا۔ مسٹر آدم جی کی رسید اور مسٹر محمد علی بوگرا کی طرف سے شکریہ کا خط موصول ہوا تھا جس کا اردو ترجمہ یہاں درج کر رہا ہوں۔

اے۔ ڈبلیو۔ آدم جی
نارائن گنج

مسٹر حسن محمود چیف منسٹر بہاولپور سے مبلغ ایک لاکھ روپے مسلم لیگ ایسٹ پاکستان فنڈ کیلئے وصول پائے۔

اے۔ ڈبلیو۔ آدم جی

پرائم منسٹر پاکستان
کیمپ ڈھاکہ
۶ مارچ ۱۹۵۴ء

میرے پیارے حسن محمود!

میں مبلغ ایک لاکھ روپے کی رسید جو اے۔ ڈبلیو۔ آدم جی کے دستخط سے ہے اور جو ایسٹ پاکستان مسلم لیگ الیکشن فنڈ کیلئے ہے آپ کو بھیج رہا ہوں۔

میں اس فراخ دلانہ امداد کیلئے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں مجھے امید ہے کہ یہ بہت مدد گار ثابت ہو گی۔

آپ کا مخلص
محمد علی

اس کے بعد ۲ ستمبر ۱۹۵۵ء کو مسلم لیگ کے زوال کے اسباب معلوم کرنے کیلئے ایک کمیٹی مقرر کی گئی تو اس کے ممبران میں میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ ' محمد یوسف خٹک ' پیر علی محمد راشدی ایس۔ ایم توفیق اور مسٹر معین الدین چودھری کے علاوہ میں بھی شامل تھا۔

بہاولپور کا دوسرا عوامی بجٹ

ریاست بہاولپور کا ۵۵ ۔ ۱۹۵۴ء کا بجٹ پیش ہونے والا تھا اور ہم اپنی تمام تر توجہ اس پر صرف کرنے پر مجبور تھے ورنہ قومی حالات کا تقاضا تو یہ تھا کہ ہم زیادہ سے زیادہ توجہ ان پر دیتے۔ بہرحال ۲۴ مارچ ۱۹۵۴ء کو بہاولپور کی جمہوری حکومت کا دوسرا بجٹ پیش ہوا جس کے مطابق ریاست بہاولپور کی آمدنی کا تخمینہ ۶ کروڑ ۵ لاکھ ۶۴ ہزار ۶ سو روپے اور اخراجات کا اندازہ ۶ کروڑ ۵۳ ہزار ۷ سو روپے رکھا گیا تھا۔ یعنی اس میں ۵ لاکھ ۱۱ ہزار ۹ سو روپے کی مجموعی بچت دکھائی گئی تھی۔

یہ بجٹ عوام کی بنیادی ضرورتوں کو پیش نظر رکھ کر تیار کیا گیا تھا۔ اس میں ایسے منصوبے پیش کئے گئے تھے جن سے عوام کا معیار زندگی بلند ہونے کی توقع تھی اور ریاست کی خوشحالی و ترقی کی امید وابستہ کی جا سکتی تھی۔ مثلاً تعلیم پر ۴۲ لاکھ ۸۸ ہزار ۶ سو روپے صحت عامہ پر ۲۰ لاکھ ۵۵ ہزار ۸ سو روپے۔ سڑکوں کیلئے ۶۹ لاکھ ۴ ہزار ۵ سو روپے عمارات کیلئے ۴۴ لاکھ ۶۴ ہزار ۲ سو روپے۔ آبپاشی کیلئے ۷۱ لاکھ ۹۴ ہزار ۴ سو روپے۔ بجلی کی فراہمی کیلئے ۸ لاکھ ۵۰ ہزار روپے۔ صنعتوں کیلئے ۲۱ لاکھ ۲۸ ہزار ۲ سو روپے۔ زرعی ترقی کیلئے ۷ لاکھ ۶۲ ہزار ۷ سو روپے اور تحریک امداد باہمی کیلئے ایک لاکھ ۲۶ ہزار ایک سو روپے مختص کئے گئے تھے۔

ہم نے بڑے منصوبوں کیلئے اپنے داخلی ذرائع پر ہی انحصار کیا تھا۔ مرکز سے ہمیں جو گرانٹ ملی تھی اس میں سے کوئی بھی ایسی نہ تھی جو کسی ایک منصوبے کو بھی پورا کر سکتی۔ لہٰذا ہم نے مرکز کی امداد پر بھروسہ نہ کیا ویسے بھی ہماری پالیسی یہ تھی کہ دوسروں کی طرف دیکھنے کی بجائے اپنے ہی وسائل کو وسعت دی جائے اور کسی کا دست نگر بننے کی کم سے کم ضرورت پیش آئے۔ مرکزی گرانٹ بقدر اشک بلبل تھی۔ ہم سمندر سے چند قطرے لیکر اپنی پیاس بجھانے کو اپنے حوصلے کے خلاف سمجھتے تھے۔ لہٰذا ہم نے اپنے پیروں پر ہی کھڑا ہونے کی کوشش کی اور مختلف ذرائع سے اپنی آمدنی بڑھائی۔ مثلاً ربیع ۱۹۵۴ء سے مالیہ اراضی پر شرح آبیانہ دو آنے فی روپیہ ترقیاتی ٹیکس عائد کر دیا تھا تاکہ ریاست کے تعمیری منصوبوں کو تیزی سے مکمل کیا جا سکے۔ بحمد اللہ ہمارا یہ منصوبہ کامیاب رہا اور ریاست کا بجٹ جو چند سال پہلے تک ساڑھے تین کروڑ روپے تھا ہماری کوشش سے یہ ۶ کروڑ روپے تک پہنچ گیا اور اس طرح ہم آمدنی کے معاملے میں صوبہ سرحد کے برابر آ گئے۔ ہمیں امید تھی کہ اگر ریاست میں مستحکم حکومت قائم رہی اور ہمیں آزادانہ کام کرنے کا موقع ملا تو آئندہ تین چار سال میں ریاست کا بجٹ ۸ کروڑ روپے تک پہنچ

جائے گا۔

ہم نے کوشش کی تھی کہ انتظامیہ پر تاحدامکان کم روپیہ خرچ ہو تا کہ عوام کی فلاح و بہبود کے کاموں کیلئے زیادہ سے زیادہ روپیہ کام آسکے چنانچہ اس کیلئے ہم نے اکانومی کمیٹی بھی بنائی تھی جس کی سفارشات پر پولیس کے اخراجات میں ۲ لاکھ روپے کی کمی کر دی گئی تھی ساتھ ہی سرکاری ملازموں کی تنخواہیں دوسرے صوبوں کے مساوی کر دی گئی تھیں۔ سرکاری ملازمین کی پنشنوں کو بہتر بنانے کیلئے ۵ لاکھ روپے بجٹ میں مخصوص کئے گئے تھے۔

اس بجٹ کے دوسرے روشن پہلو یہ تھے

۱۔ گداگروں اور بھکاریوں کیلئے محتاج خانوں کا قیام

۲۔ تعلیمی پروگرام کی ٹھوس تنظیم اور موجودہ طرز تعلیم کو نئی تربیت سے روشناس کرانا

۳۔ ریاست کو تیزی سے صنعت و حرفت کا مرکز بنادینے کا لائحہ عمل۔

۴۔ مہمانوں اور سیاحوں کی بود وباش کیلئے اعلیٰ درجے کے ہوٹل کا قیام

۵۔ پنشن کے قواعد و ضوابط میں ترمیم کر کے پنشنروں کیلئے سہولتیں

۶۔ نئے ترقیاتی فنڈ کا قیام جس سے قومی تعمیر کے نئے نئے منصوبوں کو عملی جامہ پہنایا جاسکے۔

میری کابینہ میں سید احمد نواز شاہ گردیزی کی شمولیت

بہاولپور اسمبلی کی ایک نشست سید غلام مرتضیٰ شاہ صاحب کے مستعفی ہو جانے کی وجہ سے خالی ہو گئی تھی۔ جس کا ضمنی انتخاب ہونا تھا مسلم لیگ کے پارلیمنٹری بورڈ نے اس نشست کیلئے سید احمد نواز شاہ گردیزی کو ٹکٹ دیا تھا۔ اس نشست پر کوئی مخالف امیدوار نہ کھڑا ہوا اور احمد نواز بلا مقابلہ منتخب ہو گئے۔ ان کے منتخب ہونے پر میں نے انہیں اپنی کابینہ میں شامل کر لیا اور وزارت اطلاعات کا قلمدان ان کے سپرد کر دیا۔ گویا ہماری کابینہ میں ایک نئے وزیر کا اضافہ ہو گیا۔

جشن استقلال پاکستان پر میری تقریر

یہ پاکستان کے جشن استقلال کا دن تھا اور جگہ جگہ اس سلسلے میں جلسے ہو رہے تھے۔ ایک جلسے سے مجھے بھی خطاب کرنے کا موقع ملا۔ اور میں نے اپنے خطاب میں بھارت کے جارحانہ اقدام ' دریائے ستلج کا رخ موڑنے سے جو صورت حالات پیدا ہو گئی تھی اس کے متعلق اور ریاست کے ادغام کے

موضوعات پر اظہار خیال کیا۔ میں نے کہا:۔

"بھارت نے دریائے ستلج کا رخ موڑ کر پاکستان کیلئے زبردست مشکلات پیدا کر دی ہیں۔ خصوصاً بہاولپور کیلئے تو یہ مسئلہ زندگی اور موت کا سوال بن گیا ہے۔ وقت کی نزاکت کا تقاضا یہ ہے کہ ریاست کے تمام اسکولوں اور کالجوں میں ملٹری کی تعلیم لازمی قرار دی جائے تاکہ ہم اپنے مستقبل کو محفوظ کر سکیں، اور پاکستان کی سالمیت وبقا کیلئے ہمہ تن تیار ہو جائیں۔

جہاں تک ریاست کے ادغام کے مسئلے پر میری رائے کا تعلق ہے میں صاف کہتا ہوں کہ پاکستان کے استحکام کیلئے ایک ریاست کیا ہزاروں ریاستیں قربان کی جا سکتی ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ایسا وقت آ گیا ہے اور ملک کی سلامتی کیلئے اس قربانی کی ضرورت بھی ہے۔

بہاولپور خدا کے فضل سے پاکستان کے کسی صوبے سے ترقی کی دوڑ میں پیچھے نہیں اور وہ وقت دور نہیں جب اس کی آمدنی پانچ کروڑ سے ۶ کروڑ تک پہنچ جائے گی۔

مستقبل قریب میں بڑے اہم فیصلے ہونے والے ہیں۔ میری انتہائی کوشش ہو گی کہ ان فیصلوں کے وقت میں ریاست کے عوام کے حقوق کی ترجمانی کا حق ادا کر سکوں۔ ویسے مجھے امید ہے کہ مرکزی حکومت کوئی ایسا فیصلہ نہیں کرے گی جو ریاستی عوام کی مرضی کے خلاف ہو۔"

اپنے دور اقتدار کی ترقیوں کا اجمالی جائزہ

یہاں میں اپنے دور اقتدار میں مختلف شعبہ جات میں کی جانے والی مساعی کا اجمالی ذکر کرتا چلوں تاکہ معلوم ہو سکے کہ ترقی کی طرف ہمارے قدم کس تیزی سے اٹھ رہے تھے۔ اس سلسلے میں تعلیم کو لیجئے ۴۸ — ۱۹۴۷ء میں ریاست کے کل تعلیمی اداروں کی تعداد ۶۲۰ تھی جن میں ۳۵ ہزار طلبا تعلیم پاتے تھے۔ لیکن ۱۹۵۴ء میں درس گاہوں کی تعداد تین ہزار دو سو تک پہنچ گئی تھی جن میں ایک لاکھ ۲۵ ہزار طلبا زیر تعلیم تھے۔ علاوہ ازیں ایک سو طلبا کو اعلیٰ تعلیم کیلئے پاکستان کے مختلف کالجوں میں بھیجا گیا اور ان کے اخراجات ہماری حکومت نے برداشت کئے۔ جامعہ عباسیہ کے ساتھ طبیہ کالج کو ملحق کیا گیا تاکہ ایلوپیتھی کے ساتھ یونانی طب کی تعلیم کی سہولت بھی عوام کو حاصل ہو۔ دس لاکھ روپے کی لاگت سے ایچی سن کالج کی طرز کا ایک ادارہ صادق پبلک اسکول کے نام سے قائم کیا گیا۔ جس میں صرف ریاست کے ہی نہیں

سندھ اور پنجاب کے طلبا بھی داخلہ لے سکتے ہیں۔ نابیناؤں کیلئے بھی ایک اسکول کھولا گیا جو غالباً پاکستان میں اس طرز کا پہلا سرکاری اسکول تھا۔

اب صحت عامہ کو لیجئے۔ ۴۸ – ۱۹۴۷ء میں اس شعبے پر ۴ لاکھ ۳۸ ہزار روپے خرچ کئے جا رہے تھے ہم نے ۱۹۵۴ء میں اس مد کا خرچ دس گنا بڑھا کر ۳۸ لاکھ روپے کے قریب کر دیا۔ جگہ جگہ ہسپتال اور ڈسپنسریاں قائم کیں۔ ماہر معالجوں کا تقرر کیا۔ ہمارا پروگرام یہ تھا کہ ہر نو میل کے فاصلے پر ایک ڈسپنسری اور ہر تحصیل ہیڈ کوارٹر پر کم از کم ۵ مریضوں کے قیام کیلئے ایک ہسپتال تعمیر ہو۔ ضلعی صدر مقامات پر اعلیٰ درجے کے ہسپتال تعمیر کئے گئے اور انہیں ماہرین امراض کے ساتھ جدید طبی سامان سے لیس کیا گیا۔

صنعتی شعبے میں ہم نے زیادہ توجہ گھریلو دستکاریوں کو فروغ دینے اور زرعی پیداوار کو بڑی صنعتوں کیلئے کار آمد بنانے پر صرف کی۔ اس کے علاوہ رحیم یار خاں میں تین بڑے کارخانے قائم کئے۔ ایک کپڑا بننے کا، ایک بناسپتی گھی کا، اور تیسرا صابن بنانے کا۔ صادق آباد اور خانپور میں بھی دو ٹیکسٹائل ملز قائم کرنے کی منظوری دی۔ مزید براں نادار اور لاوارث خواتین کیلئے بہاولپور میں دو انڈسٹریل ہوم کھولے گئے جن میں کشیدہ کاری، سینے پرونے اور مجنے کا کام سکھایا جاتا تھا۔

۴۸ – ۱۹۴۷ء میں ریاست کے ۲۲ لاکھ ۸۷ ہزار ۴۰۷ ایکڑ رقبہ پر آبپاشی ہوتی تھی۔ ۱۹۵۳ء ۱۹۵۴ء میں ۳۵ لاکھ ۴۴ ہزار ۵۷۶ ایکڑ رقبہ زیر آبپاشی آیا۔

عمارات پر ۱۹۴۸ء کے بعد ۸۲ لاکھ روپے سے زائد خرچ آئے۔ تقسیم برصغیر کے وقت ریاست میں صرف ۳۳ میل لمبی ایک سڑک تھی جو بہاولپور سے ڈیرہ نواب تک جاتی تھی۔ ۱۹۵۴ء تک ۵۰۲ میل سڑکیں تعمیر ہو چکی تھیں۔

یہی صورت زراعت، پرورش حیوانات، جنگلات، بجلی اور پانی امداد باہمی اور دیگر شعبہ جات میں غیر معمولی ترقی کے آثار پیدا ہوئے۔ ۱۲ر مارچ ۱۹۵۵ء کو عجیب قران السعدین ہوا۔ عراق کے شاہ فیصل اعلیٰ حضرت امیر بہاولپور کی دعوت پر بہاولپور تشریف لائے۔ پہلے یہ دورے کا پروگرام تین روز کا تھا۔ لیکن عراق کی غیر معمولی مصروفیات نے اس میں تخفیف کر دی اور وہ تین دن کے بجائے صرف ۱۴ گھنٹے کیلئے بہاولپور آئے۔ بہاولپور کے علاوہ عراق کے شاہ فیصل کو پاکستان کا بھی مختصر دورہ کرنا تھا۔ چنانچہ ۱۲ر مارچ کو شاہ فیصل دوم اپنے کراؤن پرنس امیر عبدل اللہ کے ہمراہ جو اُن کے چچا بھی ہیں ڈیرہ نواب ریلوے اسٹیشن پر پہنچے جسے نہایت خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔ اعلیٰ حضرت امیر بہاولپور نے ان کا پرجوش استقبال کیا اور ان کے باڈی گارڈ نے سلامی دی۔

شاہ فیصل دوم آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی صاحب زادی کی اولاد میں سے ہیں اور اعلیٰ حضرت امیر بہاولپور آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے چچا حضرت عباس علمدار کے ساٹھویں پشت میں

سے ہیں۔ اس اعتبار سے یہ دونوں خاندان آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے خصوصی نسبت رکھتے ہیں۔ شاہ عراق خلفائے بنو عباس کے بغداد میں زوال کے بعد جو ہلاکو کے ہاتھوں ۶۵۵ء میں ہوا تھا عراق منتقل ہو گئے تھے۔ اور بنو عباس کے تنہا وارث ابو القاسم احمد بن ابو نصر محمد کی اولاد ۷۶۷ء میں ہندوستان آ گئی تھی۔ انہوں نے اس زمانے کے راجہ راؤ دھورنگ سے جنگ کر کے سندھ پر غلبہ حاصل کیا اور ان کی ہی اولاد میں سے کچھ حضرات موجودہ بہاولپور آ گئے اور قلعہ ڈیراور میں آباد ہو گئے۔

بزرگ مخدوم عبدالقادر خامس سجادہ نشین اوچ گیلانی کی سفارش پر نواب حیات اللہ خاں گورنر ملتان نے انہیں یہاں بہت سی جاگیریں دیدیں جس نے بعد میں ایک ریاست کی شکل اختیار کر لی۔ بہرحال اس قدیم تعلق نے جو دونوں خاندانوں میں گہرے روابط کا باعث تھا شاہ فیصل نے بہاولپور کے دورے کیلئے وقت نکالا۔

اعلیٰ حضرت اپنے مہمانوں کو ڈیرہ نواب ریلوے اسٹیشن سے صادق گڑھ پیلس لے گئے۔ جہاں ان کا شاہانہ استقبال ہوا۔ دوپہر کا کھانا تناول فرمانے کے بعد ایک جلوس کی شکل میں یہ بہاولپور روانہ ہوئے۔ نواب صاحب ان کے ساتھ ساتھ تھے۔ یہاں پہلے گلزار محل میں گئے۔ کچھ منٹ آرام کرنے کے بعد یہ نور محل آ گئے۔ یہ محل قدیم برطانوی طرز کا ہے۔ یہاں بڑی پر تکلف ٹی پارٹی کا انتظام تھا۔ اس پارٹی میں میرے علاوہ میری کابینہ کے ارکان بھی تھے دوسرے معزز حضرات کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ ٹی پارٹی سے فارغ ہو کر معزز مہمانوں نے اعلیٰ حضرت کی معیت میں ڈیرہ نواب کا دوبارہ رخ کیا اور عشائیہ میں شرکت کی جہاں ہم بھی مدعو تھے۔ صادق گڑھ پیلس بھی شاہ فیصل دوم اور کراؤن پرنس کو نواب صاحب نے اپنے میوزیم کی سیر کرائی۔ جس میں نوادرات کے ڈھیر ہیں۔ قدیم اسلحہ کے نمونے، نادر قسم کے سکے، جیولری اور تاریخی نوعیت کے مخطوطات شامل ہیں۔ اس موقع پر مہمانوں کو ساہیوال نسل کے بیل اور دو گائیں بھی تحفے کے طور پر دی گئیں۔ کراؤن پرنس کو گائیوں کی نسل کشی کا بہت شوق ہے۔ بغداد میں ان کا ایک بہت عمدہ فارم بھی ہے۔ رات ۱۲ کے قریب یہ شاہی مہمان سکھر کیلئے روانہ ہو گئے۔ نواب صاحب نے بہ نفس نفیس ان کو رخصت کیا۔

بہاولپور کی ترقیاتی سرگرمیوں پر ایک نظر

بہاولپور اسٹیڈیم کی تاریخ بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ مجھے شوق تو تھا کہ بہاولپور ہر میدان میں نام پیدا کرے۔ یہاں تک کہ کھیلوں کے سلسلے میں بھی اس کا کوئی مقام ہو۔ چنانچہ کرکٹ سے مجھے طالب علمی کے زمانے سے دلچسپی تھی اور میں چاہتا تھا کہ بہاولپور میں نامور کرکٹ کے کھلاڑیوں کی ٹیم تیار کی جائے، جس کیلئے میں نے پاکستان کے مشہور کھلاڑیوں کو بہاولپور میں آباد کرنے کی ترغیب دی اور کافی مراعات دے کر انہیں بہاولپور کی ٹیم میں شامل کرنے پر رضامند کر لیا۔ انہی دنوں ایم۔ سی۔ سی کی ٹیم کا پاکستان

میں دورے کا پروگرام بنا۔ اسے پاکستان کے مختلف شہروں میں میچ کھیلنے تھے۔ میں یہ معلوم ہوتے ہی کرکٹ کنٹرول بورڈ کے چیئرمین جسٹس کارنیلیس کے پاس کراچی پہنچا اور ان سے درخواست کی کہ بہاولپور کو بھی ایم۔ سی سی کے میچوں میں شامل کیا جائے۔ انہوں نے بہاولپور میں کھیل کی سہولتوں کے متعلق دریافت کیا تو میں نے کہا کہ یہ صحیح ہے کہ اس وقت اسکول اور کالج کے گراؤنڈ کے علاوہ بہاولپور میں کوئی کھیل کا گراؤنڈ نہیں لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ایم۔ سی۔ سی ٹیم کے پاکستان پہنچنے سے پہلے بہاولپور میں کرکٹ کا شاندار میدان بن چکا ہو گا۔

میری خود اعتمادی اور عزم کو دیکھ کر جسٹس صاحب نے ایم۔ سی۔ سی کے فکسچرز میں بہاولپور کو بھی شامل کر لیا۔ یہ مسئلہ تو طے ہو گیا لیکن گراؤنڈ کی تیاری کا مرحلہ کوئی آسان نہ تھا۔ میں نے کراچی سے واپس آتے ہی ایک جدید قسم کے اسٹیڈیم کا نقشہ بنوایا اور اس کی تعمیر فوری طور پر شروع کرا دی۔ ٹھیکیداروں سے کہہ دیا تھا کہ اگر تین مہینے تک یہ کام نہ ہوا تو انہیں ان کی محنت کا کوئی معاوضہ نہیں ملے گا۔ ٹھیکیدار محنتی اور مخلص تھے۔ انہوں نے دن رات ایک کر کے تعمیر مکمل کر دی۔ گراؤنڈ کی تیاری کیلئے میں نے یہ سکیم سوچی کہ ایگریکلچرل مشینری زرعی ضروریات کیلئے تو درکار ہیں۔ لہٰذا کیوں نہ ان سے کام لیا جائے۔ چنانچہ میں نے متعلقہ کمپنی سے کہا کہ پہلے آپ مشینری کی ٹرائی دیں۔ اگر ان کی کارکردگی اطمینان بخش ہوئی تو آپ کو مشینری کا آرڈر دے دیں گے۔ وہ راضی ہو گئے تو انہیں اسٹیڈیم کے مجوزہ گراؤنڈ دکھائے گئے اور کہا گیا کہ ان کو ہموار کر کے دکھائیں۔ چنانچہ چند روز میں ہاکی، کرکٹ، فٹ بال اور دوسرے کھیلوں کے گراؤنڈ تیار ہو گئے۔ گھاس اور پھلواری لگانے کیلئے صوبہ سرحد سے مالی منگوائے گئے۔ جب تمام کام مکمل ہونے پر مجھے سٹیڈیم کا معائنہ کرنے کیلئے کہا گیا تو میں نے دیکھا کہ تماشائیوں کے بیٹھنے کی جگہ پر گھاس نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ یہ کام ادھورا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہوا چلے گی تو مٹی اڑ کر کھلاڑیوں کی آنکھوں میں آجائے گی۔ جس طرح بھی ہو آج ہی اس پر گھاس لگنی چاہئے۔ مالیوں اور دوسرے عملے نے مل کر اس مہم کو اس طرح سر کیا کہ دوسرے مقامات سے گھاس کے ٹرک بھر بھر کر یہاں لائے اور انہیں اس طرح زمین میں لگا کر پانی سے تر کیا گیا کہ وہ گھاس واقعی اگ آئی اور آج بھی وہی گھاس اسٹیڈیم میں بہار دکھا رہی ہے۔

غرض ایم۔ سی۔ سی کے پاکستان آنے سے دو دن پہلے بہاولپور اسٹیڈیم تیار ہو گیا۔ اس اثناء میں بہاولپور کرکٹ ٹیم بھی بن چکی تھی۔ جس میں ذوالفقار، حنیف محمد خاں وغیرہ شامل تھے۔ میں بہاولپور ٹیم کا کپتان تھا۔ ایم۔ سی۔ سی کے منیجر ہارورڈ نے مجھ سے سوال کیا آپ باؤلر ہیں یا بیٹسمین ہیں۔ میں نے کہا نہ تو میں باؤلر ہوں اور نہ بیٹسمین۔ ایم۔ سی۔ سی ٹیم کے منیجر نے کہا کہ ٹیم کی کپتانی کیلئے تو یہ ضروری ہے کہ بیٹسمین ہو یا باؤلر۔ میں نے جواب دیا کہ میں سیاست کا کھلاڑی ہوں اور اس لحاظ سے آل راؤنڈر ہوں۔ خیر یہ بات تو مذاق میں اڑ گئی۔ لیکن میچ ہوا تو میری گیند پر ایم۔ سی۔ سی کے مشہور کھلاڑی ٹام گروینی آؤٹ

ہو گئے۔ ایم۔ سی۔ سی کا دوسرا اوپنر بھی آؤٹ ہو جاتا اگر حنیف محمد کیچ نہ چھوڑ دیتے۔ بہر حال بہاولپور ٹیم کے ہاتھوں ایم۔ سی۔ سی کو فالو آن کرنا پڑا اور اس طرح کھیل کی دنیا میں بھی بہاولپور کا پہلی بار نام آیا۔

صادق پبلک اسکول

ہم نے ایچی سن کالج لاہور کی طرز پر ایک اسکول قائم کیا تھا۔ اس غرض کیلئے نواب بہاولپور سے زمین کا عطیہ لیا تھا جس پر شاندار عمارات تعمیر کی گئیں۔ اعلیٰ درجے کے ہوسٹل، سوئمنگ پول اور دیگر عمارات تعمیر ہوئیں۔ اور کافی جگہ کاشت کی غرض سے چھوڑ دی گئی تاکہ اس کی آمدنی اسکول کی دوسری ضروریات میں کام آسکے۔ اس اسکول کی شروع شروع میں بڑی مخالفت کی گئی تھی اور کہا گیا تھا کہ یہاں صرف سرمایہ دار اور بڑے زمینداروں کے بچے پڑھ سکیں گے اور عام لوگوں کو اس کا کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ لیکن آپ یہ سن کر تعجب کریں گے کہ اس کے مخالفین چھپ چھپ کر اسکول کی سیر کرنے آتے تھے۔ چنانچہ ہمارے دوست چودھری رحمت اللہ جو اپوزیشن لیڈر تھے کئی دفعہ اپنی نئی بیوی کے ہمراہ یہاں دیکھے گئے۔ اس پر میں نے ایک مرتبہ ان سے کہا تھا کہ چودھری صاحب شادی کا جلد نتیجہ ظاہر ہونا چاہئے تاکہ آپ کے بچے یہاں تعلیم حاصل کر سکیں۔ چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ چودھری صاحب کے بچوں نے بھی اسی اسکول میں تعلیم حاصل کی۔ میں نے اس اسکول کے اسٹاف میں ایچی سن کالج کے بعض تجربہ کار اساتذہ کی خدمات حاصل کی تھیں۔ جن میں انور سکندر خاں بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ جنھوں نے بطور پرنسپل اس اسکول کو واقعی ایچی سن کالج کے نمونے کا بنا دیا۔

صادق پبلک اسکول کا اصل منصوبہ یہ تھا کہ یہاں پرائمری تک تو تعلیم مخلوط ہو گی لیکن اس کے بعد لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم علیحدہ علیحدہ ہو گی اور کوئنز میری کالج کی طرز کا ایک اسکول علیحدہ لڑکیوں کیلئے ہو گا۔ افسوس میں اس منصوبے کو عملی جامہ نہ پہنا سکا۔ اور میری وزارت ختم ہو گئی۔

ہسپتال

بہاولپور میں جمہوریت کے قیام سے پہلے طبی سہولتوں کا اس بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ بہاولپور کے سب سے بڑے ہسپتال (بی۔ وی۔ ہسپتال) میں آپریشن کیلئے کلوروفارم دینے تک کی سہولت میسر نہ تھی۔ ایک مریض جس کی ٹانگوں کا آپریشن ہونا تھا اسے صرف منہ پر کنٹوپ چڑھا کر کچھ قطرے کلوروفارم کے دیئے گئے اور مریض کا آپریشن کر دیا گیا۔ سپھنج کریوالی ادویہ کا یہاں نام ونشان نہ تھا۔ اسی طرح میرے عزیز سید احمد نواز شاہ گردیزی گھوڑے سے گرے اور ان کا شانہ اتر گیا تو انہیں بغیر بے ہوش کئے شانے کو کھینچ تان کر ہڈی چڑھائی گئی۔

یہ اذیت ناک صورت حالات ناقابل برداشت تھی۔ میں نے جہاں ہسپتالوں کے قیام کا ایک جامع

منصوبہ بنایا وہاں ضروری طبی سامان کی فراہمی کا بھی بندوبست کیا۔

شیخ احمد حسن سپرنٹنڈنٹ انجینئر اکثر میرے مشوروں میں شریک ہوتے تھے۔ چنانچہ ہسپتالوں کی اصلاح کے سلسلے میں جب میں نے پاکستان بھر کے اعلیٰ ہسپتالوں کو دیکھنے کا پروگرام بنایا تو وہ بھی میرے ساتھ گئے۔ میں نے ان ہسپتالوں میں مختلف امراض کے شعبے دیکھے اور وہاں علاج معالجہ میں کام آنے والی مشینری کا معائنہ بھی کیا۔ وہاں کے ماہرین سے نئے ہسپتالوں کو جدید طبی سہولتوں سے آراستہ کرنے کیلئے مشورے کئے اور پھر واپس آ کر سب سے پہلے بی۔ وی ہسپتال کی اصلاح کا کام شروع کیا۔ جدید سامان طب حاصل کرنے کیلئے امریکن فیلڈ ہسپتالوں کا سامان سستے داموں خریدا۔ یہ ہسپتال جنگ دوم کے بعد بیکار ہو گئے تھے اور ان کا سامان بھی بیکار پڑا تھا۔ بہرحال کم خرچ بالانشین کے مصداق ہم نے اپنی فوری ضروریات ان ہسپتالوں سے پوری کیں۔ خود میو ہسپتال لاہور میں داخل ہو کر وہاں کے نرسنگ سسٹم کا جائزہ لیا۔ میں مریض بن کر وہاں داخل ہوا تھا اور اپنے ساتھ بہت سا سامان تحفے تحائف میں دینے کیلئے بھی لے گیا تھا۔ چنانچہ ان تحائف نے بہت سی نرسوں اور میٹرنوں کو اپنے قریب کر لیا اور پھر انہیں ترغیب دے کر بہاولپور لے گیا جہاں ایک شاندار نرسنگ ہوم کھول کر نرسنگ کی فوری ضرورت کو پورا کیا۔ دوسرے ماہرین کی خدمات بھی ہسپتال کیلئے حاصل کیں۔ اب تک شجاع آباد میں ایک آئی کیمپ مشہور تھا جہاں کوئی ماہر امراض چشم (آئی سپیشلسٹ) آنکھوں کے آپریشن کرتا تھا۔ میں نے ایک مشہور یورپین آئی سپیشلسٹ مسٹر یوانگ کی خدمات حاصل کیں اور اس طرح سے کم از کم بہاولپور کے لوگوں کو شجاع آباد جانے کی تکلیف سے بچا لیا۔

اس کے بعد سابق ریاست بہاولپور میں طبی سہولتیں بہم پہنچانے کے منصوبے پر عمل کیا۔ اس منصوبے کے تحت ہر تحصیل میں شفاخانے کھولے گئے۔ دیہی آبادی کیلئے سفری شفاخانے جاری کئے گئے۔ پروگرام یہ تھا کہ ہر نو میل کے بعد عوام کو ایک ڈسپنسری مہیا کی جائے۔ ہر تحصیل میں اعلیٰ درجے کا ایک ہسپتال ہو اور ہر ضلع میں ایک سو مریضوں کے ٹھہرنے کا بندوبست ہو۔

رورل ہیلتھ کا مجھے ذاتی تجربہ تھا۔ جس نے سرکاری کاموں میں میری مدد کی۔ میرے قصبے جمال دین والی میں میرے والد نے ۱۹۳۷ء سے بھی پہلے ایک ڈسپنسری، ایک اسکول اور ایک وٹرنری ڈسپنسری اپنے خرچ سے جاری کی تھیں اور ان کی دیکھ بھال کبھی کبھار میں بھی کرتا تھا۔ چنانچہ جب ریاست بہاولپور میں رورل ڈسپنسریوں کے قیام کی ضرورت ہوئی تو انہی خطوط پر یہ ڈسپنسریاں قائم کی گئیں۔

دیگر اصلاحی کام

میں نے ہر میونسپل کمیٹی میں میونسپل ہال تعمیر کرائے تاکہ وہاں شہری تقریبات منعقد ہو سکیں اور بلدیاتی ارکان اپنے اجلاس کر سکیں۔ چنانچہ آج ایسے ہی ہالوں میں یوم پاکستان اور یوم اقبال وغیرہ کی

تقاریب ہوتی ہیں۔ میونسپل ہال پر نصب کرنے کیلئے خاص قسم کے گھڑیال میں نے بیرون ملک سے در آمد کئے تاکہ عام لوگوں کو اوقات معلوم کرنے کی سہولت ہو۔

پولیس کیلئے نئی یونیفارم تجویز کی۔ کانسٹیبل کی کم از کم لیاقت میٹرک قرار دی۔ تھانے دار کو موٹر سائیکلیں فراہم کی گئیں۔ نیز ہر پولیس اسٹیشن میں وائرلیس لگوائے گئے۔ جن کا رابطہ چیف سنٹر اور آئی۔ جی پولیس سے رہتا تھا۔

انتظامی نوعیت کے کارنامے

ایک دفعہ بہاولپور کی نرسوں نے ریڈ کراس کی امداد کیلئے ایک اسٹیج ڈرامہ کیا تھا۔ اس ڈرامے کے ٹکٹ ضرورت سے زیادہ بکنے کی وجہ سے لوگوں کا شو دیکھنا مشکل ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ کالج کے طلباء جب ڈرامہ دیکھنے پہنچے تو منتظمین نے انہیں داخلے کی اجازت نہ دی جس پر ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد میں وہاں پہنچا اور صورت حالات میرے علم میں لائی گئی تو میں نے پولیس کو وہاں سے ہٹا کر خود طلباء کے مجمع میں گیا اور انہیں بتایا کہ منتظمین نے غلطی سے ٹکٹ زیادہ بیچ دیئے اور اب تماشائیوں کیلئے بیٹھنے کی بھی جگہ نہیں۔ لہٰذا میں نے منتظمین کو حکم دیا ہے کہ وہ کل صرف طلباء کیلئے ایک شو کریں گے اور پھر آپ کے ساتھ میں بھی یہ ڈرامہ دیکھوں گا۔

میری اس حکمت عملی پر طلباء کا جوش ٹھنڈا ہوا اور وہ کل سٹیج شو دیکھنے پر آمادہ ہو گئے۔ اسی طرح مرزائیوں کے خلاف پنجاب میں زبردست ایجی ٹیشن ہو رہا تھا۔ دولتانہ اسی ایجی ٹیشن کے نتیجے میں مستعفی ہوئے تھے۔ اس ایجی ٹیشن کے اثرات بہاولپور میں بھی پہنچے۔ یہاں بھی دفعہ ۱۴۴ لگا دی گئی۔ اس کے علاوہ یہ بھی حکم دیا گیا کہ اگر ان دنوں کوئی لاہور کا ٹکٹ خرید کر بہاولپور ڈویژن سے لاہور جائے تو اسے گرفتار کر لیا جائے۔ اس حکم پر ایجی ٹیشن نے شدت اختیار کر لی اور لوگوں کا مشتعل ہجوم چیف منسٹر ہاؤس پہنچ گیا۔ میری کوٹھی پر پولیس کا پہرہ تھا اور دونوں دروازہ پر گھڑ سوار پولیس موجود تھی لیکن اس موقع پر میں نے پولیس کا پہرہ ہٹوا دیا۔ اور مظاہرین کو کوٹھی کے اندر آنے دیا۔ میں پنے دفتر میں بیٹھا حسب معمول دفتری فائلیں دیکھتا رہا۔ جب مظاہرین اندر آ گئے تو میں کمرے سے باہر آیا اور ان سے کہا کہ "آپ کیا چاہتے ہیں"۔ انہوں نے کہا "ہم گرفتاری چاہتے ہیں۔ پولیس سے کہئے کہ ہم کو گرفتار کرے"۔ میں نے کہا "یہ تو نہیں ہو سکتا۔ آپ اپنے گھر میں ہیں اور آپ کو اپنے گھر سے کون گرفتار کر سکتا ہے لیکن اگر کوئی اور بات ہے تو دیکھئے میں بیک وقت تین سو آدمیوں سے کیسے بات کر سکتا ہوں۔ آپ اپنے میں سے پانچ نمائندے منتخب کر لیں اور انہیں میرے پاس بھیج دیں۔ اگر ان کا اطمینان ہو جائے تو آپ خاموشی سے لوٹ جایئے گا"۔

اس کا ایک فائدہ تو یہ ہوا کہ جو اتحاد ایجی ٹیشن کے وقت دیکھنے میں آیا تھا وہ باقی نہ رہا۔ اس کے بعد جو پانچ علماء میرے پاس گفت و شنید کیلئے آئے تھے ان کی پوزیشن دوسروں کی نظر میں قدرے مشکوک ہو

گئی۔ بہر حال میں نے ان لوگوں سے کہا "کہ میں سید ہوں اور آپ بھی مجھے آل رسول کہتے ہیں۔ آپ بتائیے کہ آنحضور کے ناموس کی حفاظت مجھ سے زیادہ کون کر سکتا ہے۔ رہا یہ مسئلہ کہ پنجاب میں جو لوگ اس سلسلے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں۔ کہیں آپ ان سے پیچھے نہ رہ جائیں تو اس کا علاج یہ ہو سکتا ہے کہ میں آپ کو جلوس نکالنے کی اجازت دے دوں اور آپ مجھے یہ یقین دلا دیں کہ کسی کی املاک کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا"۔ ویسے میں نے ان سے دریافت کیا کہ "آپ لوگوں نے ایجی ٹیشن کیلئے کتنا روپیہ فراہم کیا ہے۔ اور کتنے مجاہدین اس غرض کیلئے تیار کئے ہیں۔ بہر حال میں اس سلسلے میں آپ لوگوں کیلئے یہ سہولتیں فراہم کر سکتا ہوں کہ وہ پابندی جو ریلوے ٹکٹ کے سلسلے میں عائد کی گئی ہے وہ ختم کر دوں اور اس طرح لاہور جانے والوں کو جو ۱۲ روپے فی ٹکٹ خرچ کرنے پڑتے ہیں وہ بچ جائیں اور اس کا آدھا حصہ مجھے دے دیا جائے"۔

اس گفتگو کا خاطر خواہ اثر ہوا اور بہاولپور میں ایجی ٹیشن پر امن طریقے سے جاری ہو کر ختم ہو گیا۔

یہاں یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہ ہو گی کہ ایجی ٹیشن کے دوران جنرل گریسی حکومت پاکستان کا یہ پیغام لے کر میرے پاس آئے کہ اگر مجھے اس ایجی ٹیشن پر قابو پانے کیلئے فوج کی امداد کی ضرورت ہے تو وہ فوج کی خدمات میرے سپرد کر سکتے ہیں۔ میں نے ان سے کہا "جب میں اس مسئلے کیلئے پولیس بھی استعمال نہیں کر رہا تو فوج کہاں استعمال کروں گا"۔ اس کے بعد مجھے کراچی طلب کیا گیا جہاں ایک میٹنگ ہو رہی تھی جس میں تمام صوبوں کے گورنر، چیف منسٹر اور بلوچستان کے ایجنٹ شرکت کر رہے تھے۔ اور جس کی صدارت صدر پاکستان کر رہے تھے۔ خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم پاکستان بھی اس میں شریک تھے۔ اس میٹنگ کا آغاز مشرقی پاکستان کے نور الامین کے اس سوال سے شروع ہوا کہ موجودہ حالات کے تحت حکومت کو کیا کرنا چاہئے۔ ہر گورنر اور چیف منسٹر نے حالات کی نزاکت کا ذکر تو کیا لیکن سدباب کیلئے کوئی تجویز پیش نہ کی۔ دراصل اس وقت عوام کے دو مطالبات تھے۔ ایک قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا جائے اور دوسرا یہ کہ انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ افسوس اس پر بھی کسی نے واضح رائے نہ دی۔ آخر بلوچستان کے بعد میری باری آئی تو میں نے کھڑے ہو کر (اس وقت سر ظفر اللہ وہاں موجود تھے لیکن ممبران کی گفتگو سے بے نیاز اخبار الفضل کے مطالعہ میں مصروف تھے) جب اپنی گفتگو میں یہ کہا کہ یہ اصل میں بہاولپور کا مسئلہ نہیں کیونکہ وہاں تو بہت پہلے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا جا چکا ہے تو مسٹر ظفر اللہ چونکے اور اخبار الفضل سے توجہ ہٹانے پر مجبور ہوئے۔

میں نے تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا کہ اگر سر ظفر اللہ چاہیں تو اس عدالتی فیصلے کے خلاف اپیل کرنے کیلئے آئین میں مقررہ وقت سے چشم پوشی کر سکتا ہوں۔ وہ چاہیں تو از سر نو اس مقدمے کی پیروی کر لیں۔ سر ظفر اللہ اس بات پر بہت غصے میں آئے اور بحث میں الجھانا چاہتے تھے کہ میں نے ایک دوسرا نکتہ اٹھایا کہ جہاں تک مسلمانوں کو اقلیتی فرقہ قرار دینے کا تعلق ہے وہ نہیں سمجھتے کہ اکثریت اور اقلیت قرار

دینے کا حق نہیں۔ اگر اقلیت خود یہ حق مانگتی ہے تو اس کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے اور جب سر ظفر اللہ جیسے حضرات پاکستان کی کلیدی اسامیوں پر قابض ہیں تو پھر انہیں اقلیت قرار دینے پر کیا اعتراض ہے۔ سر ظفر اللہ کو یہ بات بھی ناگوار گزری اور بڑی مشکل سے خواجہ ناظم الدین کی مداخلت پر بات رفع دفع ہوئی۔ سر ظفر اللہ نے خواجہ ناظم الدین کو مباہلہ کی دعوت دی تو میں نے کہا کہ خواجہ صاحب بہت پکے مسلمان ہیں۔ اس چیلنج کیلئے مجھ جیسا گنہگار تیار ہے۔ بہرحال اس گرماگرم بحث کے بعد میٹنگ بغیر کسی فیصلے کے ختم ہو گئی۔

میں واپس آیا تو ۷۱ افراد کے وارنٹ گرفتاری میرے پاس پہنچے جن میں تقریباً تمام اپوزیشن لیڈر بھی شامل تھے۔ میں نے اس پر کوئی عمل درآمد نہ ہونے دیا اور کہا کہ اسمبلی کا اجلاس ہو رہا ہے اس لئے اس وقت کوئی کارروائی نہیں ہو گی اور جہاں تک اپوزیشن کا تعلق ہے اس سے میں ویسے ہی نمٹ سکتا ہوں۔ یہاں یہ بھی واضح کر دوں کہ میرے دور اقتدار میں اپنے مخالفین کے خلاف کبھی کسی قانونی امتناع کا استعمال نہیں ہوا اور کوئی گرفتار نہیں ہوا۔

بجٹ

اس سلسلے میں میری ہمیشہ پالیسی رہی کہ میں اعداد و شمار سے زیادہ حقائق سے واسطہ رکھتا تھا۔ چنانچہ میں نے اس کی تیاری کیلئے جو کمیٹی تشکیل دی تھی اس میں فنانس سیکرٹری کے علاوہ اکاؤنٹنٹ جنرل بھی شامل تھے۔ اس کمیٹی نے تمام ریاستی ملازمین کی تنخواہوں کے سکیل پنجاب کے مطابق کرنے کی سفارش کر دی تھی۔ اس سلسلے میں اکاؤنٹنٹ جنرل کا کہنا تھا کہ ہمیں بجٹ کی تیاری کے وقت کم از کم تیس سال بعد کے حالات کو پیش نظر رکھنا پڑتا ہے۔ اگر آج ملازمین کو پنجاب کے برابر سکیل دے دیئے گئے تو آئندہ مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں۔ میں نے اس پر کہا کہ تیس سال کس نے دیکھے ہیں۔ آپ ملازمین کی تنخواہوں کے سکیل آج ہی پنجاب کے برابر کر دیں۔ چنانچہ انہیں وہی سکیل دے دیئے گئے جو پنجاب کے ملازمین کو مل رہے تھے۔

ادغام کی تلوار

ہماری ترقیاتی سرگرمیاں جاری تھیں لیکن ہمارے سر پر ادغام کی تلوار بھی لٹکی ہوئی تھی۔ جوں جوں اس سلسلے میں مرکزی حکومت کے کسی فیصلے کا وقت قریب آرہا تھا یہاں کے لوگ کافی جذباتی ہوتے جارہے تھے۔ ہر شخص اس کے خلاف سینہ سپر نظر آتا تھا۔ ان حالات میں نہ صرف عوام کو قابو میں رکھنا بلکہ ان کی صحیح رہنمائی کا فریضہ ادا کرنا بھی خاصا دشوار ہوتا ہے۔ بہرحال ہم نے مسلم لیگ اسمبلی پارٹی کا اجلاس بلا کر صورت حالات اس کے سامنے رکھی اور بالآخر جس رائے کا اظہار میں پہلے مختلف مواقع پر بھی کر چکا تھا اسے پارٹی نے قبول کرتے ہوئے یہ قرارداد منظور کی کہ

"ہم ریاست بہاولپور کے کسی دوسرے صوبے میں مدغم ہونے کے خلاف ہیں البتہ اگر تمام مغربی پاکستان کا ایک یونٹ بنایا جائے تو بہاولپور کو اس میں شامل ہونے پر کوئی اعتراض نہ ہو گا"۔

اس مسئلے پر پاکستان مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی کے کئی اجلاس ہو چکے تھے۔ جس میں شرکت کیلئے مجھے بھی طلب کیا گیا تھا۔ تمام وزرائے اعلیٰ بھی کراچی میں باہم صلاح و مشورہ کیلئے جمع ہوئے تھے۔ میں اپنے ساتھ اپنی کابینہ کے دو وزراء راؤ حفیظ الرحمٰن اور سید احمد نواز شاہ کو بھی اپنے ساتھ لے گیا۔ ۱۴ ستمبر ۱۹۵۴ء کو پاکستان مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی میں علاقائی فیڈریشن کی اسکیم پیش ہوئی جس کی صدارت وزیر اعظم پاکستان مسٹر محمد علی نے کی۔ اس اجلاس میں ان اختیارات کی فہرست مکمل کی گئی جو وفاقی مرکز کو حاصل ہونے تھے۔ لیکن پارٹی نے تمام صوبوں کی رضامندی حاصل کئے بغیر علاقائی وفاق کے منصوبے پر غور کرنے سے انکار کر دیا۔

اس سے قبل بنیادی اصولوں کی کمیٹی کے دو اجلاس ہوئے جن میں بلوچستان، قبائلی علاقوں اور ریاستوں کے مستقبل کے بارے میں غور و خوض ہوا۔ کمیٹی نے بلوچستان کو گورنری صوبہ بنانے کی سفارش کر دی لیکن ریاستوں کے مستقبل کے متعلق کمیٹی نے بہاولپور، خیرپور اور دوسری ریاستوں کو قائم رکھنے کی سفارش کی تھی۔ البتہ یہ طے کیا گیا تھا کہ اگر ریاستوں کی مجالس قانون ساز فیصلہ کریں تو ان ریاستوں کو ادغام کی اجازت دے دی جائے۔ لیکن پھر اس فارمولے پر بھی اکتفانہ کیا گیا اور بعض سیاسی حلقے اس بات پر زور دینے لگے کہ کسی طرح بھی کم از کم ریاستوں کو کسی ملحقہ صوبے میں ضرور مدغم کر دیا جائے۔ ہمارا اس سلسلے میں موقف واضح تھا۔ میں نے مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی اور قومی اسمبلی میں ان خیالات کا اظہار کیا تھا۔

یہ سوال کہ آیا وہ ریاستیں جنھوں نے پاکستان سے الحاق کیا ہے اور جنہیں پاکستان کے آئین میں اصول وفاق کے تحت آنے والی ریاستوں سے تعبیر کیا گیا ہے انہیں پاکستان میں مدغم کرنا چاہئے یا نہیں۔ نہایت سنجیدہ غور و فکر کا متقاضی ہے۔ اس سے جو مشکلات پیدا ہوں گی ان پر آسانی سے قابو پایا جا سکے گا۔ مجھے یقین نہیں کہ جو ادغام کی پالیسی کے حق میں ہیں وہ ان مشکلات کو محسوس نہیں کرتے جو اس کے نتیجے میں پیدا ہوں گی۔

میں نے ایسی ہی ایک ریاست کے نمائندے کی حیثیت سے جو سب سے بڑی بھی ہے۔ مسئلے کے تمام پہلوؤں پر غور کیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ادغام پاکستان کے غلط سمت میں ایک قدم ہو گا۔ جو قانونی اور آئینی لحاظ سے

انتہائی کمزور، سیاسی اعتبار سے غیر دانشمندانہ اور اخلاقی نقطہ نظر سے غیر منصفانہ ہو گا۔ اس سے پاکستان یا متعلقہ ریاست کو فائدہ کے بجائے الٹا نقصان ہو گا"۔

غرض میں نے اپنے موقف کی تائید میں آئین کی مختلف دفعات اور معاہدہ الحاق کی شرائط کی مختلف شقوں کا ذکر کیا جن کے تحت کسی ملحقہ ریاست کو کسی دوسرے صوبے میں مدغم نہیں کیا جاسکتا۔ پاکستان گورنمنٹ اس معاہدے کی پابند ہے جو اس نے ریاستوں کے الحاق کے سلسلے میں ان کے حکمرانوں سے کیا ہے۔ ظاہر ہے ان معاہدوں میں بعض شرائط یہی رکھی گئی ہیں جنہیں نظرانداز نہیں کیا جاسکتا اور ان کی موجودگی میں ریاستوں کی حدود میں کوئی تبدیلی کی جاسکتی ہے نہ ان شرائط کے خلاف کوئی قدم اٹھایا جاسکتا ہے۔ میں نے واضح کر دیا تھا کہ اگر پاکستان گورنمنٹ معاہدہ الحاق کے برخلاف کوئی کارروائی کرنا چاہتی ہے تو اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ معاہدہ الحاق کی شرائط میں ریاستی حکمرانوں کی منظوری سے ترمیم کرے۔

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ ۱۹۴۷ء کے انڈی پنڈنٹ ایکٹ (قانون آزادی ہند ۱۹۴۷ء) کے منظور ہونے سے یہ ریاستیں آزاد ہو گئی تھیں اور ان پر اقتدار جواب تک برطانوی پارلیمنٹ کو حاصل تھا وہاں کے حکمرانوں کو منتقل ہو گیا۔ اس لحاظ سے برطانوی ہند کے صوبوں سے ریاستوں کی حیثیت مختلف تھی۔ صوبے تو آزادی ہند کے اعلان کے ساتھ ہی خود بخود پاکستان یا ہندوستان کا حصہ بن گئے تھے۔ لیکن ریاستوں کی صورت یہ تھی کہ انہیں اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا اختیار دیا گیا تھا۔ قانون آزادی ہند ۱۹۳۵ء نے پاکستان اور ہندوستان دونوں نے اپنا لیا تھا اس کی رو سے ریاستوں کو اس سلسلے میں آزادی دی گئی تھی کہ وہ اپنا الحاق پاکستان سے کریں یا ہندوستان سے۔ مزید وضاحت کیلئے کہ اس میں کسی قسم کی الجھن پیدا نہ ہو ریاستوں کو اصول وفاق کے تحت آنے والی ریاستوں سے تعبیر کیا گیا تھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ ریاستوں کے حکمران اور ملک کے گورنر جنرل بعض شرائط کے ساتھ وفاق میں شامل ہونے کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ آئین کی دفعہ ۶ میں بھی اس کی وضاحت کر دی گئی تھی اور وفاقی ریاست کے حکمرانوں سے جو معاہدہ الحاق طے پایا اس میں بھی یہ مسئلہ پوری طرح واضح ہو گیا تھا۔

لہٰذا مسئلے کے قانونی اور آئینی پہلو کو سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ آئین کی دفعہ ۶ اور ان شرائط کو پیش نظر رکھا جائے جو مختلف ریاستوں سے معاہدہ الحاق کے سلسلے میں طے پائی ہیں۔

عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ جہاں تک آئین سازی کا تعلق ہے مجلس قانون ساز کو مقتدر اعلیٰ کی حیثیت حاصل ہے۔ لیکن میں واضح کر دوں کہ یہ صرف برطانوی ہند کے صوبوں تک محدود ہے جو قانون آزادی ہند پاس ہونے کے بعد خود بخود پاکستان کا حصہ بن گئے۔ لیکن ریاستوں کی صورت اس سے مختلف ہے۔ انہوں نے پاکستان سے کچھ شرائط کے تحت الحاق کیا ہے۔ جن کا تفصیلی ذکر معاہدہ الحاق میں موجود ہے۔ ان کی موجودگی میں مجلس قانون ساز کے اختیارات محدود ہو جاتے ہیں۔

سیاسی نقطہ نظر سے اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ پاکستانی ریاستوں کے ادغام سے مسئلہ کشمیر متاثر ہو گا۔ ایک طرف تو ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ بھارتی حکومت نے کشمیریوں کی خواہش کے خلاف کشمیر کو زبردستی بھارت میں شامل کر لیا ہے جو اصول و قانون کی صریح خلاف ورزی ہے۔ اور اس کیلئے ہم مطالبہ کر رہے ہیں کہ کشمیری عوام کی رائے اس سلسلے میں معلوم کی جائے۔ گویا ہمارا یہ مطالبہ حق خود ارادیت کے اصول کا آئینہ دار ہے۔ دوسری طرف ریاستوں کو وہاں کے حکمرانوں اور عوام کی رضامندی حاصل کئے بغیر پاکستان میں مدغم کرنے کا منصوبہ بنایا جارہا ہے۔ ریاستوں کے حکمرانوں نے پاکستان کے ساتھ الحاق اس لئے نہیں کیا تھا کہ وہ اپنی انفرادیت اور تشخص کو گنوا بیٹھیں گے۔

اس سے جہاں بین الاقوامی سطح پر کشمیر کے مسئلے پر ہمارا موقف بے وزن ہو گا وہاں ریاستی حکمرانوں اور پاکستان گورنمنٹ کے درمیان ہم آہنگی باقی نہیں رہے گی اور خواہ مخواہ بات انتشار اور قانونی چارہ جوئی تک پہنچ جائے گی۔ اس کے علاوہ ریاستی عوام اس بارے میں کیا سوچیں گے خاص طور پر ایسے وقت میں جبکہ اکثر ریاستوں میں سیاسی اصلاحات نافذ ہو چکی ہیں ان کے جذبات کیا ہوں گے۔ کیا وہ حکومت پاکستان کے اس اقدام سے مطمئن ہوں گے۔

اس وقت پاکستان کو مرکز اور دوسرے یونٹوں کے درمیان زیادہ سے زیادہ ہم آہنگی، یکجہتی کی ضرورت ہے جو ادغام سے یقیناً متاثر ہو گی۔

جنوب مغرب اور شمال مغرب کی سرحدی ریاستوں کا مسئلہ دوسری ریاستوں سے بھی زیادہ نازک ہے۔ خاص طور پر ایسے وقت میں جبکہ سرحد پار کے کچھ لوگوں سے ہمارے تعلقات بھی زیادہ خوشگوار نہیں ہیں۔ برطانوی حکومت نے ہمیشہ ان ریاستوں کے حکمرانوں اور وہاں کے عوام کو ہر طرح سے مطمئن رکھنے کی کوشش کی ہے تاکہ وہ سرحدات کے تحفظ میں ان کی مدد کریں۔ اگر اس پالیسی میں تبدیلی کی گئی تو ہمیں بلا وجہ کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

جہاں تک مسئلے کے اخلاقی پہلو کا تعلق ہے میں یہ کہنا چاہوں گا کہ ریاستی حکمرانوں نے پاکستان سے جو معاہدہ الحاق کیا ہے اس کی پاسداری حکومت پاکستان کے فرائض میں شامل ہے۔ ان معاہدوں کو عہد نامے کی حیثیت حاصل ہے۔ ان سے انحراف ایک طرح کی وعدہ شکنی ہو گی۔

ادغام کے حق میں جو بات کی جا سکتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ بعض ریاستیں بہت چھوٹی ہیں اور اقتصادی طور پر خود کفیل نہیں ہیں۔ مزید بر آں وہ سیاسی لحاظ سے بھی پسماندہ ہیں۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ تو حکومت پاکستان کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان معاملات میں ان کی مدد کرے لیکن یہ نہ بھولئے کہ ان کا چھوٹا ہونا یا اقتصادی طور پر کمزور ہونا اب ظاہر ہوا ہے۔ وہ تو ہمیشہ سے چھوٹی بھی تھیں اور اقتصادی طور پر خود کفیل بھی نہیں تھیں۔ پھر اگر یہ ریاستیں وحدانی طرز حکومت میں ٹھیک ہیں تو وفاقی طرز حکومت میں کیوں

ٹھیک نہیں رہ سکتیں۔ جس میں چھوٹے اور بڑے تمام یونٹ شامل ہوتے ہیں۔

"ان حقائق کے پیش نظر میں ریاستوں کے ادغام کے حق میں رائے دینے سے معذور ہوں۔ میرے نزدیک اس سلسلے میں کوئی قدم اٹھانے سے پہلے ضروری ہے کہ ریاستوں کے حکمرانوں اور وہاں کے عوام کو اعتماد میں لیا جائے اور ان کی رائے اور خواہش کا احترام کیا جائے"۔

اعلیٰ حضرت کا مجھ پر اعتماد

میں نے پاکستان میں رونما ہونے والے واقعات سے اعلیٰ حضرت امیر بہاولپور کو بھی باخبر رکھنا ضروری سمجھا۔ وہ مجھ پر بے حد شفقت فرماتے تھے اور میری رائے کو ہمیشہ وقعت و قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ جو لوگ یہ تاثر دیتے تھے کہ اعلیٰ حضرت میرے رویہ سے خوش نہیں اور مجھے بہاولپور کا خیر خواہ تصور نہیں کرتے ان کی تردید میں اگرچہ اکثر مواقع پر خود اعلیٰ حضرت کے بیانات کافی ہیں تاہم میں یہاں بعض ذاتی نوعیت کے مراسلات کا حوالہ ضروری سمجھتا ہوں جن سے میرے اور اعلیٰ حضرت کے تعلقات مودت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

انہیں دنوں کی بات ہے کہ میری طبیعت ایسی خراب ہوئی کہ مجھے کچھ دن کیلئے ہسپتال میں داخل ہونا پڑا اعلیٰ حضرت لندن میں تھے۔ لیکن جب انہیں میری علالت کا علم ہوا تو انہوں نے نہایت شفقت آمیز خط مجھے لکھا۔ میری صحت کیلئے دعائیں دیں اور ساتھ ایک تحفہ میرے لئے بھیجا جو ان کی نیک خواہشات اور مجھ سے دلی محبت کا آئینہ دار تھا۔ ان کے انگریزی خط کا اردو ترجمہ میں یہاں پیش کرتا ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۵ اکتوبر ۱۹۵۴ء

مائی ڈیئر محمود'

مجھے آپ کی علالت کا سن کر بہت تشویش ہوئی تھی۔ لیکن جب میں نے ٹیلیفون کے ذریعہ آپ کے متعلق معلوم کیا تو یہ جان کر اطمینان ہوا کہ خدانخواستہ کوئی تشویش ناک بات نہیں۔ بہرحال میری دعا ہے کہ آپ پوری طرح صحت یاب ہوں اور آپ کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ میں اس خط کے ساتھ ایک چھوٹا سا پارسل بھیج رہا ہوں جسے آپ میرے دلی تعلق اور احترام و محبت کے جذبات کی علامت سمجھ کر قبول کر لیں۔ اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

آپ کا شفیق

صادق محمد خاں عباسی

اعلیٰ حضرت اور ریاست کا مستقبل

اس سے پہلے ۲ جون ۱۹۵۴ء کو ایک طویل خط میں نے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں لندن ارسال کیا تھا جس میں پاکستان میں رونما ہونے والے غیر معمولی حالات سے انہیں مطلع کیا تھا۔ اس خط میں میں نے لکھا تھا (اردو ترجمہ)

جناب ہزہائی نس،

امید ہے آپ بخیر و عافیت ہوں گے اور آپ کا سفر خوشگوار رہا ہو گا۔ جیسا کہ آپ کو علم ہے کہ گذشتہ ماہ کی ۵ تاریخ کو مجھے کراچی طلب کیا گیا تھا۔ جس کی وجہ سے میں چار پانچ دن سے زیادہ بہاولپور میں نہ ٹھہر سکا۔ میں ایام تعطیلات میں آپ کا وقت نہیں لینا چاہتا تھا لیکن کچھ اہم مسائل ایسے پیدا ہو گئے ہیں جن سے آپ کو مطلع کرنا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ اس سلسلے میں آپ کی رہنمائی بھی حاصل ہو تا کہ مستقبل کیلئے کوئی لائحہ عمل طے کیا جا سکے۔

حکومت پاکستان کی خواہش کے مطابق دستور ساز اسمبلی کے ممبران ملک کا آئین ماہ اگست تک منظور کرنے کیلئے بڑی تیزی سے محنت کر رہے ہیں اس وجہ سے وہ بعض معاملات جنہیں اب تک ہاتھ نہیں لگایا گیا تھا زیر غور لانے پڑ رہے ہیں تا کہ بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی رپورٹ کی روشنی میں دستور ساز اسمبلی ان پر بھی فیصلہ صادر کر سکے۔

ہزہائی نس کو یہ بھی معلوم ہو گا کہ سر آئیور جننگز کو حکومت پاکستان نے پاکستان کے آئین کا مسودہ تیار کرنے کیلئے مقرر کیا ہے۔ مسودہ تیار ہوتے ہی پاکستان دستور ساز اسمبلی کے سامنے اگست میں پیش کر دیا جائے گا اور امید ہے کہ اسی مہینے کے آخر تک پاس ہو جائے گا۔

آئینی معاملات کے علاوہ بالخصوص وفاق میں شامل ریاستوں کے مستقبل، اور مسٹر فضل الحق کے غیر محب وطن طرز عمل کی وجہ سے مشرقی بنگال میں جو صورت حالات پیدا ہوئی ہے اس نے کراچی میں انتہائی تشویش ناک حالات پیدا کر دیئے ہیں۔ خاص طور پر مغربی پاکستان میں ہم لوگوں کیلئے یہ حالات کافی تشویش اور پریشانی کا باعث ہیں۔ مسٹر فضل الحق کو برخاست کر کے مشرقی بنگال میں دفعہ ۹۲۔ الف لگا دی گئی ہے۔ اس موضوع پر پرائم منسٹر

کا بیان کافی واضح ہے۔ ملک کے ہر طبقہ خیال نے اس حکومت کے اس اقدام کو سراہا ہے اور اس خیال کا اظہار کیا ہے اگر حکومت ان حالات میں یہ قدم نہ اٹھاتی تو پاکستان کی سالمیت اور خود ہماری زندگی بطور آزاد مملکت کے شہریوں کے خطرے میں پڑ جاتی اور وہ قربانیاں جو اس مملکت کیلئے دی گئی تھیں خاک میں مل جاتیں۔

ان تکلیف دہ دنوں میں وفاق میں شامل ریاستوں کے مستقبل کا مسئلہ بھی زیر غور لایا جارہا ہے۔

اس سلسلے میں بنیادی اصولوں کی کمیٹی نے مجھے اور والئ سوات کو ریاستوں کی نمائندگی کیلئے شامل کیا تھا۔ لیکن میں اس کمیٹی کے اجلاس میں شرکت کیلئے گیا تو یہ جان کر افسوس ہوا کہ والئ سوات لندن چلے گئے ہیں اور اس اجلاس میں شریک نہیں ہوں گے۔ اس پر ڈاکٹر محمود حسین اور میں نے کمیٹی سے درخواست کی کہ دو مزید ممبر اس کمیٹی میں نامزد کئے جائیں۔ اس کی کچھ مخالفت ہوئی لیکن بالآخر میرے اصرار پر مسٹر قزلباش چیف منسٹر خیرپور کو کمیٹی کا نیا ممبر نامزد کر دیا گیا۔

نئی تشکیل شدہ کمیٹی میں ریاستوں کے آئندہ آئین کے مسئلے پر تفصیل کے ساتھ غور کیا گیا۔ چونکہ ریاستوں کی نمائندگی بہت کم تھی اس لئے عام خیال یہ تھا کہ ریاستوں کو جداگانہ انتظامی یونٹوں کی حیثیت سے ختم کر دیا جائے گا۔ لیکن میری ذاتی کوشش اور ان توجیہات کی وجہ سے جو مسئلے سے متعلق میں نے کمیٹی میں پیش کی تھیں اسے وقتی طور پر ٹالنے میں مجھے کامیابی ہو گئی ہے۔ میں ہز ہائی نس کے ملاحظہ کیلئے اپنی تقریر کا خلاصہ یہاں منسلک کر رہا ہوں۔

حکومت پاکستان نے بنیادی اصولوں کی کمیٹی کے ممبران کو باور کرایا کہ ان کے پاس مسئلہ متعلقہ کے سلسلے میں کہنے کو کچھ نہیں البتہ کابینہ ان سفارشات کو عملی جامہ پہنانے کے متعلق رہنمائی کرے گی۔

ہز ہائی نس کو یہ معلوم کر کے خوشی ہوگی کہ میں نے اپنی تقریر میں اس مسئلے کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ میں نے ابتداء ہی قانونی اور آئینی پہلوؤں سے کی ہے اور اس سلسلے میں میں نے کمیٹی کی توجہ گورنمنٹ آف انڈیا

ایکٹ ۱۹۳۵ء کی دفعہ ۶ کی طرف بھی دلائی ہے۔ جس میں ریاستوں کے الحاق کے اصلوں سے بحث کی گئی ہے۔ میں نے معاہدہ الحاق کی متعلقہ شق سے بھی بحث کی ہے۔

میری باتیں سننے کے بعد کمیٹی مسئلے کے قانونی پہلوؤں پر غور کرنے کیلئے ایک سب کمیٹی مقرر کرنے پر رضامند ہو گئی۔

اس سب کمیٹی کا اجلاس جو ۹ ممبران پر مشتمل ہے، ۲۹ مئی ۱۹۵۴ء کو دستور ساز اسمبلی کے چیئرمین کی صدارت میں منعقد ہوا۔ ریاستی امور کی وزارت کے نمائندوں اور ایڈووکیٹ جنرل پاکستان نے بھی اس میں شرکت کی۔

دستور ساز اسمبلی کے سیکرٹریٹ اور وزارت ریاستی امور کے ایک ممبر کی طرف سے یہ رائے ظاہر کی گئی تھی کہ معاہدہ الحاق اور اس کے نتیجے میں جو دوسرے معاہدے ہوئے ہیں ان میں ایسی کوئی بات نہیں جو ریاستوں کو پاکستان میں مدغم کرنے کی راہ میں دستوز ساز اسمبلی کیلئے رکاوٹ بنے۔ اس سلسلے میں ضمنی معاہدہ الحاق کی شق ۶ پر زور دیا گیا تھا جو بعض حکمرانوں نے ۱۹۵۲ء اور ۱۹۵۳ء میں کئے ہیں۔

یہ شق اس طرح ہے

"میں مزید اعلان کرتا ہوں کہ پاکستان دستور ساز اسمبلی جو آئین بنائے گی وہی ریاست کا بھی آئین ہو گا۔ اور اس پر جس طرح پاکستان کے صوبوں میں عمل در آمد ہو گا اسی طرح ریاست میں بھی ہو گا اور مذکورہ آئین میں جو امور درج ہیں وہ اسی وقت سے موثر ہوں گے جس تاریخ سے آئین کا نفاذ ہو گا اور یہ آئین جملہ تمام معاہدوں کو ختم کر دے گا۔ جو پہلے جاری شدہ ہے"۔

(ضمنی معاہدہ الحاق شق نمبر ۶، ۵۴-۱۹۵۲ء میں عمل پذیر ہوا)

بہر حال میں نے اس مسئلے کو مختلف توجیہات سے متنازعہ بنا دیا۔ جیسا کہ میری تقریر سے ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

بے موقع نہ ہو گا اگر اس سلسلے میں ضمنی معاہدہ الحاق کی شق ۵ کا ذکر کروں جو ہز ہائی نس نے ۱۹۵۲ء میں کیا ہے۔ میں نے براہ راست اس شق پر بات نہیں کی۔ کیونکہ میں اپنی دوسری تقریر کیلئے اس سلسلے میں دلائل محفوظ

رکھنا چاہتا تھا۔ ہز ہائی نس یہ معلوم کر کے خوش ہوں گے ضمنی معاہدہ الحاق کی شق ۶ جس پر دوسری ریاستوں کے حکمرانوں نے دستخط کئے ہیں وہ شق نمبر ۵ سے جس پر آپ نے ۱۹۵۲ء میں اپنے دستخط کئے ہیں مختلف ہے۔ اس لئے ریاست بہاولپور دوسری ریاستوں کے مقابلہ میں اور وجوہات کے علاوہ اس وجہ سے بھی مختلف حیثیت رکھتی ہے۔

ریاست بہاولپور سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی اعتبار سے ترقی یافتہ بھی ہے اور خود کفیل بھی۔ یہ ترقی کے وسیع امکانات رکھتی ہے۔ اس کا موجودہ سال کا بجٹ ۶ کروڑ روپے سے زائد ہے۔ اور اگر ترقی کے اس معیار کو بر قرار رکھا گیا تو خدا کے فضل سے آئندہ چند سالوں میں اس کی آمدنی دس کروڑ ہو جائے گی۔

ظاہر ہے کہ جب بلوچستان کو بمع بلوچستانی ریاستوں کے جداگانہ یونٹ کے طور پر برقرار رکھا جاسکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں ریاست بہاولپور کے لئے اس اصول کو تسلیم نہ کیا جائے۔

کمیٹی میں دوران بحث سردار عبدالرب نشتر نے ایک اور نقطہ پیش کیا۔ جو حقیقتاً بالکل غیر متعلق تھا۔ انہوں نے کہا کہ انٹر نیشنل لاء کی رو سے ریاست بہاولپور دوسری ریاستوں کے ساتھ پاکستان میں اس لئے مدغم کی جا سکتی ہے کیونکہ پورے پاکستان میں ایک قوت حاکمہ ہونی چاہئے۔ میری رائے میں یہ دلیل ناقابل قبول ہے اور اس نظریہ وفاق کے خلاف ہے۔ جس میں صاف دو قسم کی حاکمہ قوتوں کا تصور موجود ہے۔ ایک وفاقی حکومت کی اور دوسری اس وفاق میں شامل یونٹوں کی جن سے وفاق معرض وجود میں آتا ہے۔ بہرحال میں نے اس نظریہ کی مخالفت کرتے ہوئے سب کمیٹی کے ممبران کو یقین دلایا کہ اگر پاکستان کی خاطر دوسرے یونٹوں نے قربانیاں دیں تو بہاولپور اس معاملے میں کسی سے پیچھے نہیں رہے گا۔

وفاق میں شامل ریاستوں کے ادغام کے حامیوں کا گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کی دفعہ ۶ اور سب سیکشن ۵ پر انحصار تھا۔ میں نے اس دلیل پر جتنا بھی زور دے سکتا تھا دیا۔ میرے قانونی مشیروں نے یقین دلایا ہے کہ ادغام کے حامیوں کے دلائل وزندار نہیں۔ چونکہ یہ مسئلہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے اسلئے میں نے مکمل حالات ہز ہائی نس کے گوش گزار کرنے کی ضرورت محسوس کی

ہے۔ آپ بھی اس سلسلے میں انگلینڈ کے قانون دانوں سے مشورہ کر سکتے ہیں۔ اور اگر آپ اُنکے مشوروں سے مجھے بھی مطلع کریں گے؛ تو میں ادغام کے خلاف مزید زوردار طریقے سے آواز اٹھاسکوں گا۔

اسمبلی کا آئندہ اجلاس اسی مہینے کے وسط میں ہو گا۔ اس لئے اگر جناب اس سلسلے میں اپنی رائے اور ہدایات سے مطلع فرمادیں تو میرے لئے باعث ممنونیت ہو گا۔

اس طویل خط کو ختم کرنے سے پہلے ہی معذرت خواہ ہوں کہ اس کیلئے آپ کا قیمتی وقت میں نے لیا۔ لیکن چونکہ ریاست کے ادغام کا مسئلہ آپ کے اور آپ کی رعایا کیلئے مساوی طور پر بڑی اہمیت کا حامل تھا اس لئے میں اسے آپ کی خدمت میں پیش نہ کرتا تو اپنے فرض سے کوتاہی کا ذمہ دار ہوتا۔

یہ تو پیش گوئی کرنی مشکل ہے کہ سب کمیٹی اور دستور ساز اسمبلی کی کارروائیوں کا کیا نتیجہ بر آمد ہوتا ہے لیکن اتنا بھی کہہ سکتا ہوں کہ میں ریاست کے ادغام کی اسکیم کی آخر وقت تک مخالفت کروں گا۔ اور انشاءاللہ مجھے ضرور کامیابی حاصل ہوگی۔

آپ کی درازی عمر اور خوش اقبالی کا خواہاں!

نیازمند
(ایس۔ ایچ۔ محمود)

اعلیٰ حضرت سرکار عالی امیر بہاولپور ہوٹل سوائے۔ لندن

پاکستان میں ہنگامی حالت کا اعلان

اس خط کا اعلیٰ حضرت نے بذریعہ ٹیلی گرام جوابدیا اور اس میں کہا کہ "وہ میرے لکھنے کے مطابق اپنی سی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن مہینے کے وسط تک تو یہ کام ہونا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ تاہم وہ اس معاملے میں جلد کوئی قدم اٹھائیں گے"۔ یہ ٹیلی گرام مجھے ۱۰ جون کو ملا۔ اس کے کچھ عرصے بعد پاکستان کی سرگرمیوں نے ایک نیا رخ اختیار کر لیا۔ ریاست کے ادغام کے سلسلے میں جو پیش رفت ہو رہی تھی وہ معطل ہو گئی اور ابکا ابھی ۲۴ اکتوبر ۱۹۵۴ء کو پاکستان میں ہنگامی حالت کا اعلان کر دیا گیا۔ گورنر جنرل پاکستان مسٹر غلام محمد نے اعلان میں کہا تھا کہ سیاسی بحران کے پیش نظر یہ قدم اٹھایا گیا ہے۔ اور مسٹر محمد علی کو نئی کابینہ تشکیل کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ چنانچہ اس اعلان کے چھ گھنٹے بعد آٹھ وزراء پر مشتمل نئی کابینہ نے حلف اٹھالیا لیکن تھوڑے ہی دن بعد اس میں ردوبدل ہوا اور پاکستانی افواج کے کمانڈر انچیف

جنرل محمد ایوب خان ' سابق گورنر مشرقی بنگال میجر جنرل سکندر مرزا اور ڈاکٹر خان صاحب جو جنوری ۵۴ء میں ہی رہا ہوئے تھے نئی کابینہ میں شامل کر لئے گئے۔

ریاست کی وزارت اور مجلس بھی برخاست

مسٹر غلام محمد گورنر جنرل پاکستان نے کہا تھا چونکہ مجلس دستور ساز کو اپنی موجودہ شکل میں جمہور کا اعتماد حاصل نہیں رہا تھا اور وہ کام نہیں کر سکتی تھی اس لئے اسے توڑ دیا گیا اور اب عوام اپنے نئے نمائندے منتخب کریں گے۔ اس ہنگامی اعلان کے ساتھ ہی ریاست بہاولپور کی عوامی وزارت اور مجلس قانون ساز بھی توڑ دی گئی اور اعلیٰ حضرت نے اپنے تمام اختیارات اپنے مشیر اعلیٰ کو تفویض کر دیئے۔ اس سلسلے میں اعلیٰ حضرت کا جو فرمان جاری ہوا تھا اس کا متن یہ ہے۔

> "اعلیٰ حضرات امیر بہاولپور کو ایسی صورت حالات رونما ہو جانے کا یقین ہو گیا جس میں حکومت بہاولپور (عبوری دستور ایکٹ ۱۹۵۲ء کی دفعات کے تحت ریاست کی حکومت نہیں چلائی جا سکتی لہٰذا اعلیٰ حضرت نے باستعمال اختیارات زیر دفعہ ۷۴ حکومت بہاولپور (عبوری دستور) ایکٹ ۱۹۵۲ء کے تمام باختیارات خود سنبھال لئے ہیں"۔

ان اقدامات کا پس منظر

دراصل یہ غیر معمولی اقدامات واقعی اس لئے ناگزیر نہیں تھے کہ ملک سیاسی بحران سے دوچار تھا۔ اول تو سیاسی بحران تھا ہی نہیں۔ اگر مشرقی بنگال میں کچھ ناگفتہ بہ صورت پیدا ہو گئی تھی تو وہاں گورنر راج قائم کیا ہی جا چکا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ جس سنگینی حالات کا ذکر مسٹر غلام محمد نے اپنے اعلان میں کیا تھا وہ ابھی تک پیدا تو نہیں ہوئے تھے لیکن آئندہ اس کی توقع ضرور تھی کیونکہ برسر اقتدار لوگ جس منصوبے پر عمل کرنے کی فکر میں تھے اس پر نہ صرف اختلاف رائے کھل کر سامنے آ گیا تھا بلکہ یہ خطرہ بھی تھا کہ آگے چل کر حالات کہیں قابو سے باہر نہ ہو جائیں۔ میری وزارت اور اسمبلی کی برخاستگی خاص طور پر اس وجہ سے عمل میں آئی تھی کہ حکومت جانتی تھی کہ ریاست کے ادغام کے خلاف یہاں شدید ردعمل ہو گا، جس کا کچھ نہ کچھ اندازہ اسمبلی میں میری تقریروں سے ہو چکا تھا۔ ممکن ہے حکومت کی انٹیلی جنس نے میرے اور اعلیٰ حضرت کے درمیان مکاتبت اور صلاح مشورہ کی خبر بھی کسی خوفناک انداز میں حکومت تک پہنچا دی ہو۔ اس لئے حکومت نے مجھے نظر انداز کر کے براہ راست اعلیٰ حضرت کو اپنے اعتماد میں لینا ہی قرین مصلحت سمجھا۔ اعلیٰ حضرت ایک جہاندیدہ انسان تھے۔ وہ بدلتے ہوئے حالات میں گہری نظر رکھتے تھے اور انہیں معلوم تھا کہ زود یا بدیر ریاست میں ان کے اقتدار کا سورج غروب ہو کر رہے گا اس لئے انہوں نے اغلباً

ریاستی عوام کے مفاد کے بجائے اپنے ذاتی تحفظات کی ضمانت ضروری سمجھی جس کا اطمینان حاصل کرنے کے بعد انہوں نے حکومت پاکستان کی ہاں میں ہاں ملا دی اور بہاولپور کی وزارت و اسمبلی برخاست کر دی۔ اگر معاملہ حقیقتاً سیاسی بحران اور سیاسی خلفشار کا ہوتا تو جیسے پاکستان مجلس دستور ساز کو توڑنے کے ساتھ اس ملک کے نئے انتخابات جلد از جلد کرانے کا اعلان کیا گیا تھا اسی طرح ریاستی مجلس کو برخاست کرنے کے ساتھ اس کے نئے انتخابات کا بھی اعلان کر دیا جاتا لیکن نہ صرف یہ کہ اعلیٰ حضرت کے فرمان میں اس کا ادنیٰ بھی اشارہ نہ تھا بلکہ سکندر مرزا وزیر داخلہ و ریاستی امور نے صاف یہ کہہ دیا کہ

"امیر ابھی انتخابات کرانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے"۔

سکندر مرزا نے ایک اخباری بیان میں یہ بھی کہا تھا کہ

"امیر بہاولپور نے یہ قدم ہنگامی حالات کے رونما ہونے کی وجہ سے نہیں اٹھایا بلکہ ریاستی حکومت کی نا اہلی ہی ہنگامی حالت کا حکم رکھتی ہے"۔

میری وزارت کی برطرفی کے اس جواز کی تردید کیلئے وہ بیانات ہی کافی ہیں جو وقتاً فوقتاً اعلیٰ حضرت کی جانب سے شائع ہوتے رہے تھے خاص طور پر انہی دنوں میں اعلیٰ حضرت نے مختلف خطوط اور ٹیلی گراموں میں مجھ پر جس اعتماد کا اظہار کیا تھا وہ میری وزارت کو نا اہل ہرگز قرار نہیں دے سکتے تھے۔ چنانچہ ان کے فرمان میں بھی اس کا ادنیٰ اشارہ تک نہیں۔ دراصل بات وہی تھی جس کا ذکر میں اوپر کر آیا ہوں۔ مرکزی حکومت یہ نہیں چاہتی تھی کہ جس منصوبے کو وہ عملی جامہ پہنانا چاہتی ہے اس میں کسی طرف سے کوئی رکاوٹ پڑے۔ لیکن یہ بات اب تک واضح نہیں تھی کہ حکومت پاکستان ریاستوں کو ملحقہ صوبوں میں مدغم کرنے پر ہی تلی ہوئی ہے یا کوئی اور سکیم اس کے پیش نظر ہے۔ اس حد تک تو پھر بھی ہم نے اپنا موقف واضح کر دیا تھا کہ اگر پاکستان کی بقاء و سلامتی کیلئے حکومت تمام جداگانہ یونٹوں کو ختم کر کے مغربی پاکستان کا ایک یونٹ بنا لے تو ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ حالانکہ یہی قرارداد خیرپور نے بھی منظور کی تھی لیکن اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی لیکن بہاولپور اس کی زد میں آ گیا۔ بہرحال یہ ایک افسوسناک حقیقت تھی کہ ریاست بہاولپور میں جس جمہوری سفر کا آغاز ہوا تھا اس سے اس کا رشتہ منزل پر پہنچنے سے پہلے ہی منقطع کر دیا گیا۔ اور ہم امور مملکت خویش خسرواں دانند کی تعبیر میں صبر و شکر کر کے رہ گئے۔

اس سے پہلے مسٹر اے۔ آر خاں نے ایک اکانومی کمیٹی تشکیل دی تھی تاکہ وہ حالات کا جائزہ لیکر جہاں جو روپیہ اگلے سال میں خرچ ہونا تھا اس میں سے وہ تمام اسکیمیں نکال دیں جس کی وجہ سے ریاست کو ترقی کرنا تھی۔ ون یونٹ کے وقت ریاست کی آمدنی سات کروڑ روپے سے زیادہ ہو گئی تھی۔ جو صوبے کے خزانے میں چلی گئی اور بہاولپور کے عوام ان فلاحی اور ترقیاتی پروگراموں سے محروم ہو گئے۔ جن سے وہ ہمکنار ہونے والے تھے۔ کیونکہ یہی وہ زمانہ تھا جب ریاست میں ترقی کی رفتار تیز ہوئی تھی۔

جدید ٹیکنالوجی سے استفادے کا وقت آیا تھا۔ پولیس، ہوابازی، صحت عامہ، تعلیم اور زراعت کی ترقی کیلئے کام ہونا تھا۔ گرلز کالج کی عمارت بنی تھی۔ سیکرٹریٹ تعمیر ہونا تھا۔ چیف منسٹر ہاؤس بننا تھا۔ ہوٹل بننے تھے۔ ریلوے اسٹیشن کی تعمیر ہونی تھی۔ سیم و تھور کے انسداد کیلئے منصوبے زیر عمل آتے۔ چولستان کی ترقی کیلئے منصوبہ بنا لیکن ہمارے یہ منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے۔

میرا الوداعی پیغام

تاہم میں نے بہاولپور مجلس کے خاتمہ پر جو پیغام عوام کے نام دیا تھا اس کا متن یہ ہے :

"میں ریاست بہاولپور کا آئین معطل کئے جانے پر اظہار افسوس کرتے ہوئے قلب کی گہرائیوں کے ساتھ ان سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے میرے فرائض کی ادائیگی مین مدد دی۔ میں اس غرض کیلئے پریس کا سہارا لے رہا ہوں کیونکہ فرداً فرداً سب کا تحریری طور پر شکریہ ادا کرنا ممکن نہیں۔

بہاولپور کے لوگوں نے میری عوامی زندگی کے اولین مراحل میں مجھ پر جس اعتماد کا اظہار کیا وہ میرے لئے سرمایہ افتخار ہے۔ میں نے اپنی وزارت کے دوران عوام اور امیر بہاولپور کی حتی المقدور خدمت کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں ان سب کا ممنون ہوں۔ جنھوں نے مجھ سے تعاون کیا اور ان سے معذرت خواہ ہوں جن کو میرے کسی فعل سے تکلیف یا نقصان پہنچا۔ چاہے وہ حزب مخالف سے تعلق رکھتے ہوں یا میری اپنی پارٹی کے افراد ہوں۔ میں نے ان سب کا احترام کیا جو مجھ سے ملے اور جن کا مجھ سے تعلق رہا۔

بہاولپور کی خدمات کسی کی کسی سے کم نہیں ہیں۔ ہم نے بھی انتھک محنت سے ثابت کر دیا ہے کہ عملی اقدام اور سودمند منصوبوں کے اجراء میں ہمارے عوام اپنے پڑوسی صوبوں کے برابر ہیں۔ ہم نے پاکستان کی خوشحالی میں بھی ہاتھ بٹایا۔ گذشتہ چھ سال میں ہماری حکومت نے عوام کی بہتری کی اسکیمیں چلائیں۔ میں بہاولپور کے عوام کو یقین دلاتا ہوں کہ انہیں جب بھی میری خدمات کی ضرورت ہوگی مجھے وہ اپنے ساتھ پائیں گے۔

جو قدم حکومت نے اٹھایا ہے ممکن ہے وہ کچھ قربانیوں کا متقاضی ہو اور اگر یہ قربانیاں مضبوط و مستحکم پاکستان کیلئے ہیں تو ہم میں سے کوئی اس سے ناخوش نہیں ہو گا۔ بلکہ اس موقف کی تائید کرے گا کہ ملک و ملت کیلئے قربانی

دینے میں ہم سب سے پیش پیش ہیں۔ آج ہم سب کو مل کر ملک کی خوشحالی اور استحکام کیلئے کام کرنا چاہئے۔

مجھے امید ہے کہ جو اسکیمیں حکومت بہاولپور کی طرف سے عوام کی بہبود کیلئے وقتاً فوقتاً جاری کی جاتی رہی ہیں انہیں مکمل کیا جائے گا اور جو مکمل ہو چکی ہیں وہ جاری رہیں گی۔

آخر میں بہاولپور کے عوام سے وعدہ کرتا ہوں کہ جس حیثیت میں بھی ہوا بہاولپور کی خدمت اپنا فرض سمجھوں گا اور پاکستان کے مفاد کیلئے کام کرنا بھی ہمیشہ میری زندگی کا مقصد رہے گا"۔

باب ششم

ایک یونٹ کی تجویز

ہم تو خاموش تھے۔ لیکن پاکستان کے دوسرے حصے پھر بھی جوڑ توڑ میں مصروف رہے۔ اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ ادغام کی تجویز تو دھری کی دھری رہ گئی لیکن تمام یونٹوں کو ملا کر ایک یونٹ بنانے کی تجویز پر اکثریت کا اتفاق ہو گیا۔ اس تجویز کے متعلق بھی اگرچہ کہا یہی گیا تھا کہ مختلف صوبوں اور یونٹوں میں ہم آہنگی پیدا کرنے کیلئے یہ قدم اٹھایا جا رہا ہے لیکن دراصل اس کا مقصد بھی مشرقی بنگال کی افرادی اکثریت کو غیر مؤثر بنانا تھا۔ مغربی پاکستان کو ون یونٹ بنا کر اسے مشرقی بنگال کا ہم پلہ بنانا مقصود تھا۔ تاکہ مرکزی سطح پر مشرقی و مغربی دونوں یونٹ ایک برابر آجائیں۔ تاہم مغربی پاکستان کے عوامی حلقوں میں استحکام پاکستان کے نام پر ون یونٹ کی تجویز کی بہت زیادہ مخالفت نہیں ہوئی اور تمام جداگانہ یونٹوں نے بخوشی یا بہ مجبوری اپنی انفرادیت کو ختم کرنا منظور کر لیا۔ ویسے بھی اس کے خلاف منظم طور پر کوئی تحریک چلانی اس لئے ممکن نہیں تھی کہ پاکستان میں ہنگامی حالت کا اعلان ہو چکا تھا اور صوبائی اسمبلیاں جو عوامی نمائندگی کا موثر ترین ادارہ ہوتی ہیں توڑ دی گئی تھیں۔

جہاں تک بہاولپور کا تعلق تھا حکومت پاکستان اعلیٰ حضرت امیر بہاولپور کو اپنے ہاتھ میں لے چکی تھی۔ دوسرے ہم نے بھی ون یونٹ کی تجویز کا خیر مقدم کیا تھا۔ اس لئے بہاولپور کو ون یونٹ میں مدغم کرنے میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوئی۔ اعلیٰ حضرت بہاولپور کو ون یونٹ کا ایک جزو بنانے پر بخوشی تیار ہو گئے چنانچہ یکم دسمبر ۱۹۵۴ء کو وزیر اعظم پاکستان مسٹر محمد علی نے اپنی نشری تقریر میں ون یونٹ کے متعلق اعلان کیا۔ انہوں نے اپنی تقریر میں کہا تھا،

"مغربی پاکستان کی اسمبلی میں پنجاب کو آبادی کے تناسب سے ۵۲ فیصد نمائندگی ملنی چاہیئے لیکن چھوٹے یونٹوں کے خدشات دور کرنے کیلئے پنجاب نے رضا کارانہ طور پر یہ منظور کر لیا ہے کہ آئندہ دس سال کیلئے پنجاب کو مغربی پاکستان کی اسمبلی میں ۵۲ فیصد کی جگہ ۴۰ فیصد نمائندگی دی جائے گی اور ۶۰ فیصد نمائندگی دوسرے علاقوں کو ملے گی۔ البتہ دس سال بعد اس علاقے کو آبادی کے تناسب سے نمائندگی ملے گی"۔

ون یونٹ کی اس اسکیم کی اگرچہ تمام صوبوں نے حمایت کر دی تھی لیکن اس کی باقاعدہ منظوری حکومت نے نہیں دی تھی۔ کیونکہ بہت سے انتظامی امور تصفیہ طلب تھے۔ دریں اثناء مسٹر حسین شہید سہروردی کو پاکستان کی کابینہ میں شامل کر کے وزارت قانون کا قلمدان سونپ دیا گیا جنھوں نے وزارت کا حلف اٹھانے کے بعد کہا تھا کہ؛

"وہ پاکستان میں جمہوری عمل کو جاری کرنے کی مساعی میں ہر ممکن مدد دیں گے"۔

۱۷ر دسمبر ۱۹۵۴ء کو گورنر جنرل پاکستان مسٹر غلام محمد نے مغربی پاکستان کی وحدانی حکومت کیلئے انتظامی کونسل کی تشکیل کا فرمان جاری کر دیا۔

یہ کونسل صوبہ سندھ اور پنجاب کے گورنروں ' وزراء اعلیٰ اور ایجنٹ گورنر جنرل بلوچستان پر مشتمل تھی اور یہ طے پایا تھا کہ وزیر اعلیٰ بلوچستان ' وزیر اعلیٰ خیرپور اور مشیر اعلیٰ بہاولپور کونسل کی صرف اس کارروائی میں شریک ہوا کریں گے جو ان علاقوں سے متعلق ہوں۔ اس کونسل کا فرض ہو گا کہ باہم صلاح و مشورہ کے ساتھ مغربی پاکستان کی وحدانی حکومت کے آئین کیلئے سفارشات مرتب کرے جس میں وحدانی حکومت کے مرکز ، سیکرٹریٹ ، موجودہ صوبائی اور ریاستی ملازمتوں کے مرکزی وحدت میں تمام امور انتظامیہ کی پالیسی کے طریق کار کی وضاحت ہو گی۔

۱۷ر اور ۱۸ر دسمبر کو کانفرنس کا اجلاس ہوا جس کے بعد صوبائی گورنروں ' وزراء ' والیان ریاست' ایجنٹ گورنر جنرل برائے بلوچستان اور ریاستی وزرائے اعلیٰ کی طرف سے ایک مشترکہ اعلان جاری ہوا جس میں کہا گیا کہ؛

"ہم نے مغربی پاکستان کو سیاسی اور انتظامی وحدت میں مدغم کرنے کے متفقہ اور قطعی فیصلے کے بعد وحدانی حکومت کے انتظامی ڈھانچے پر غور کیا اور اتفاق رائے سے یہ فیصلہ کیا کہ مغربی پاکستان کے ایک صوبے کا انتظامی ڈھانچہ عام صوبائی نظم و نسق کے نمونے پر ہو گا۔ یعنی مغربی پاکستان کی وحدانی حکومت کیلئے ایک گورنر ، ایک کابینہ ' ایک سیکرٹریٹ ہو گا اور مختلف محکموں کے سربراہ ضرورت کے مطابق اہم مقامات پر متمکن ہوں گے۔

"موجودہ صوبائی نظام کے نمونے پر مغربی پاکستان کو ان ضلعوں اور ایجنسیوں میں تقسیم کر کے ان اضلاع کو دس کمشنریوں کے تحت دیدیا جائے گا۔

نئے انتظامات کے تحت قبائلی علاقوں سمیت وہ تمام علاقے بھی براہ راست مغربی پاکستان کی وحدانی حکومت کے ماتحت ہوں گے جن پر اسوقت مرکزی حکومت کا کنٹرول ہے۔

۲۸ر مارچ ۱۹۵۵ء کو گورنر جنرل نے ایک حکم جاری کیا جس میں کہا گیا کہ "جلد از جلد مغربی پاکستان کا نیا صوبہ معرض وجود میں آنے والا ہے اور اس سلسلے میں انتظامی کونسل کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ نئے صوبے کے انتظامات کیلئے ضروری اقدامات کرے۔"

۱۴ر اپریل ۱۹۵۵ء کو گورنر جنرل پاکستان نے ایک اور حکم کے ذریعہ مسٹر گورمانی کو صوبہ مغربی پاکستان کا گورنر اور ڈاکٹر خان صاحب کو وزیر اعلیٰ مقرر کر دیا۔

یونٹ کے قیام کے ساتھ مسلم لیگ کی تنظیم جدید

مغربی پاکستان کے تمام یونٹوں کو ایک انتظامی یونٹ میں مدغم کرنے کی اسکیم کے ساتھ ہی پاکستان کی سب سے بڑی سیاسی جماعت مسلم لیگ کی صوبائی شاخوں کو بھی ایک تنظیم میں منسلک کرنے پر غور شروع ہو گیا۔ ملک فیروز خاں نون جو ان دنوں پنجاب کے وزیر اعلیٰ اور پنجاب صوبائی لیگ کے صدر تھے، اس معاملے میں کافی سرگرم عمل تھے۔ انہوں نے پہلے تمام صوبائی لیگوں کی مجالس عاملہ کا اجلاس طلب کیا اور اس غرض کیلئے صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ کو میزبانی کا موقع دیا۔ پھر یہ طے پایا کہ آئندہ اجلاس بہاولپور میں ہو گا۔

دسمبر میں ہی پاکستان مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کا اجلاس مسٹر محمد علی وزیر اعظم پاکستان کی صدارت میں ہوا جس میں پنجاب و سندھ کی صوبائی لیگوں کو توڑنے کا فیصلہ کیا گیا جبکہ بہاولپور اور صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کی نئی ممبر سازی کا فیصلہ کیا گیا۔ لیکن مشرقی پاکستان مسلم لیگ کے مستقبل کے بارے میں کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔

دستوریہ پاکستان کو توڑنے کے خلاف قانونی چارہ جوئی

ادھر سیاسی و انتظامی اکھاڑ پچھاڑ کا یہ سلسلہ جاری تھا۔ ادھر پاکستان کی دستوریہ کو توڑنے سے جو آئینی الجھنیں پیدا ہو گئی تھیں وہ بھی حکومت کیلئے خاصا دردِ سر تھیں۔ پہلے گورنر جنرل کے اس اقدام کے خلاف سندھ ہائیکورٹ میں مقدمہ دائر کر دیا گیا تھا جہاں سے اس فیصلے کو کالعدم قرار دینے پر جب حکومت

نے فیڈرل کورٹ سے رجوع کیا تو اس کے فل بنچ نے جو چیف جسٹس محمد منیر، جسٹس محمد اکرم، جسٹس شریف، جسٹس رحمٰن اور جسٹس کارنیلیس پر مشتمل تھا، متفقہ طور پر گورنر جنرل کے اقدام کو درست تسلیم کر لیا اور ساتھ ہی نئی دستور یہ نامزد کرنے کے اختیارات کے متعلق گورنر جنرل کے فیصلے کو صحیح مان لیا۔ اور اس طرح ان کے تمام اقدامات قانونی و آئینی طور پر درست تسلیم کر لئے گئے تاہم آئین کی منظوری کا مسئلہ ابھی طے نہیں ہوا تھا۔ مسٹر محمد علی وزیر اعظم پاکستان ایک قومی کنونشن میں اس کی منظوری حاصل کرنی چاہتے تھے۔

وحدت مغربی پاکستان کیلئے گورنر اور وزیر اعلیٰ کا تقرر

مغربی پاکستان کو ایک وحدت میں تبدیل کرنے کے منصوبے کو ابھی عملی جامہ پہنانا باقی تھا۔ جو پاکستان کے نئے آئین کی منظوری کے انتظار میں تھا۔ اسی اثناء میں گورنر جنرل پاکستان نے مجوزہ وحدت مغربی پاکستان کا گورنر نواب مشتاق احمد گورمانی کو اور وزیر اعلیٰ سرحد کے ڈاکٹر خان صاحب کو مقرر کر دیا۔

اس انتخاب سے مسلم لیگی حلقوں میں خاصی کھلبلی مچی۔ مسلم لیگی تو یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ڈاکٹر خان صاحب جیسے کٹر کانگریسی کو مغربی پاکستان کا وزیر اعلیٰ منتخب کیا جا سکتا ہے لیکن دراصل اس کے ذمہ دار بھی مسلم لیگ کے کرتا دھرتا حضرات تھے۔ انہوں نے قیام پاکستان کے بعد اس کو مقبول عوامی جماعت بنانے کے بجائے اسے گھر کی لونڈی سمجھ لیا تھا اور یہ اسے پاکستان میں اپنے ذاتی اقتدار کیلئے استعمال کرتے تھے۔ پھر بڑی سطح پر اس کے لیڈروں نے جو سازشوں کا سلسلہ شروع کیا تھا اس نے اس کی سیاسی ساکھ کو کافی نقصان پہنچایا تھا۔ رہی سہی کسر مشرقی بنگال میں اس کی شکست نے پوری کر دی تھی۔

غیر لیگی عناصر کی حکومت میں شمولیت کا جواز

اب ایسے وقت میں جبکہ تمام صوبوں اور ریاستوں کو ملا کر ایک انتظامی وحدت میں جذب کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی اس بات کی شدت سے ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ تمام طبقات آبادی اور تمام حلقہ ہائے نظریات کی حکومت کو حمایت حاصل ہو۔ صوبہ سرحد اور بلوچستان جغرافیائی اعتبار سے بڑی اہمیت کے حامل تھے۔ وہاں کے عوام جب تک ون یونٹ میں دل و جان سے شامل نہ ہوتے اس اسکیم کا کامیاب ہونا آسان نہ تھا۔ اس لئے پاکستان کے ارباب حل و عقد نے اس نازک وقت میں غیر لیگی عناصر کو بھی حکومت میں شامل کرنا ضروری سمجھا۔ ڈاکٹر خان صاحب کے علاوہ اگر کوئی اور سیاست دان ہوتا تو شاید اقتدار کے لالچ میں آ کر وہ مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کرنے سے بھی گریز نہ کرتا۔ لیکن میں ڈاکٹر خان صاحب سے سیاسی اختلاف رکھنے کے باوجود یہ ضرور کہوں گا کہ وہ سیاسی کردار کے آدمی تھے۔ انہوں نے حکومت کی دعوت پر لبیک تو کہا لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ جس جماعت کی انہوں نے ہمیشہ

مخالفت کی ہے اب اس میں شامل نہیں ہوں گے اور اگر انہوں نے ضرورت محسوس کی تو وہ کوئی نئی سیاسی جماعت بنائیں گے۔

ڈاکٹر خان صاحب کا تو سیاسی کردار یہ تھا کہ انہوں نے اپنی مخالف جماعت مسلم لیگ کی رکنیت قبول کرنی پسند نہ کی لیکن ہمارے مسلم لیگی لیڈروں کا یہ حال تھا کہ جب ڈاکٹر خان صاحب کو مغربی پاکستان کی وزارت اعلیٰ کا قلمدان سپرد ہوا اور انہوں نے اپنی کابینہ میں بعض مسلم لیگی ارکان کو بھی شامل کرنا چاہا تو میاں ممتاز دولتانہ سمیت کئی مسلم لیگی ارکان خوشی خوشی اس میں شامل ہو گئے۔

آئینی کنونشن کیلئے بہاولپوری نمائندگان کی نامزدگی

آئینی کنونشن کیلئے ساٹھ ممبران کی تعداد مقرر ہوئی تھی۔ باقی صوبوں سے تو مقررہ تعداد میں ممبران منتخب ہوئے تھے۔ لیکن ٹرائبل ایریا' بلوچستان' بلوچستانی ریاستیں' سرحدی ریاستیں' خیرپور' بہاولپور اور کراچی سے جو ممبر لئے جانے تھے ان کی نامزدگی کا اختیار گورنر جنرل نے اپنے پاس رکھا تھا۔ بہرحال اس اصول کے مطابق بہاولپور کے دو ممبران کی نامزدگی ہونی تھی جس کے خلاف بہاولپور کے عوامی حلقوں نے اپنی ناپسندیدگی کا برملا اظہار کیا۔ ان کا مطالبہ تھا کہ ان دو ممبران کا انتخاب بہاولپور اسمبلی کرے۔ لیکن چونکہ اسمبلی توڑی جا چکی تھی اس لئے ان کی نامزدگی کا اختیار اعلیٰ حضرت امیر بہاولپور کو دیدیا گیا اور انہوں نے سید احمد نواز شاہ گردیزی اور چودھری عبدالسلام کو ریاست کی طرف سے نامزد کر دیا۔ یہ ایک لحاظ سے ریاست کے مخالف و موافق دونوں طبقوں کو خوش کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ ویسے اگر دیکھا جاتا تو مخالف جماعت جناح عوامی لیگ تھی جس کو ریاست میں کوئی خاص مقبولیت حاصل نہ تھی۔ تاہم چودھری عبدالسلام کو جناح عوامی لیگ کے نمائندے کی حیثیت سے آئینی کنونشن کیلئے نامزد کیا گیا تھا لبعد میں فیڈرل کورٹ کے اس رولنگ کی وجہ سے کہ آئینی کنونشن مجلس دستور ساز کا نعم البدل نہیں بن سکتا جب تک اسے دستور یہ کا ہی نام دیا جائے۔

پاکستان دستور ساز اسمبلی کے انتخابات

چنانچہ ۲۱ر جون ۱۹۵۵ء کو دستور ساز اسمبلی کے نام سے انتخابات عمل میں آئے جس کے نتیجے میں مسلم لیگ نے ۲۵ متحدہ محاذ نے ۱۶ عوامی لیگ نے ۱۳۔ آزاد امیدواروں نے ۴ جن میں دو غیر مسلم شامل تھے۔ پاکستان نیشنل کانگریس نے ۴ اقلیتی گروپ نے ۳ نون آزاد گروپ نے ۳ یونائیٹڈ پروگریسو پارٹی نے ۲۔ آزاد پاکستان پارٹی نے ایک اور کمیونسٹ پارٹی نے ایک نشست حاصل کی۔

غلام محمد کی جگہ سکندر مرزا

ابھی آئینی کنونشن نے کام شروع نہیں کیا تھا اور نہ وحدت مغربی پاکستان کا مسودہ قانون پیش ہُوا تھا کہ مسٹر غلام محمد گورنر جنرل پاکستان نے استعفیٰ دیدیا اور ان کی جگہ ۵ر اگست ۱۹۵۵ء کو میجر جنرل سکندر مرزا وزیر داخلہ پاکستان کو قائمقام گورنر جنرل بنا دیا گیا۔ ویسے تو غلام محمد کی صحت کافی عرصہ سے خراب تھی لیکن اب یکایک خرابی صحت کا عذر کر کے ان کا استعفیٰ دے دینا خالی از علت نہ تھا۔ دراصل جس گروپ کے ہاتھوں کھلونا بن کر انہوں نے پاکستان میں سیاست کا جو جال بُنا تھا اس میں وہ خود پھنس گئے تھے۔

غلام محمد میں ذاتی خوبیاں تھیں

مسٹر غلام محمد اپنی بعض شخصی خامیوں کے باوجود درد دل رکھنے والے انسان تھے۔ بزرگان دین سے حسن عقیدت ان کی گھٹی میں پڑی تھی۔ وہ وارثی سلسلے میں پیر صاحب دیوا شریف کے مرید بھی تھے۔ مجھ پر بڑی شفقت کرتے تھے۔ انتظامی وسیاسی امور میں جب کبھی میرے مشورے کی ضرورت ہوتی تھی تو مجھے بلا بھیجتے تھے۔ ایک دفعہ رئیس الامراء مولانا محمد علی مرحوم کی صاحب زادی کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ بہت کسمپرسی کے دن بسر کر رہی ہیں تو مجھ سے بطور خاص ان کی مدد کیلئے کہا۔ حالانکہ وہ جس چیف منسٹر کو چاہتے یہ حکم دے سکتے تھے۔ لیکن مجھ سے چونکہ ایک خاص تعلق خاطر تھا اس لئے محترمہ کی مدد کیلئے انہوں نے مجھے ہی اس قابل سمجھا زبانی مدد کرنے کے علاوہ انہوں نے ایک خط بھی مجھے لکھا اور اس کے ساتھ تفصیلی نوٹ بھی بھیجا۔ یہاں بھی اس خط اور تعارفی نوٹ کا اردو ترجمہ درج کر رہا ہوں۔

گورنر جنرل ہاؤس
کراچی
۲۹ر اگست ۱۹۵۳ء

مائی ڈیئر چیف منسٹر

میں مسز زہرا زاہد علی بنت مولانا محمد علی جوہر کی ممکنہ مدد کے سلسلے میں جن کے متعلق میں نے آپ سے زبانی گفتگو کی تھی ایک نوٹ بھیج رہا ہوں۔

آپکا مخلص
غلام محمد

مخدوم زادہ سید حسن محمود
چیف منسٹر بہاولپور

گورنر جنرل کا نوٹ

مسز زاہد علی مولانا محمد علی جوہر کی صاحب زادی اور ان کے بڑے بھائی مولانا شوکت علی مرحوم کی بہو ہیں۔ مسلمانان برصغیر کی ان دونوں بھائیوں نے جو خدمات انجام دی ہیں ان سے ہر شخص واقف ہے۔ مسٹر زاہد علی خلافت ہاؤس بمبئی میں رہتے ہیں اور مسز زاہد علی اپنے ایک لڑکے کے ہمراہ کراچی میں ہیں۔ مجھے ذاتی طور پر معلوم ہوا ہے کہ وہ مالی طور پر بہت خستہ حال ہیں۔ ہندوستان سے انہیں جو مدد ملتی تھی وہ بند ہو چکی ہے۔ ان کے والد اور سسر کی خدمات کے پیش نظر یہ مالی اعانت کی مستحق ہیں۔

مسلمانان پاکستان کو مولانا محمد علی مرحوم کی صاحب زادی اور مولانا شوکت علی کی بہو کو مالی مشکلات میں مبتلا نہیں رہنے دینا چاہئے۔

ان کا پتہ یہ ہے۔

مسز زہرا زاہد علی
معرفت ۴/۳۰ موتی لعل نہرو روڈ
کراچی

بہرحال مسٹر غلام محمد گئے اور میجر جنرل سکندر مرزا آ گئے۔

بوگرا کی جگہ محمد علی چودھری

۷ر اگست ۱۹۵۵ء کو مسٹر محمد علی بوگرا کی جگہ چودھری محمد علی مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی کے لیڈر چن لئے گئے۔ جس کے بعد مسٹر محمد علی بوگرا پاکستان کی وزارت عظمیٰ کے عہدے سے بھی مستعفی ہو گئے۔

مری میں پاکستان دستور ساز اسمبلی کا جو اجلاس ہوا تھا اس موقع پر یہ طے پایا تھا کہ مسٹر سہروردی کو وزیر اعظم بنایا جائے گا لیکن چودھری محمد علی کے مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی کے لیڈر منتخب ہونے اور اس کے نتیجے میں وزارت عظمیٰ ان کے حصے میں آنے کی وجہ سے سہروردی صاحب وزیر اعظم نہ بن سکے، جس کا انہوں نے نہ صرف برا منایا بلکہ مسلم لیگ کو وعدہ خلافی کا طعنہ بھی دیا۔ مسلم لیگی وزارت انہیں ڈپٹی پرائم منسٹر بنانے کیلئے تیار تھی لیکن اسے انہوں نے پسند نہ کیا۔ اس کے بعد ایسے حالات پیدا ہوئے کہ پاکستان میں مسلم لیگی حکومت کی بجائے ایک مخلوط حکومت تشکیل دینی پڑی جس کی سربراہی چودھری محمد علی کے حصے میں آئی، جنھوں نے اپنی کابینہ بنائی۔

۲۳ر اگست کو پاکستان دستور ساز اسمبلی میں مغربی پاکستان کا بل پیش ہوا جو تیسری خواندگی پر

۳۰ر ستمبر ۱۹۵۵ء کو ۱۳ کے مقابلے میں ۴۳ ووٹوں سے منظور ہو گیا اور گورنر جنرل نے ۳ر اکتوبر کو اس کی توثیق کر دی۔

ریاست کی انفرادیت کا خاتمہ

قیام مغربی پاکستان کے ساتھ ہی ریاست بہاولپور کی انفرادیت ختم ہو گئی اور اعلیٰ حضرت امیر صادق محمد خاں عباس اپنے اختیارات حکمرانی سے دستبردار ہو گئے۔ اس طرح خاندان عباسیہ کے تین سو سالہ دور حکمرانی کا خاتمہ ہو گیا۔

امیر بہاولپور نے اس موقع پر باشندگان بہاولپور کے نام یہ پیغام دیا تھا جو ان کے دلی جذبات کا آئینہ دار تھا۔

> "میرے خاندان اور آپ کے مابین جو تعلقات پچھلے چند سو سال سے چلے آ رہے تھے ان کے ختم ہو جانے کا وقت آ گیا ہے۔ میں اس موقع پر محبت اور استحسان کے پر خلوص جذبات کے ساتھ آپ کی محبت، تعظیم، وفاداری اور تعاون کا جو آپ کم و بیش پچاس سال تک میرے ساتھ روا رکھتے رہے ہیں دلی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ مجھے بھروسہ ہے کہ اپنے محبوب وطن پاکستان کے ساتھ اپنی دوستی اور وفاداری میں آپ کسی سے پیچھے نہیں رہیں گے۔ مجھے آپ کی ترقی اور خوشحالی سے انشاءاللہ تادم زیست اک گونا دلچسپی رہے گی۔ میری دعا ہے کہ رحمٰن و رحیم آپ پر ہمیشہ اپنا فضل و کرم فرمائے۔ آپ کا حامی و ناصر اور آپ کو ہمیشہ سیدھی راہ پر چلنے کی توفیق ارزانی فرمائے"۔

میری علیحدگی کی کہانی

اپنی علیحدگی سے پہلے میں کراچی جاتا ہوں کیونکہ مجھے یقین تھا کہ میرے خلاف کارروائی ہونے والی ہے۔ ویسے جو قرارداد میں نے بہاولپور اسمبلی سے منظور کرائی تھی وہ خیرپور کی منظور کردہ قرارداد سے مختلف نہ تھی۔ بہرحال میں نے کراچی جا کر گورنر جنرل غلام محمد سے انٹرویو مانگا جو انہوں نے ازراہ عنایت اپنے ذاتی کمرے میں دیا۔ میں ان سے ریاست کی بحالی کے سلسلے میں نہیں ملا تھا بلکہ سیاست کے طالب علم کی حیثیت سے میری عادت تھی کہ میں ہر واقعہ کے پس منظر اور وجوہات کی تحقیقات کا جویا تھا۔ چنانچہ میں نے غلام محمد سے سوال کیا کہ میری حکومت کو توڑے جانے کی کیا وجوہات ہیں۔ اس سوال پر وہ قبلہ رو ہو گئے اور حلفیہ کہا کہ نہ میری علیحدگی سے ان کا کوئی تعلق ہے اور نہ اس کا علم ہے۔ یہ سن کر میری حیرت

مزید بڑھی۔ محمد علی بوگرا تو میرے ذاتی دوست تھے۔ وہ بھلا اس کارروائی میں کیسے ملوث ہو سکتے تھے۔ پھر مجھے گمان ہوا کہ اس میں نواب مشتاق احمد گورمانی' چودھری محمد علی اور سکندر مرزا کا ہاتھ ہے۔ بہرحال میں اس شش و پنج میں وہاں سے واپس آ گیا۔ چند روز بعد نواب گورمانی کا ٹیلیفون آیا کہ وہ میرے پاس تشریف لا رہے ہیں۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد ان کی کار آئی۔ اس میں سے وہ اترے اور ساتھ ہی ان کا حقہ بھی اترا۔ اسے دیکھ کر میں سمجھ گیا کہ وہ کچھ وقت میرے پاس گذاریں گے۔ اگر جلدی جانا ہوتا تو موٹر سے حقہ نہیں اترتا۔ بہرحال ہم ڈرائنگ روم میں بیٹھے۔ چائے آئی۔ بڑے اچھے ماحول میں باتیں شروع ہوئیں۔ میں نے دوران گفتگو یہ تاثر دیا جو حقیقت پر مبنی تھا کہ میری علیحدگی غیر متوقع نہ تھی۔ نتائج کا مجھے علم تھا۔ جو کچھ میں نے کہا تھا سوچ سمجھ کر کہا تھا۔ مجھے کسی سے ذاتی طور پر رنجش نہ تھی۔ میں اپنے ضمیر کے مطابق اپنے عمل کو موزوں سمجھتا ہوں۔ ریاستی عوام کے حق میں بھی اور اپنے فرائض منصبی کے اعتبار سے بھی۔

میری باتوں سے گورمانی صاحب مطمئن ہو گئے اور ان کے دل پر جو بوجھ تھا وہ اتر گیا۔ اس کے بعد انہوں نے کہا کہ ایک قصہ سنئے۔

> "ایک بوڑھا سودی تھا جو ٹوپیوں کا کاروبار کرتا تھا۔ جب اس کا بیٹا تعلیم سے فارغ ہو کر آیا تو اس نے اپنے بیٹے کو اپنے کاروبار کے متعلق بتانا چاہا۔ اس نے ایک سیڑھی رکھ کر بیٹے سے کہا کہ اوپر کی درمیانی چھت سے فلاں فلاں سائز کی ٹوپیاں اتار لائے۔ جب اس نے یہ کام مکمل کر لیا تو بیٹے سے کہا کہ اب یہ ٹوپیاں اسی ترتیب سے اوپر رکھ آؤ۔ چونکہ یہ کام تم نے خود کیا ہے اس لئے تم کو معلوم ہو گا کہ تم نے کس سائز کی ٹوپی کہاں رکھی ہے اور اس طرح گاہک کو مطمئن کرنے میں بھی آسانی ہو گی۔
>
> بیٹا ٹوپیاں اوپر لے جا کر ترتیب سے رکھنے لگا تو باپ نے سیڑھی کھینچ لی۔ جب بیٹے نے سیڑھی رکھنے کو کہا تو باپ بولا سیڑھی کی کیا ضرورت ہے۔ تم کود و میں تم کو لپک لوں گا۔ اس پر بیٹے نے پر اعتماد ہو کر چھلانگ لگا دی تو باپ نے اسے لپکنے کے بجائے اپنے قدم پیچھے ہٹا لئے اور بیٹا فرش پر گر گیا اور اسے چوٹیں بھی آئیں۔
>
> بیٹے نے باپ سے اس حرکت کی وجہ پوچھی تو باپ نے کہا کہ میں نے تمہیں پہلا سبق دیا ہے کہ چاہے تجارت ہو یا کچھ اور اس میں دوسروں پر اعتماد نہ کرو۔ چاہے وہ تمہارا باپ ہی کیوں نہ ہو"

یہ قصہ سنا کر گورمانی صاحب نے مجھے تلقین کی سیاست میں اس طرح کا رویہ اختیار کرنا چاہئے میں نے جواباً کہا کہ یہ مثال مجھ پر اس لئے صادق نہیں آتی کہ میں سیڑھی رکھ کر کبھی سیاست میں نہیں آیا اور نہ

سیڑھی کھچوا کر چھلانگ لگائی ہے۔ بہر حال قصہ دلچسپ بھی تھا اور عبرت آموز بھی۔

نواب گورمانی نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جب سیاست دان غلطی کرتا ہے تو اسے ہر حالت میں اس کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔ میں نے اس کے جواب میں کہا کہ غلطی وہ ہوتی ہے جو انسان بے سمجھی سے کرے اور اس کے نتائج وہ بر آمد ہوں جس کی اسے توقع ہو۔ میں اپنے عمل کو نہ تو غلط سمجھتا ہوں اور نہ اس کے نتائج سے غافل تھا۔ اس لئے کوئی پچھتاوا بھی نہیں۔

اس کے بعد گورمانی صاحب اپنے گھر چلے گئے اور انہیں اطمینان ہو گیا کہ یہاں وہ پریشانی کا عالم نہ تھا جس کے ازالے کے لئے وہ میرے پاس تشریف لائے تھے۔

اس واقعہ کے بعد جب گورمانی صاحب گورنری سے ہٹے تو میں ان کے پاس گیا اور وہ قصہ یاد دلا کر کہا کہ جب بڑے سیاست دان غلطی کرتے ہیں تو انہیں نسبتاً نقصان بھی زیادہ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے یہ ثابت ہوتا ہے کہ غلطی کرنے میں چھوٹے بڑے کی کوئی تفریق نہیں ہوتی۔ ویسے عقل مند اپنی غلطی کو نہیں مانتے لیکن کسی نہ کسی محاذ پر غلطیاں ضرور ہوتی ہیں اور میں مزید کہتا ہوں کہ غلطی سے جہاں نقصان ہوتا ہے وہاں یہ بھی سوچنا چاہئے کہ ہر اقتدار اور حصول اقتدار خوشی یا تسکین خاطر کیلئے اور کسی نہ کسی شکل میں اس کا معاوضہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ جیسا کہ انگریزی محاورہ ہے

For every pleasure you have to pay a price

یعنی ہر خوشی کیلئے اس کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔

ڈاکٹر خان صاحب کی کابینہ میں مسلم لیگیوں کی شمولیت

میجر جنرل سکندر مرزا گورنر جنرل پاکستان کے حکم سے ۱۴/ اگست ۱۹۵۵ء کو مغربی پاکستان کا ایک متحدہ صوبہ معرض وجود میں آ گیا۔ نئے صوبے کے گورنر مسٹر گورمانی نے ڈاکٹر خان صاحب کی سرکردگی میں سات ممبران پر مشتمل ایک عبوری کابینہ کا اعلان کیا۔ جنھوں نے ڈاکٹر خاں صاحب کی کابینہ میں وزیر بننا قبول کیا تھا ان میں میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ، سردار بہادر خاں، مسٹر ایوب کھوڑو، سردار عبدالحمید دستی، کرنل سید عابد حسین اور خان قربان علی خاں شامل تھے۔ انہوں نے اسی دن حلف بھی اٹھا لیا۔

ڈاکٹر خان صاحب کی وزارت میں میری شمولیت

ڈاکٹر خان صاحب کی وزارت میں میری شمولیت کا قصہ دلچسپ ہے میرے متعلق یہ بدگمانی پیدا کی گئی تھی کہ میں حد درجہ بے اعتدال اور لاقانونیت کا عادی ہوں۔ نیز راشی بھی ہوں۔ ایک دن کرنل عابد حسین نے ٹیلیفون کر کے مجھے اپنے ہاں بلوایا۔ میں وہاں گیا تو ان کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر میں حیران رہ

گیا۔ میں نے ان سے پوچھا "خیریت تو ہے؟" انہوں نے بتایا کہ آج شام نئی کابینہ تشکیل پارہی ہے۔ لیکن آپ اس میں شامل نہیں۔ میں نے کہا "پھر کیا ہوا۔ میں خود بھی خواہش مند نہیں" لیکن رات کو معلوم ہوا کہ ڈاکٹر خان صاحب بہاولپور جارہے ہیں جہاں میری اپوزیشن سے بات کر کے انہیں یقین دلائیں گے کہ میں ان کے ماتحت وزیر بن کر کوئی بے اعتدالی یا ناجائز کام نہیں کروں گا۔

یہ خبر سنتے ہی میں نے ڈاکٹر خان صاحب کو فون کیا اور ان سے استدعا کی کہ جس غرض کیلئے وہ بہاولپور جارہے ہیں وہ بے فائدہ ہے۔ نیز میں اپنی اپوزیشن کی پروانہیں کرتا اور جب میں وزارت کا خواہش مند ہی نہیں تو میرے کابینہ میں شمولیت کیلئے اپوزیشن کی منظوری کی کیا ضرورت ہے۔ انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ کیا میں ان کی کابینہ میں نہیں آنا چاہتا۔ میں نے کہا "نہیں" انہوں نے اس پر اپنا بہاولپور کا پروگرام منسوخ کر دیا اور مجھ سے کہا کہ اچھا تم گورنمنٹ ہاؤس پہنچو۔ میں تم کو اپنی کابینہ میں شامل کر رہا ہوں۔

نواب گورمانی کو جب میرے متعلق معلوم ہوا کہ میں بھی کابینہ میں شامل ہو رہا ہوں تو انہیں حیرت ہوئی۔ ساتھ ہی انہوں نے ڈاکٹر خان صاحب کو مشورہ دیا کہ محکمہ خزانہ اور پریس اینڈ انفریشن کے محکمے مجھے دیدیئے جائیں کیونکہ میں زیادہ تجربہ کار ہوں۔

دوسرے دن ڈاکٹر خان صاحب نے اپنے گھر پر وزیروں کی میٹنگ بلائی۔ چیف سیکرٹری ایم این خاں بھی وہاں موجود تھے۔ ڈاکٹر خان صاحب نے اپنی جیب سے ایک فہرست نکالی اور کہا کہ گورنر صاحب کے مشورے سے وزراء کے محکموں کی یہ تقسیم کی گئی ہے۔ مجھے حسب تجویز خزانہ اور انفریشن کے محکمے دیئے گئے تھے۔ میں نے جرات سے کام لیتے ہوئے اس موقع پر کہا کہ آپ نے چونکہ مجھ پر اعتماد کیا ہے اور اپنی کابینہ میں لے لیا ہے اس لئے محکموں کی تقسیم کے سلسلے میں میری کچھ تجاویز ہیں۔ اگر آپ ان کی روشنی میں کچھ ردوبدل کر دیں تو بہتر ہو گا۔ اسوقت کابینہ مختصر ہے اور بعد میں اس میں توسیع ہو گی لہٰذا سردست آپ محکمہ تعلیم دستی صاحب کو، رفیوجی اور لاء کے محکمے جمیل حسین رضوی کو، انڈسٹری مسعود صادق کو، ریونیو نواب ممدوٹ کو، اری گیشن قاضی فضل اللہ، پبلک ورکس کرنل عابد حسین کو اور لوکل گورنمنٹ سوشل ویلفیئر اور انفریشن کے محکمے مجھے سپرد کر دیئے جائیں۔ جنرل ایڈمنسٹریشن اور لا اینڈ آرڈر آپ اپنے پاس رکھیں۔

چیف سیکرٹری صاحب نے اس تجویز پر اعتراض کیا اور کہا کہ جو محکمے میں نے اپنے لئے تجویز کئے ہیں بہت جونیئر قسم کے ہیں۔ اور اپنے تجربہ کی بنا پر ان سے بہتر اور اہم محکمے میرے سپرد ہونے چاہئیں۔ انہوں نے یہ کہا کہ لوکل گورنمنٹ کے تمام اختیارات ماتحت افسران کو تفویض ہیں۔ اس وجہ سے بھی اس کی اہمیت ختم ہو گئی ہے۔ میں نے کہا کہ وزیر پالیسی میکر ہوتا ہے۔ اور میں اپنے اختیارات حاصل کرنا بھی جانتا ہوں۔ انہیں استعمال بھی کر سکتا ہوں، اس کے بعد یہ محکمہ سب سے زیادہ اہمیت کا حامل بن جاتا ہے۔

چنانچہ تھوڑی سے ردوقدح کے بعد میری تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے ڈاکٹر خان صاحب نے مجھے لوکل باڈیز، سوشل ویلفیئر اور انفرمیشن کے محکمے سپرد کر دیئے۔ میں نے اپنی وزارت کے دوران جس لگن اور محنت سے کام کیا اس کا ذکر تفصیل سے آگے آئے گا۔

سیاسی آویزشوں کی ابتداء

مغربی پاکستان کا صوبہ تشکیل پانے کے بعد چودھری محمد علی وزیر اعظم پاکستان کے ذمے پاکستان کے آئین کا کام تھا۔ چنانچہ انہوں نے تین مہینے کے اندر اندر اس کام کو انجام دیا اور ۲۳ر فروری ۱۹۵۶ء کو پاکستان دستور ساز اسمبلی نے اسے منظور کر لیا اور ۲۳ر مارچ سے یہ نافذ ہو گیا۔
اس اہم کام کی تکمیل کے بعد توقع تھی کہ پاکستان کے استحکام کی راہ ہموار ہو جائے گی اور یہ عوام کیلئے ترقی و خوشحالی کی جانب ایک نیا قدم ثابت ہو گا۔ لیکن بد قسمتی سے مسلم لیگی لیڈران جو سازشوں اور جوڑ توڑ کے سوا کچھ نہیں جانتے تھے وہ پھر اپنے ان پسندیدہ مشاغل میں مصروف ہو گئے۔ اور نو تشکیل صوبہ مغربی پاکستان کی فلاح و بہبود کی ان کو فکر نہ رہی۔

مغربی پاکستان اسمبلی کے بالواسطہ انتخابات

۱۰ر جنوری ۱۹۵۶ء کو مغربی پاکستان اسمبلی کے بالواسطہ انتخابات عمل میں آئے۔ حالانکہ بہاولپور اسمبلی توڑ دی گئی تھی لیکن اس غرض کیلئے اس کے ممبران کو اپنے ممبران منتخب کرنے کا اختیار دیا گیا۔
بہاولپور کو مغربی پاکستان اسمبلی میں ۲۳ نشستیں ملی تھیں۔ ان کا انتخاب بہاولپور اسمبلی کے ارکان کو کرنا تھا۔ چونکہ پاکستان مسلم لیگ نے اس سلسلے میں کوئی پارلیمانی بورڈ نہیں بنایا تھا اور نہ اپنے ممبران کو انتخاب کیلئے کوئی ٹکٹ دیا تھا اس لئے بہاولپور میں بھی مسلم لیگ نے باقاعدہ جماعتی طور پر تو انتخاب میں حصہ نہ لیا لیکن پھر بھی ہم خیال لوگوں نے جو اپنے طور پر گروپ بندی کی تھی اس کے مطابق میرے گروپ کو جو ظاہر ہے کہ مسلم لیگی ارکان پر مشتمل تھا اس انتخاب میں ۲۳ میں سے ۱۸ نشستیں حاصل ہو گئیں۔ مخالف گروپ کو جو نشستیں ملی تھیں اس کی بھی حقیقت یہ تھی کہ ہماری جماعت کے بعض دوستوں نے عین وقت پر ہمیں دھوکہ دیا اور مخالفوں سے مل گئے۔
مغربی پاکستان کے اس عبوری انتخاب کے بعد صوبائی مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی تشکیل دیدی گئی۔ میاں ممتاز دولتانہ اس سلسلے میں خاص طور پر سرگرم عمل تھے۔ حالانکہ اسوقت لیگ اسمبلی پارٹی کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ ویسے بھی حالات کا تقاضا یہ تھا کہ مختلف طبقات آبادی میں یکجہتی و ہم آہنگی پیدا کی جائے۔ چودھری محمد علی بحیثیت وزیر اعظم پاکستان کے چھوٹے یونٹوں کو یقین دلا چکے تھے کہ ان کے

حقوق کا ہر طرح تحفظ کیا جائے گا اور ڈاکٹر خان صاحب جنہیں اس نئے صوبے کا وزیر اعلیٰ بنایا گیا ہے ان کے تجربات سے فائدہ اٹھایا جائے گا۔ مرکزی مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی کے لیڈر کی حیثیت سے بھی چودھری محمد علی کا ڈاکٹر خان کی وزارت پر یہ اعتماد مسلم لیگی حضرات کی تسلی کے لئے کافی تھا۔ لیکن اس کے باوجود کہ میاں دولتانہ اس یقین دہانی پر خود بھی صاد کر چکے تھے اور اسی وجہ سے انہوں نے ڈاکٹر خان صاحب کی کابینہ میں شمولیت کا فیصلہ کیا تھا لیکن وہ اب اس سے پھرتے ہوئے نظر آرہے تھے۔

دراصل اس سلسلے میں بنیادی غلطی چودھری محمد علی صاحب سے ہوئی تھی کہ انہوں نے وزارت عظمیٰ اور مسلم لیگ کی قیادت کو پرانی روایات کے خلاف ایک دوسرے سے جدا کر دیا تھا۔ اور پاکستان مسلم لیگ کونسل کے اجلاس میں سردار عبدالرب نشتر کو مسلم لیگ کی صدارت سونپ دی تھی۔ یہ طریق اصولاً تو درست تھا۔ لیکن اسوقت کے حالات کا تقاضا یہ تھا کہ وزارت عظمیٰ اور مسلم لیگی قیادت ایک ہی جگہ رہتی تاکہ ملک کو جو مشکلات درپیش تھیں ان پر قابو پانے میں آسانی ہوتی۔ بہرحال انہوں نے چاہے نیک نیتی سے کیا تھا لیکن جو اقتدار کے بھوکے تھے انہیں اس تبدیلی سے فائدہ اٹھانے کا موقع مل گیا۔ انہوں نے پہلے سردار عبدالرب نشتر کو صوبائی مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی کے قیام کی ضرورت کا قائل کیا پھر چودھری محمد علی کو بھی اپنا ہمنوا بنالیا حالانکہ یہی صاحب اس سے پہلے سردار عبدالرب نشتر کے منہ سے یہ کہلوا چکے تھے کہ پاکستان کا آئین اسلامی نہیں اور اسے مکمل اسلامی بنانے کی ضرورت ہے۔ یعنی چودھری محمد علی کا جو سب سے بڑا کارنامہ تھا یہ اسی پر پانی پھیر رہے تھے۔ لیکن جوڑ توڑ کے ماہروں کی یہی خوبی ہوتی ہے کہ وہ جس سے جب چاہتے ہیں اپنی مرضی کا کام لے لیتے ہیں۔ چنانچہ ان صاحبان نے چودھری صاحب کو یہ یقین دلایا تھا کہ اگر صوبے میں مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی قائم ہو گئی تو مرکزی مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی کی تقویت کا سبب بنے گی۔

اس طرح چودھری محمد علی صاحب کو رام کیا اور ڈاکٹر خان صاحب کو اپنے اصل مقصد سے غافل رکھنے کیلئے حسب سابق یہ یقین دہانی کرائی کہ وہ چھوٹے یونٹوں کے اطمینان و تسلی کے لئے بدستور ان کی حمایت جاری رکھیں گے۔

اس سے انکا مقصد یہ تھا کہ کسی طرح ڈاکٹر خان صاحب پر ان کی گرفت ایسی مضبوط ہو جائے کہ وہ ان کی مرضی کے بغیر ایک قدم نہ اٹھا سکیں۔ لیکن ان کا یہ منصوبہ بہت دیر تک خفیہ نہ رہ سکا۔ مغربی پاکستان مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی کا اجلاس ۳ر اپریل ۱۹۵۶ء کو اپنا لیڈر منتخب کرنے کیلئے ہوا۔ سردار عبدالرب نشتر نے اس اجلاس کی صدارت کی۔ سردار بہادر خاں کا نام پارٹی لیڈر کے لئے تجویز ہوا۔ میاں دولتانہ اور ان کے ساتھیوں نے اس کی تائید کی۔

ڈاکٹر خان صاحب کے خلاف محاذ آرائی

اس انتخاب کے ہوتے ہی میاں دولتانہ نے صاف کہہ دیا کہ وہ ڈاکٹر خان صاحب کی وزارت کی حمایت کا وعدہ نہیں نبھا سکتے۔ چودھری محمد علی صاحب نے ہر چند ایک بار پھر کوشش کی اور پاکستان مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں مسلم لیگی ارکان کو اپنا وعدہ یاد دلایا لیکن یہ لوگ اپنی ضد پر اڑے رہے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مغربی پاکستان مسلم لیگ کی مجلس عاملہ نے اپنے اجلاس میں یہ فیصلہ کیا کہ وہ تمام مسلم لیگی ممبر جو ڈاکٹر خان صاحب کی کابینہ میں شامل ہیں فوراً مستعفی ہو جائیں اگر ایک ہفتے کے اندر ان لوگوں نے استعفے نہ دیئے تو انہیں مسلم لیگ سے خارج کر دیا جائے گا۔ اس کی دھمکی کا اثر صرف ارباب نور محمد خاں پر ہوا اور باقی ممبران جوں کے توں کابینہ میں شامل رہے اور مسلم لیگ نے انہیں جماعت سے خارج کر دیا۔ یہی سبب میرے بھی اخراج کا ہوا۔

قاضی محمد عیسٰے جنرل سیکرٹری پاکستان مسلم لیگ اور سردار بہادر خاں لیڈر مغربی پاکستان اسمبلی پارٹی کی طرف سے مجھے دو خطوط ۷ اپریل اور ۱۹ اپریل ۱۹۵۶ء کو موصول ہوئے تھے۔ جن میں کہا گیا تھا کہ میں نے ڈاکٹر خان صاحب کی کابینہ میں شمولیت اختیار کر لی ہے جو مسلم لیگ کے حالیہ فیصلے کے خلاف ہے اور یہ مسلم لیگ کے مقاصد اور مفادات کے برعکس ہے اس لئے ایک ہفتے میں اس اقدام کے متعلق جواب دیں ورنہ آپ کے خلاف ضابطہ کی کارروائی کرنی پڑے گی۔ میں نے اس کے جواب میں دونوں صاحبان کو تفصیلی جوابات دیئے تھے اور مسلم لیگ کے فیصلے پر عمل کرنے سے معذوری ظاہر کی تھی۔ کیونکہ میں نے اور میرے ساتھیوں نے جو قدم بھی اٹھایا ہے وہ ملکی مفاد میں اٹھایا ہے۔ سردار بہادر کے خط کے جواب میں لکھا تھا "سیاسی جماعتیں اپنی سرگرمیوں کی وجہ سے یا تو ابھرتی ہیں یا قعر مذلت میں گر جاتی ہیں اور ملک اور عوام ان کی سازشوں کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں۔ میں نے اور میرے ساتھیوں نے جو قدم اٹھایا ہے وہ ملک اور عوام کے مفاد میں ہے۔ ہمیں امید ہے کہ خدا ہمیں اتنی طاقت عطا کرے کہ ہم سب کی خدمت عدل و انصاف کے ساتھ کر سکیں خواہ ان کا تعلق کسی پارٹی سے ہو۔

قاضی عیسٰے کے خط کا جواب تفصیلی تھا۔ میں نے لکھا تھا کہ

۲۵۔ گلبرگ لاہور

۲۲/اپریل ۱۹۵۶ء

"وہ بڑا امید افزا دن تھا جب مسلم لیگ کا اجلاس اپنے صدر کے انتخاب کے لئے طلب کیا گیا۔ سردار عبدالرب نشتر کے صدر منتخب ہونے پر ہم سب خوش تھے۔ الیکشن سے پہلے ہم سردار صاحب سے ملے تھے اور ان

سے صاف لفظوں میں کہا تھا کہ گذشتہ سات سالوں میں مسلم لیگ مختلف گروپوں کے زیر اثر رہی ہے جس کی وجہ سے یہ انحطاط کا شکار ہوئی اور ایک کے بعد دوسری حکومت بنتی رہی۔ لیکن مرکزی قیادت اس سلسلے میں کچھ نہ کر سکی۔ یہ گروہ ختم ہو سکتے تھے اگر یہ اپنے اختلافات جو ان کی ذات سے متعلق تھے کو بھول جاتے ، اور متحد ہو کر کام کرنے کا عزم کرتے۔

سردار صاحب نے ہمیں یقین دلایا تھا کہ وہ مغربی پاکستان کے تمام سیاسی لیڈروں کو ان کی خدمات کی وجہ سے اہمیت دیں گے اس یقین دہانی پر ہمیں امید ہو گئی کہ یہ قومی تنظیم واقعی ملک کے تمام حصوں میں مضبوط ہو گی اور اسے عوام کا اعتماد بھی حاصل ہو گا۔ اس اطمینان پر ہم نے صدر کو مزید مستحکم کرنے کے لئے اور گروہی سازشوں سے بالاتر رکھنے کے لئے انہیں عہدیداروں کو اپنی پسند کے مطابق چننے کا اختیار دیا۔

میں اپنے متعلق عرض کرنے سے پہلے یہ یاد دلانا ضروری سمجھتا ہوں کہ مغربی اور مشرقی پاکستان میں جہاں مسلم لیگ کی حکومتیں اور لیگ پارلیمانی پارٹیاں تھیں اور ان کی سربراہی مسلم لیگ کے صدر کو حاصل تھی انہیں مسلم لیگ کے ہائی کمان نے نہیں بلکہ حکومت نے برخاست کر دیا ، جس سے پارٹی اپنی بنیادوں سے اکھڑ گئی۔ لیکن لیگ ہائی کمان کی طرف سے اس سلسلے میں کوئی احتجاج نہ کیا گیا اور متاثر ہونے والوں سے ہمدردی کا اظہار نہ ہوا۔

صدر پاکستان مسلم لیگ پرائم منسٹر کی حیثیت سے برخاست کر دیئے گئے لیکن وہ مسلم لیگی ممبر جو مغربی پاکستان میں پارلیمانی پارٹی کے رکن تھے انہوں نے اس اقدام کو سراہا اور نئی کابینہ میں شامل ہو گئے۔ یہی طریقہ تمام صوبوں میں اپنایا گیا اور مسلم لیگ کے چوٹی کے لیڈر خاموش رہے۔

ان حالات میں سب کو اپنی پڑی ہوئی تھی۔ کچھ ہوشیار لیڈروں نے اپنے صوبوں کو ایک یونٹ میں ضم ہونے کے وقت اپنا تحفظ ضروری سمجھا اور بحیثیت سیاسی پارٹی کے جو ان کی ذمہ داریاں تھیں انہیں بھول گئے۔ انہی دنوں میری مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی اور مسلم لیگ گورنمنٹ جو بہاولپور میں تھی اسے ختم کر دیا گیا اس وقت کسی کی طرف سے اور کسی مسلم لیگی لیڈر کی طرف سے ہمدردی کی کوئی آواز نہ اٹھائی گئی۔ یہاں تک کہ مقتدر لیگی لیڈروں نے میری مخالفت کی جبکہ میں ان کا ساتھی تھا۔

اس طرح کی برخاستگی کی وجہ سے بہت سے لیگ کے مخالف ہو گئے اور کھلم کھلا مسلم لیگ کی مخالفت کرنے لگے۔

میں نے اپنے طور پر مسلم لیگ کو نہ چھوڑا اور یہ یقین رکھا کہ ہمارے نئے پریذیڈنٹ کوئی کارروائی کریں گے اور ہماری ساکھ کو بحال کرنے کی کوشش کریں گے۔ لیکن کیا انہوں نے کوئی کارروائی کی؟

پھر مغربی پاکستان اسمبلی کے انتخابات ہوئے اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مسلم لیگ نام کی کوئی تنظیم نہیں۔ نہ کوئی لیگ کے ٹکٹ تقسیم کئے گئے بلکہ بہاولپور کے غیر لیگی عناصر کی پیٹھ ٹھونکی گئی۔ خاص طور پر میاں ممتاز دولتانہ اور ان کے ساتھیوں نے میرے خلاف غیر لیگی عناصر کی حمایت کی۔ اس کے باوجود میں نے مسلم لیگ اسمبلی پارٹی میں شمولیت اختیار کی یہ جانتے ہوئے کہ میاں دولتانہ اسمبلی میں اکثریت رکھتے ہیں اور مجھے کسی عہدے کی امید نہیں۔ یہ صرف تنظیم کی خدمت کا جذبہ تھا اور اس کے سوا کچھ نہیں تھا۔ میں نے بے غرضانہ طور پر مسلم لیگ کی خدمت کرنے کا فیصلہ کیا۔

مجھے امید تھی کہ سردار عبدالرب نشتر کے بعد حالات ٹھیک ہو جائیں گے اور وہ مفاد پرست لوگوں سے بے خبر نہیں ہوں گے۔

پھر مسلم لیگ کے نئے چیمپئن ڈاکٹر خان صاحب کو مغربی پاکستان کی حکومت سپرد کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ ایسا انہوں نے کیوں کیا۔ انہوں نے لیڈر آف دی مسلم لیگ اور پرائم منسٹر کو کیوں یقین دلایا کہ وہ ڈاکٹر خان صاحب کی حمایت کریں گے۔ ان کے نزدیک یہ سب کچھ جائز تھا لیکن آج جب وہ دیکھتے ہیں کہ ڈاکٹر خان صاحب ان کے کہنے پر نہیں چلیں گے اور ان کے کھونٹے پر نہیں ناچیں گے انہیں جمہوریت یاد آ گئی اور مسلم لیگ کا درد انہیں ہونے لگا۔ اس وقت کچھ لوگ نئی تنظیم قائم کرنا چاہتے تھے لیکن میرا خیال تھا کہ مسلم لیگ کو مستحکم کرنا چاہئے ۔ میں نے مسلم لیگ کے عہد نامے پر دستخط بھی کئے تھے۔ اس دوران کچھ چوٹی کے مسلم لیگی لیڈروں نے ڈاکٹر خان صاحب کے خلاف پراپیگنڈہ شروع کر دیا۔ یہ وہی لوگ تھے جو پہلے کہتے تھے کہ مغربی پاکستان کے لئے ڈاکٹر خان صاحب سے بہتر کوئی شخص نہیں ہو سکتا۔ سرحدی حالات اور دوسرے چھوٹے یونٹوں میں اعتماد بحال کرنے کے لئے بھی یہ ضروری ہے۔ میاں دولتانہ نے مسلم لیگ کی تنظیم پر زور دینا شروع

کر دیا۔ انہوں نے پرائم منسٹر صاحب سے اسمبلی میں لیگ پارٹی قائم کرنے کے متعلق بات کی۔ انہوں نے کہا کہ اگر ڈاکٹر خان صاحب بطور چیف منسٹر ہیں تو آپ مسلم لیگ اسمبلی پارٹی بنالیں۔ اصل میں دولتانہ صاحب اسمبلی پارٹی کے لیڈر بننا چاہتے تھے لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ حالات ان کے حق میں نہیں اس لئے انہوں نے ڈاکٹر خان صاحب کی مخالفت شروع کر دی اور اپنے وعدوں کو نظر انداز کر دیا اور اسمبلی میں واحد اکثریتی پارٹی کی گورنمنٹ بنانے کی جدوجہد شروع کر دی۔ اس طرح سردار بہادر خاں لیگ اسمبلی پارٹی کے لیڈر بن گئے۔ اس کے بعد مسلم لیگ اسمبلی پارٹی کا اجلاس بلایا گیا جس میں صرف ایک آئٹم تھا عہدیداروں کا انتخاب لیکن اس وقت پارٹی میں پھوٹ پڑ گئی اور جس طرح پہلے ہوتا رہا تھا مسلم لیگ مفاد پرستوں کے ہاتھ میں آکر دو دھڑوں میں بٹ گئی۔

ان حالات میں کیا میں اور میرے ساتھی کسی جواب طلبی کیلئے تیار ہو سکتے ہیں اور اس افسوس ناک صورت حالات میں شریک ہو سکتے ہیں اور کسی ایک گروپ میں شامل ہو کر دوسرے گروپ کی مخالفت مول لے سکتے ہیں۔ اس وجہ سے میں نے ڈاکٹر خاں صاحب کی کابینہ میں شمولیت اختیار کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ مرکزی لیگ اسمبلی پارٹی نے تمام مسلم لیگی ممبروں سے ڈاکٹر خان صاحب کی حمایت کرنے کی اپیل کی ہے کیونکہ اس وقت کے حالات میں ڈاکٹر خان صاحب سے بہتر مغربی پاکستان کی ذمہ داری سنبھالنے کا اہل نہیں۔ مجھے کہنے دیجئے کہ مجھ سے نہیں بلکہ ان حضرات سے جواب طلب کیا جائے جنھوں نے اپنے وعدے سے انحراف کیا ہے جو انہوں نے مجلس قانون ساز سے ون یونٹ بل پر بحث کے دوران کیا تھا۔

آخر میں میں یقین دلاتا ہوں کہ میں مسلم لیگ کا وفادار ہوں اور میں ہمیشہ مسلم لیگ کی خدمت کرنے کے لئے تیار ہوں بشرطیکہ مسلم لیگ ہائی کمان مذکورہ سازشوں میں مبتلا نہ ہو جائے۔

آپ کا مخلص
حسن محمود
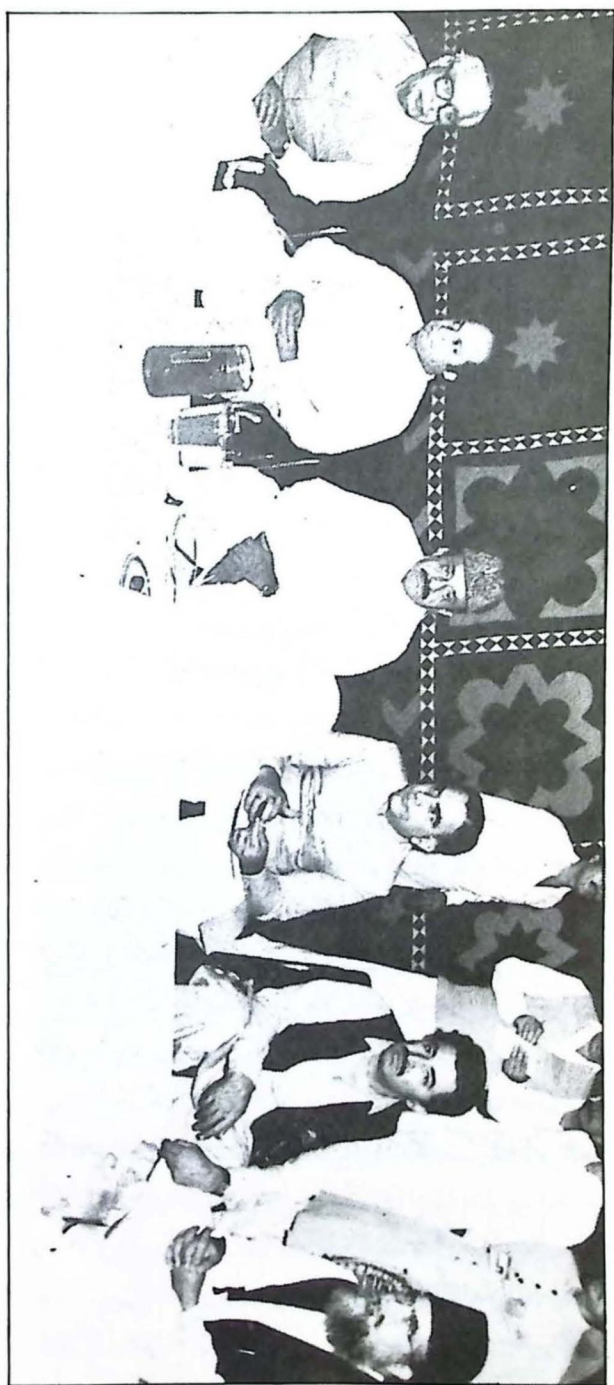
مسلم لیگ کے زوال کا نقطہ عروج

میں مسلم لیگی رہنماؤں کے بھیانک سیاسی کردار سے پہلے ہی نالاں تھا۔ میں نے قریب سے ان کو دیکھا اور ان کے خود غرضانہ ہتھکنڈوں کا مجھے پتہ چلا تو اور بھی ان کی طرف سے میری طبیعت میں بیزاری بڑھ گئی۔ میں نے اس سے پہلے مسلم لیگ کو سرگرم کار سیاسی جماعت بنانے کی مساعی میں حصہ لیا تھا اور جب اس کے زوال کے اسباب معلوم کرنے کیلئے ۳۔ستمبر ۱۹۵۵ء کو پاکستان کی سطح پر ایک Fact Finding Committee بنائی گئی تھی میں بھی اسکے ممبران میں شامل تھا دولتانہ 'یوسف خٹک' پیر علی محمد راشدی بھی اس کے ممبر تھے میں نے اس سلسلے میں ملک گیر دورے کرنے کے بعد یہ تاثر لیا تھا کہ پاکستان بننے کے بعد مسلم لیگ کو جو کردار ادا کرنا چاہئے تھا وہ اس سے نہیں ہو سکا۔ اس کے آزمودہ کار لیڈر یا تو ایک ایک کر کے اللہ کو پیارے ہو گئے یا نامساعد حالات سے مجبور ہو کر گوشہ گیر ہو گئے۔ جن لوگوں نے ملک کی باگ ڈور سنبھالی تھی انہیں ملک سے زیادہ اپنے مفادات کی فکر تھی اور مسلم لیگ کے نام پر ہر ناجائز سے ناجائز کام کرنا وہ اپنا سیاسی حق سمجھتے تھے۔ اپنے کارکنوں کی طرف سے ان کی سرد مہری کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے مرتے جیتے کبھی ان کو نہ پوچھا۔ عوام سے رابطہ کو وہ وقت کا ضیاع تصور کرتے تھے۔ پھر یہ بھی کتنی بڑی ستم ظریفی تھی کہ جس جماعت نے آزادی کی جنگ جیت کر ایک نئی مملکت کو جنم دیا تھا اس کے قیام کے بعد عوام کی فلاح و بہبود کا کوئی پروگرام نہ تھا۔

انہیں وجوہات نے مسلم لیگ کو غیر مقبول بنایا۔ مشرقی بنگال میں اس کے زوال کے اگرچہ اور بھی عوامل تھے۔ لیکن خاص وجوہات یہی تھیں۔ مشرقی بنگال کے بعد اب مغربی پاکستان میں بھی مسلم لیگ زوال و انحطاط کے اسی راستے پر چل رہی تھی۔ سردار عبدالرب نشتر اور چودھری محمد علی کا اخلاص بھی مسلم لیگ کو سازشی عنصر سے بچانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

ری پبلکن پارٹی کا قیام

اس صورت حالات نے ڈاکٹر خان صاحب کو اپنی علیحدہ جماعت بنانے پر مجبور کیا تاکہ اس کے ذریعہ ملک میں جمہوری عمل کو صحیح خطوط پر لایا جا سکے۔ چنانچہ انہوں نے ۲۳ر اپریل ۱۹۵۶ء کو پاکستان ری پبلکن پارٹی کے نام سے ایک نئی جماعت کے قیام کا اعلان کیا اور اس کے ساتھ ہی صوبائی اسمبلی اور مرکزی پارلیمنٹ میں اس جماعت کی پارلیمانی پارٹیاں بھی قائم ہو گئیں۔

میں بھی ری پبلکن پارٹی میں شامل ہو گیا

مسلم لیگی لیڈروں کے طرز عمل سے دوسرے بہت سے لیگی حضرات کی طرح میں بھی مسلم لیگ سے بدظن ہو چکا تھا اور یہ توقع نہیں رہی تھی کہ ان لیڈروں کی موجودگی میں مسلم لیگ ملک و قوم کی بہبود کیلئے

کوئی کردار ادا کر سکے گی۔ یوں بھی چونکہ مسلم لیگ کے طالع آزمالیڈروں نے مجھے مسلم لیگ سے خارج کر دیا تھا اس لئے میرے پاس اور کوئی چارہ کار نہیں رہا تھا کہ میں اپنی سیاسی زندگی کو فعال رکھنے کیلئے کسی سیاسی تنظیم میں شرکت کروں۔ اس لئے میں نے پاکستان ری پبلکن پارٹی میں نہ صرف شمولیت اختیار کر لی بلکہ اس کیلئے دن رات کام بھی کیا۔ میری وجہ سے بہت سے مسلم لیگی اس میں شامل ہو گئے اور ری پبلکن پارٹی صحیح معنی میں مسلم لیگ کا بدل ہو گئی۔

اسمبلی میں مسلم لیگیوں کا بھنگڑا

۲۰ر مئی ۱۹۵۶ء کو صوبائی اسمبلی کے اسپیکر کے انتخاب پر پہلی بار پاکستان ری پبلکن پارٹی اور مسلم لیگ کے درمیان قوت آزمائی ہوئی۔ میاں دولتانہ نے تو نتیجے کے اعلان سے پہلے ہی اسمبلی میں بھنگڑا ڈال کر یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ جیسے وہ جیت گئے ہیں۔ لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ وہ ہار گئے ہیں۔ پھر بجٹ کے وقت یہی صورت پیش آئی، لیکن اس موقع پر بھی انہیں کوئی کامیابی نہ ہوئی اور بجٹ کثرت رائے سے منظور ہو گیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ڈاکٹر خان صاحب کی اپنی شخصیت ہی پاکستان ری پبلکن پارٹی کیلئے کم پرکشش نہ تھی۔ لیکن اس نے اتنی جلدی مسلم لیگ کے مقابلے میں جو مضبوط پوزیشن حاصل کر لی تھی اس میں بہت حد تک میری کوششوں کو بھی دخل تھا۔ میرے ساتھ نہ صرف بہاولپوری دوست تھے بلکہ دوسرے علاقوں میں میری کنویسنگ پاکستان ری پبلکن پارٹی کے حق میں بڑی کارآمد ثابت ہوئی تھی۔

بہرحال یہ اصول پرستی کا مظاہرہ ان حضرات کی طرف سے کیا جا رہا تھا جنھوں نے چند دن پہلے مسلم لیگ کے بنیادی نظریہ جداگانہ انتخابات کا سودا مشرقی پاکستان کے متحدہ محاذ سے مساوی نمائندگی کا حق دیکر کرنے میں کوئی قباحت محسوس نہ کی تھی۔ اس ناکامی کے بعد مسلم لیگ کی طرف سے مسٹر مشتاق احمد گورمانی گورنر مغربی پاکستان کی علیحدگی کا مطالبہ کیا جانے لگا۔ اب سارا غصہ اس بات کا تھا کہ گورمانی صاحب نے مغربی پاکستان کی حکومت بنانے کیلئے مسلم لیگ کو دعوت کیوں نہ دی۔ ان کا خیال تھا کہ اگر مسلم لیگ کو وزارت بنانے کا موقع مل جاتا تو مسلم لیگی ممبر انہیں چھوڑ کر ری پبلکن پارٹی میں شامل نہ ہوتے۔ یہ بات خود مسلم لیگ کے حق میں نہیں جاتی تھی۔ یعنی مسلم لیگ میں جو لوگ شامل تھے وہ صرف سورج کے پجاری تھے جب تک اقتدار اس کے ہاتھ میں رہا یہ اس کے ساتھ رہے اور جب اقتدار دوسری جانب منتقل ہوا تو یہ دوسری جانب ڈھلک گئے بہرحال اپنی جماعت کو بے اصولوں اور اقتدار پرستوں کا ٹولہ بنا کر انھوں نے مسلم لیگ کی نیک نامی میں کوئی مزید اضافہ نہیں کیا۔

مسلم لیگ مزید انتشار کا شکار

بات یہیں ختم نہیں ہوگئی۔ اس کے بعد مسلم لیگ کی مجلس عاملہ نے ایک قرار داد بھی منظور کر لی۔ جس میں مسٹر گورمانی کی برخاستگی کا مطالبہ کیا گیا اور ساتھ ہی چودھری محمد علی صاحب سے کہا گیا کہ وہ جماعت کے حکم کی تعمیل کرائیں۔ چودھری صاحب نے یہ مطالبہ اس لئے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ ایک سیاسی جماعت اپنی پارلیمانی شاخ کے ذریعہ حکومت کے نظم ونسق میں دخل اندازی کا کوئی اختیار نہیں رکھتی۔ چنانچہ ۲۷ر اگست کو ری پبلکن پارٹی اور متحدہ محاذ کے ۴۰ ممبران نے چودھری صاحب کی قیادت پر اعتماد کا اظہار کیا جس کا مقصد یہ تھا کہ مغربی پاکستان کے سلسلے میں انہوں نے جو مؤقف اختیار کیا ہے وہ درست ہے۔ البتہ دو مسلم لیگی وزیروں مسٹر علی محمد راشدی اور مسٹر چندری گر نے استعفیٰ دے دیا اور باقی مسلم لیگی ممبران جن کی تعداد دس کے قریب تھی میٹنگ کا بائیکاٹ کر گئے۔ ان کا الزام تھا کہ مرکزی ری پبلکن پارلیمانی پارٹی مرتدوں کی جماعت ہے۔ یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو مسلم لیگ سے منحرف ہو کر یہاں آئے ہیں اور ایسی صورت میں وہ ایسی مخلوط پارٹی کی میٹنگ میں جو مسلم لیگ اور متحدہ محاذ سے عبارت ہو شریک نہیں ہو سکتے اس موقع پر مسٹر کیانی جو وزیر مواصلات تھے اور سردار امیر اعظم خان جو وزیر بحالیات تھے مسلم لیگ سے مستعفی ہو کر ری پبلکن پارٹی میں شامل ہو گئے۔ انہوں نے اپنے بیان میں مسلم لیگ کو سازشوں کی بدرو سے تعبیر کیا تھا۔

چودھری محمد علی بھی مستعفی ہو گئے

چودھری محمد علی بھی مسلم لیگی عناصر کی سازشوں سے تنگ آ گئے تھے۔ چنانچہ ۸ر ستمبر ۱۹۵۶ء کو نہ صرف وزارت عظمیٰ بلکہ مسلم لیگ کی رکنیت سے بھی مستعفی ہو گئے۔ چودھری محمد علی کے استعفے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مرکز میں جو مخلوط وزارت قائم تھی اس میں مشرقی پاکستان کے متحدہ محاذ اور مغربی پاکستان کی ری پبلکن پارٹی کی اکثریت تھی اس کی ہیئت ترکیبی یہ تھی کہ ۵۴ کے ہاؤس میں ۲۱ ممبر متحدہ محاذ کے ۲۲ ممبر ری پبلکن پارٹی کے اور ۱۱ ممبر مسلم لیگ کے تھے گویا مسلم لیگ اقلیت میں تھی۔ ایسے حالات میں چودھری صاحب یا تو مسلم لیگ سے مستعفی ہو کر ری پبلکن پارٹی میں شمولیت اختیار کر لیتے یا پھر ان کیلئے وہی راستہ مناسب تھا جو انہوں نے اپنایا تھا بہر حال ان کے مستعفی ہونے کے بعد مسٹر سہروردی جو اب تک قومی اسمبلی میں قائد حزب اختلاف تھے قائد حزب اقتدار بن کر وزیر اعظم پاکستان کے منصب پر فائز ہو گئے۔

سہروردی صاحب بھی چکمے میں آ گئے

وزارت کی اس تبدیلی کے بعد بھی مسلم لیگ کے سازشی لیڈر جوڑ توڑ میں لگے رہے۔ اب ان کی یہ کوشش تھی کہ اس مخلوط وزارت میں سہروردی صاحب ری پبلکن پارٹی کی بجائے مسلم لیگ سے تعاون

کریں اور ری پبلکن پارٹی کو اتنا کمزور کر دیں کہ وہ یا تو ختم ہو جائے یا اس کے ممبر ٹوٹ کر مسلم لیگ اور عوامی لیگ سے آملیں۔ سہروردی صاحب اپنی تمام فراست کے باوجود دولتانہ صاحب کے چکر میں آگئے اور انہوں نے ری پبلکن پارٹی کے خلاف پاکستان گیر مہم شروع کر دی۔ ری پبلکن پارٹی کے لئے یہ حرکت ناقابل برداشت تھی۔ ویسے بھی مخلوط حکومت میں وہ اکثریتی پارٹی تھی اس لئے اس کی سنٹرل ری پبلکن پارٹی نے ۱۰ر اکتوبر ۱۹۵۷ء کو مسٹر سہروردی کی حمایت ترک کر دینے کا فیصلہ کر لیا جس کے نتیجے میں سہروردی صاحب ۱۲ر اکتوبر ۱۹۵۷ء کو مستعفی ہو گئے۔ اب اگر ری پبلکن پارٹی چاہتی تو بغیر کسی دوسری جماعت کو شریک کر کے اپنے طور پر بھی حکومت بنا سکتی تھی کیونکہ پارلیمنٹ میں اسے نسبتاً سب سے زیادہ اکثریت حاصل تھی۔ لیکن وہ عام انتخابات سے پہلے ملک میں ایک خوشگوار فضا پیدا کرنے کی خواہاں تھی اس لئے اس نے مسلم لیگ کے ساتھ مل کر نئی حکومت بنانا پسند کیا۔ اور اس طرح مسٹر آئی آئی چندریگر اس مخلوط حکومت کے لیڈر چن لئے گئے۔

جداگانہ اور مخلوط انتخابات کا مسئلہ

شاید مسلم لیگی لیڈر اس سے بھی مطمئن نہ تھے اور ری پبلکن پارٹی کی مضبوط سیاسی قوت ان کو دُکھ رہی تھی اس لئے انہوں نے مخلوط اور جداگانہ انتخابات کا مسئلہ کھڑا کر دیا اور الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے کے مصداق طرح طرح سے ری پبلکن پارٹی کو اس سلسلے میں مورد الزام گرداننے لگے۔ اسی طرح کی دوسری باتیں اس سے منسوب کر کے اسے بدنام کرنے کی مہم کا آغاز کر دیا جس کے جواب میں ری پبلکن پارٹی کو ۱۹ر نومبر ۱۹۵۷ء کو اپنے اجلاس میں یہ قرارداد منظور کرنی پڑی کہ:

۱۔ جداگانہ انتخابات کے سلسلے میں مجوزہ بل جو مسٹر چندریگر پیش کرنے والے تھے ۲۸ر نومبر کو اسمبلی کے اجلاس میں پیش نہیں کیا جائے گا۔

۲۔ حکومت کوئی ایسی کارروائی نہیں کرے گی جس کی وجہ سے عام انتخابات میں نومبر ۱۹۵۸ء کے بعد بھی تاخیر ہو۔

۳۔ جداگانہ یا مخلوط انتخابات کے سلسلے میں مشرقی پاکستان کے لوگوں کی رائے معلوم کرنے کیلئے ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی جائے گی۔

پارلیمنٹ ہاؤس کے سامنے مسلم لیگیوں کا مظاہرہ

مسٹر چندریگر پارلیمنٹ کا اجلاس ۱۱ر دسمبر تک ملتوی کرنے پر رضامند ہو گئے۔ لیکن اس دوران مسلم لیگی حضرات نے عین پارلیمنٹ ہاؤس کے سامنے جہاں ڈاکٹر خاں صاحب ٹھہرے ہوئے تھے انتہائی بداخلاقی کا مظاہرہ کیا اور ڈاکٹر خان صاحب اور مسٹر سہروردی کو گالیاں دیں۔ ظاہر ہے یہ حرکت ری پبلکن

اور عوامی لیگ دونوں کو ناگوار گذری اور جب مسٹر چندریگر نے یہ محسوس کیا کہ وہ اصول نیابت کے مسئلے پرری پبلکن پارٹی سے ہم آہنگی نہیں کر سکیں گے تو انہوں نے وزارت عظمیٰ سے استعفیٰ دیدیا۔

صدر مملکت نے اگرچہ انہیں ایک موقع اور دیا کہ وہ اپنی نئی کابینہ تشکیل دیکر مسئلے کے حق میں ممبران کو اپنا ہمنوا بنانے کی کوشش کریں لیکن اس میں انہیں کامیابی نہ ہو سکی چنانچہ ۱۶ر دسمبر ۱۹۵۷ء کوری پبلکن پارٹی نے ملک فیروز خاں نون کی سربراہی میں عوامی لیگ کی شرکت سے وزارت بنائی۔ مرکزی حکومت میں اس تغیر کے بعد صوبائی سطح پر بھی از سرنو سازشیں شروع ہوئیں جس کے نتیجے میں مغربی پاکستان کی وزارت اور اسمبلی توڑ دی گئی۔ لیکن چھ ماہ بعد ہی اسمبلی بحال کر دی گئی اور ڈاکٹر خان صاحب کی جگہ سردار عبدالرشید نے لے لی۔

ڈاکٹر خان صاحب ہلاک ہو گئے

ڈاکٹر خان صاحب کو کسی شخص نے گولی مار کر ہلاک کر دیا تھا۔ وہ سکیورٹی گارڈ کی پروا نہیں کرتے تھے اور جو بھی ان سے ملنے آتا اس سے بلا تامل مل لیا کرتے تھے۔ ایک ایسا ہی شخص ان سے ملنے آیا اور ڈاکٹر خان صاحب اس سے ملنے باہر آ گئے۔ جس نے موقع پا کر ان پر پستول سے حملہ کر دیا اور وہ ابھی سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ اس کی گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ ان کی سکیورٹی گارڈ نے اسے موقع پر ہی گرفتار کر لیا لیکن وہ ڈاکٹر خان صاحب کو نہیں بچا سکے۔

مغربی پاکستان کی کابینہ میں میرا کردار

سردار عبدالرشید پولیس سروس سے تعلق رکھتے تھے لیکن سرحد کے وزیر اعلیٰ بھی رہ چکے تھے۔ بہرحال ان کی کابینہ میں میری شمولیت بدستور قائم رہی۔ بلکہ میری وزارتی ذمہ داریوں میں بلدیات و معاشرتی بہبود کے ساتھ محکمہ اطلاعات بھی شامل کر دیا گیا۔

میں سیاسی امور میں ہمیشہ حزم و احتیاط کا قائل ہوں۔ بے سوچے سمجھے یا جلدبازی میں کوئی قدم نہیں اٹھاتا۔ مسلم لیگ سے اگر رشتہ منقطع کرنا پڑا تھا تو اس پر بھی پوری طرح غور و خوض کیا تھا اور مسلم لیگ اور ری پبلکن پارٹی میں کشمکش ہو رہی تھی تو اس میں بھی میری کوشش ذاتی اقتدار کو قائم رکھنا نہیں تھا بلکہ ملک و قوم کا استحکام پیش نظر تھا۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ میں نے اس سیاسی کھینچا تانی میں اپنے فرائض منصبی کو کبھی فراموش نہیں کیا جماعتی سیاست میں بھرپور حصہ لینے کے ساتھ جو ذمہ داریاں ایک وزیر کی حیثیت سے میرے سپرد تھیں ان سے کبھی غفلت نہیں برتی۔ ان دنوں چھوٹے یونٹوں کی طرف سے یہ شکایات بڑے زور و شور سے پیش کی جا رہی تھیں کہ ون یونٹ میں بھی ان کے ساتھ انصاف نہیں ہو رہا۔ خود بہاولپور

کے لوگ بڑے شاکی تھے کہ ون یونٹ کی حکومت ان کے ساتھ سوتیلی ماں کا سلوک کر رہی ہے۔ میں نے اس تاثر کو ختم کرنے کیلئے مختلف علاقوں کے دورے کئے۔ خاص طور پر بہاولپور کا تواتر کے ساتھ دورہ کیا۔ ان کے مسائل حل کرانے کی کوشش کی۔ ترقیاتی رفتار جو ون یونٹ کے ابتدائے کار میں بعض انتظامی دشواریوں کی وجہ سے سست پڑ گئی تھی اسے تیز کر دیا۔ بہاولپور کے ملازمین اپنی حق تلفیوں کے شاکی تھے۔ میں نے ذاتی طور پر اس معاملے میں ہر ملازم کی حق رسی کرانے کی کوشش کی۔ پورے مغربی پاکستان میں بلدیاتی نظام معطل تھا۔ میں نے تمام میونسپل کمیٹیوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں کے انتخابات کرانے کا اہتمام کیا۔ بلدیاتی اداروں میں کام کرنے والوں کی تربیت کا کوئی معقول انتظام نہ تھا۔ میں نے اس غرض کیلئے ایک تربیتی ادارہ کھولا۔ بلدیاتی اداروں کو زیادہ فعال موثر اور کار آمد بنانے کیلئے انہیں بہت سی ذمہ داریاں سپرد کیں۔ معاشرتی بہبود کے کام ان کو سونپے، میں نے اس غرض کیلئے ایک علیحدہ محکمہ بھی قائم کرا دیا تھا تاکہ وہ اپنی تمام تر توجہ اصلاحی و تعمیری کاموں کی طرف مبذول کر سکے۔ اس محکمے کو زیادہ مفید و فعال بنانے کیلئے محکمہ لوکل باڈیز سے اس کا اشتراک عمل قائم رکھا گیا تھا۔

معاشرے کی اس خرابی کا قلع قمع کرنے کیلئے جامع منصوبہ میں نے تیار کیا تھا۔ اس کے تحت تمام اضلاع کے ڈپٹی کمشنروں کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ جلد از جلد بھکاریوں، بیواؤں، یتیموں اور اپاہجوں کے اعداد و شمار فراہم کریں تاکہ وزارت بلدیات و معاشرتی بہبود تمام اضلاعی صدر مقامات پر دار الفلاح تعمیر کرے۔

یہ دار الفلاح چار قسم کے تجویز کئے گئے تھے۔ پہلی قسم ان لوگوں کیلئے جو قطعی ناکارہ ہیں۔ دوسری ان کیلئے جو ناکارہ ہونے کے باوجود کچھ نہ کچھ کام کر سکتے ہیں۔ تیسری اور چوتھی قسم یتیموں اور بیواؤں کیلئے مخصوص کی گئی تھی۔ قطعی ناکارہ لوگوں کیلئے خوراک، پوشاک اور طبی امداد مفت دی جاتی لنگڑوں کو مصنوعی ٹانگیں دی جاتیں اور ان کیلئے ایسی تربیت کا انتظام ہوتا جو وہ آسانی سے کر سکتے۔ تربیت دینے کے بعد انہیں کوئی مناسب کام کرنے کیلئے مالی امداد بھی دیتی اور ایسی جگہوں کا بھی انتظام کرتی جہاں بیٹھ کر وہ روزی کما سکتے۔ بیوگان کے دار الفلاح میں صرف وہی بیوائیں داخل کی جاتیں جو قطعی بے یار و مدد گار ہیں۔ ان کیلئے گھریلو دستکاریوں کی تربیت کا پروگرام بنایا گیا تھا۔ یتیموں کو دوسری تعلیمی سہولتوں کے علاوہ ٹیکنیکل ٹریننگ کی تجویز تھی تاکہ وہ اس قابل بن جائیں کہ اپنے پیروں پر کھڑے ہو سکیں۔

میں نے اس رفاہی منصوبے کو کامیاب بنانے کیلئے تمام مغربی پاکستان کا دورہ کیا اور مقامی حالات کا اندازہ کرنے کے علاوہ مختلف بلدیات کی مالی حالت کا بھی جائزہ لیا تاکہ اس کام کو جلد از جلد پایۂ تکمیل تک پہنچایا جا سکے۔

میری کوشش سے اس سلسلے میں کچھ پیش رفت ہوئی تھی۔ بعض مقامات پر دار الفلاح کی عمارات

بھی قائم ہو گئی تھیں اور عوام نے بھی اس منصوبے کا خیر مقدم کیا تھا۔
میں بلدیاتی اداروں کو جمہوریت کی تربیت گاہ بنانا چاہتا تھا تاکہ آئندہ ملکی و قومی قیادت کو ابھارنے میں یہ ادارے معاون ثابت ہوں یہیں نے ان اداروں کے عوامی نمائندگان میں مقامی طور پر مؤثر قیادت کی صلاحیتیں پیدا کرنے کیلئے متعدد کانفرنسیں اور سیمینار منعقد کرائے۔ بلدیاتی اداروں کے ملازمین اور نمائندگان کی رہنمائی اور انہیں اپنے حقوق و فرائض کا شعور و احساس پیدا کرنے کیلئے ان کا ایک آرگن "لوکل گورنمنٹ ریویو" کے نام سے جاری کرایا جو بیک وقت اردو اور انگریزی میں ایک ساتھ چھپتا تھا۔

لوکل گورنمنٹ ریویو کا پیش لفظ

اس رسالے کا پیش لفظ بھی میں نے لکھا تھا یہاں درج کرتا ہوں۔

"لوکل گورنمنٹ ریویو کی اشاعت بڑی اہمیت کی حامل ہے حقیقت میں ہم نے مقامی اداروں کی ترقی کیلئے جو مساعی شروع کر رکھی ہیں یہ ان میں ایک ضروری اقدام کی حیثیت رکھتا ہے اور ان کے ذریعہ جہاں ترقیاتی سرگرمیوں کو بڑھانے بلکہ لوگوں میں احساس ذمہ داری پیدا کرنے میں بڑی مدد ملے گی ماضی میں ان اداروں کو بری طرح نظر انداز کیا گیا ہے۔ خاص طور پر قومی ' سماجی اور سیاسی کردار ادا کرنے کا انہیں کوئی موقع فراہم نہیں کیا گیا جس کی وجہ سے جو آب و تاب انہیں حاصل ہونی چاہئے تھی حاصل نہیں ہو سکی۔

لوکل گورنمنٹ ریویو مقامی اداروں کیلئے مستقل ہدایت ثابت ہو گا اور ان کو ان کا صحیح مقام دلانے میں موثر کردار ادا کرے گا۔ مقامی ترقیاتی سرگرمیوں کے علاوہ قومی و ملکی امور میں بھی لوگوں کو دلچسپی لینے کا شوق پیدا کرے گا۔ خاص طور پر عوام میں اس کا جو اعتماد ختم ہو چکا ہے اسے بحال کرنے کی کوشش کرے گا تاکہ یہ ادارے اخلاقی اعتبار سے بھی باوقار بنیں اور اپنے فرائض بہ احسن الوجوہ ادا کر سکیں۔

ہمارے سامنے مقامی اداروں کی ترقی کا جامع منصوبہ ہے۔ ہم ان کی ذمہ داریوں میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں۔ ہماری کوشش ہے کہ ان کے وسائل آمدنی بڑھیں۔ اگر لوگوں میں ان امور کی اہمیت کا شعور پیدا ہو گیا تو اس سلسلے میں اٹھائے جانے والے ہر اقدام کی عوام حمایت کریں گے۔ اور یقیناً اس غرض کیلئے لوکل گورنمنٹ ریویو کا کردار کلیدی اہمیت کا حامل ہو گا۔

مجھے یقین ہے کہ مقامی اداروں کیلئے بالعموم اور وہ حضرات جو ان

اداروں میں نئی روح پھونکنے کی تمنا رکھتے ہیں بالخصوص لوکل گورنمنٹ ریویو ایک موثر آواز ثابت ہوگی اور مجھے یہ بھی یقین ہے کہ یہ آواز معقول اور ذاتیات سے بالا ہوگی۔ میں اسکی کامیابی کا خواہشمند ہوں"۔

گداگری کی لعنت ختم کرنے کیلئے مثبت تجاویز

گداگری ایک لعنت ہے۔ اسے ختم کرنے کیلئے مختلف اوقات میں مختلف قوانین وضع ہوتے رہے ہیں لیکن ان کا کوئی مثبت نتیجہ بر آمد نہیں ہوا میں نے اس کا سائنٹفک علاج تجویز کیا اور جہاں گداگری کو ایک تعزیری جرم قرار دلایا وہاں محتاج خانے اور معذور گھر بنوائے۔ مقصد یہ تھا کہ جو اپنے بعض جسمانی عوارض کی وجہ سے کوئی محنت مزدوری کرنے کے بجائے بھیک مانگنے پر مجبور ہیں۔ وہ ان محتاج خانوں اور معذور گھروں میں رہیں اور وہاں انہیں ایسے کاموں کی تربیت دی جائے جو ان کی روزی کا سامان مہیا کر سکیں۔ ہٹے کٹے پیشہ ور گداگروں کو جبری کام پر لگایا جائے اور جو پھر بھی بھیک مانگنے سے باز نہ آئیں انہیں جیل خانوں میں بھیج دیا جائے۔ میں نے ۲۴ ستمبر ۱۹۵۸ء کو مغربی پاکستان سوشل ویلفیئر کونسل بنائی تھی جس کا صدر بحیثیت وزیر میں تھا اور دیگر ممبران میں ذوالفقار علی بھٹو بھی تھے اس قسم کی دوسری فلاحی انجمنیں بھی تھیں جو اپنے اپنے دائروں میں کام کر رہی تھیں۔

یہ ایک بڑی موثر اور کار آمد اسکیم تھی۔ میں نے اس کا آغاز کر دیا تھا۔ اگر مزید مہلت ملتی اور اس پر صحیح معنی میں عمل ہو سکتا تو گداگری کی لعنت ملک سے ہمیشہ کیلئے ختم ہو جاتی اور معذوروں، بیواؤں اور یتیموں کا مستقبل بھی سنور جاتا۔

بلدیاتی اداروں کے متعلق میرا نظریہ

پنجاب میں ڈسٹرکٹ بورڈز چیئرمین ایسوسی ایشن قائم تھی۔ میں نے ان کا ایک اجلاس بلوا کر ان سے جو خطاب کیا تھا اس سے ان اداروں کے متعلق میرے ذہنی رجحانات اور ان کو افادی حیثیت کا حامل بنانے کے سلسلے میں جو میرے عزائم تھے ان کا پتہ چل سکتا ہے اس لئے اس کا ضروری اقتباس یہاں درج کرتا ہوں

"میں نے دو وجوہات سے آپ کو اس میٹنگ میں شرکت کی دعوت دی ہے۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ میں ان بلدیاتی اداروں کی جو صحت مند جمہوری روایات کی پہلی سیڑھی ہیں دل و جان سے ترقی کا خواہاں ہوں اور مجھے وزیر متعلقہ کی حیثیت سے آپ سے متعارف ہونے کا اشتیاق ہے۔ دوسرے میرا خیال ہے کہ اگر ہم وقتاً فوقتاً ملتے رہے تو بہت سی کوتاہیوں اور غلط فہمیوں کا سدباب ہو جائے گا اور حکومت اور لوکل باڈیز کے خوشگوار تعلقات قائم رہیں گے۔ نیز ایسے مواقع پر جہاں آپ آزادی کے ساتھ اپنے

مسائل بیان کر سکیں گے وہاں میں بھی حکومت کے نظریات اور آپ کے مسائل میں حکومت کے ردعمل کے متعلق آپ کو آگاہ کر سکوں گا۔

جمہوری رسوم کا احیاء

"حضرات! پاکستان کا قانون منظور ہونے سے مرکزی و صوبائی حکومتوں کے اراکین اور عام لوگوں میں یہ پرجوش خواہش پیدا ہو گئی ہے کہ پاکستان میں جمہوریت صحیح معنی میں بروئے کار آ جائے۔ بہر حال یہ خواہش موجزن ہے۔

"قانون کا مسودہ تیار ہونے کے فوراً بعد جس جرات کے ساتھ متنازعہ مسائل کو حل کیا گیا ہے اور جس لیاقت و تدبر سے اسے مجلس دستور ساز سے منظور کرایا گیا ہے وہ بجا طور پر لوگوں کی داد و تحسین کی مستحق ہے۔

جمہوری روایات کا موجودہ احیاء اور تمام لوگوں میں یہ طبعی تحریک کہ جمہوریت صحیح معنی میں فعال بن جائے بہت حد تک جوش وولولہ کی مرہون منت ہے جو ان اقدامات سے پیدا ہوا ہے۔

جمہوری نظام میں ڈسٹرکٹ بورڈوں کا مقام

"جمہوریت کی صرف یہی شکل نہیں کہ لوگ سب سے اونچی سطح پر حکومت کے کاروبار میں شریک ہوں۔ اس کے برخلاف میرا یہ پختہ عقیدہ ہے کہ لوگوں کو جمہوریت کے معنی و مفہوم اور اس کی خوبیاں ذہن نشین کرانے اور ان سے فائدہ پہنچانے کیلئے سب سے نچلی سطح ہی مناسب ہے۔

"ہمیں یہ کام بالکل نچلی سطح سے شروع کرنا ہے تاکہ عام مسائل میں لوگوں کی شرکت کا دائرہ وسیع ہو جائے اور وہ آہستہ آہستہ اپنے حقوق، مفادات، فرائض اور ذمہ داریوں سے واقف ہو جائیں۔ انہیں پنچایت سے لیکر مرکزی مجلس دستور ساز تک جمہوریت کے تمام مراحل سے پوری پوری واقفیت ہونی چاہئے۔ ڈسٹرکٹ بورڈ جن کی آپ لوگ نمائندگی کرتے ہیں، اس سلسلے کی درمیانی کڑی ہے۔ اور جمہوری تعلیم کی راہ میں اسے نہایت اہمیت حاصل ہے۔ اس منزل پر پہنچنے کے بعد دیہاتی جمہوریت کی تنگ سرحدیں ختم ہو جاتی ہیں اور آدمی ایک وسیع میدان میں قدم رکھتا ہے۔ جہاں اسے بڑے بڑے مسائل سے واسطہ پڑتا ہے اور مفادات اور ذمہ داریوں میں بھی بقدر وسعت اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

جمہوریت کی درس گاہ یا کھیل کا میدان

"بدقسمتی سے ہمارے بعض ڈسٹرکٹ بورڈوں کی حالت بہت خراب ہے۔ یہ جمہوریت کی درس گاہ کی بجائے کھیل کے میدان بنے ہوئے ہیں۔ جن پر بددیانت اور خود غرض لوگوں نے قبضہ کر رکھا ہے۔ طاقت عہدوں اور خود غرضانہ سیاست کی کشمکش میں بلدیاتی اداروں کے وجود کا بنیادی مقصد فوت ہو گیا ہے۔ اور کار منصبی، احساس فرض اور جذبہ خدمت کی جگہ ذاتی منفعت خود غرضی اور جھوٹی وجاہت

نے لے لی ہے۔ جانب داری اور کنبہ پروری کو حق تصور کر لیا گیا ہے۔ گویا یہ چیزیں عہدوں کا لازمی نتیجہ ہیں۔ اس کے برعکس صحت وصفائی اور تعلیم جیسی اہم ضرورتوں پر ان کی قطعی نگاہ نہیں۔
"میں قدرے درشت الفاظ استعمال کر رہا ہوں لیکن مجھے امید ہے کہ آپ اس سے غلط نتیجہ اخذ نہیں کریں گے۔ میری دلی خواہش ہے کہ بلدیاتی ادارے صحیح طور پر کام کریں اور اپنے عمل کے محدود میدان میں لوگوں کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرنے کے قابل ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ جن تلخ حقائق کا میں نے اظہار کیا ہے انہیں آپ بھی تسلیم کریں گے۔ آپ کو چاہئے کہ اپنے اپنے اضلاع میں خوشگوار حالات پیدا کرنے کی کوشش کریں اور بلدیاتی اداروں کو زیادہ مفید، فعال اور مالی اعتبار سے زیادہ مضبوط بنانے کیلئے حکومت سے تعاون کریں۔

مردہ ڈسٹرکٹ بورڈوں میں نئی زندگی

"اب میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ حکومت مردہ ڈسٹرکٹ بورڈوں کی تجدید، زندہ بورڈوں کو زیادہ خود مختار اور جمہوری بنانے اور پس ماندہ علاقوں کے بورڈوں کو ترقی یافتہ بورڈوں کی صف میں لانے کیلئے کیا ارادہ رکھتی ہے۔

"حالیہ منعقدہ لوکل گورنمنٹ سیمینار میں بلدیاتی اداروں کی ترقی و اصلاح کیلئے متعدد تجاویز پیش کی گئی تھیں۔ آپ کو یہ معلوم ہو کر خوشی ہوگی کہ حکومت ان میں سے اکثر تجاویز پر سنجیدگی سے غور کر رہی ہے۔ حکومت چاہتی ہے کہ لوکل باڈیز بالخصوص ڈسٹرکٹ بورڈوں کے قوانین و ضوابط جو اس وقت صوبہ کے مختلف حصوں میں علیحدہ علیحدہ شکل میں ہیں ان میں یکسانیت پیدا کر دی جائے۔ مختلف ضابطوں اور طریقوں کو ایک کرنے کا کام شروع ہو چکا ہے اور یہ کوشش کی جا رہی ہے کہ انہیں موجودہ ضرورت کے مطابق زیادہ مفید اور کار آمد بنایا جاسکے۔
"حکومت مغربی پاکستان ابتدا سے ہی دوسرے معاملات کی طرح ان لوکل باڈیز کو بھی جو پس ماندہ علاقوں سے تعلق رکھتے ہیں ترقی یافتہ علاقوں کی لوکل باڈیز کے معیار پر لانے کی دل سے متمنی ہے۔
"اس سے قبل کہ حکومت ڈسٹرکٹ بورڈوں کے قوانین میں کوئی قطعی تبدیلی کرے اس خواہش کیلئے برگ و ساز کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں حکومت نے ایک یہ قدم اٹھایا ہے کہ سندھ میں نمائندگی کا تناسب ۳۰ فیصدی سے بڑھا کر اسے سابق صوبہ پنجاب کے برابر کر دیا ہے۔ اس اقدام سے بورڈ اپنے فرائض منصبی کی انجام دہی میں زیادہ نمائندہ اور موثر ہو جائیں گے۔

کلیدی اسامیوں کو صوبائی بنانے کی تجویز

حکومت لوکل باڈیز کی کلیدی اسامیوں کو صوبائی بنانے کی تجویز پر پوری توجہ صرف کر رہی ہے۔ اگر

یہ تجویز مان لی گئی جیسا کہ مجھے یقین ہے کہ مان لی جائے گی کیونکہ اسوقت حکومت اسے منظور کرنے پر آمادہ ہے تو ڈسٹرکٹ بورڈ کے ملازمین کی بہت سی شکایات دور ہو جائیں گی۔ ان کے حقوق کی ضمانت ہوگی اور دوسرے سرکاری ملازمین کی طرح انہیں بھی تمام مراعات حاصل ہوں گی۔ علاوہ ازیں ان کے خلاف پبلک کی بعض شکایات کا بھی ازالہ ہو جائے گا کیونکہ حکومت کے سامنے جوابدہ ہونے کی وجہ سے وہ اپنے مقامی افسران کو خوش کرنے کیلئے زیادہ عرصہ تک بے ضابطگیاں نہ کر سکیں گے۔

لوکل گورنمنٹ ڈائریکٹوریٹ

"شاید آپ اس خبر کو دلچسپی سے سنیں گے کہ حکومت ایک علیحدہ لوکل گورنمنٹ ڈائریکٹوریٹ قائم کرنے کی فکر میں ہے جس کا کام نظام بلدیات کی نگرانی کرنا، ان کی مشکلات کا جائزہ لینا اور ان کے مسائل میں عام طور پر ان کی رہنمائی کرنا ہو گا۔

لوکل گورنمنٹ بورڈ

ایک اور تجویز جو مستقبل قریب میں منصۂ شہود پر آنے والی ہے وہ لوکل گورنمنٹ کالج کے اجرا کے متعلق ہے۔ اس کالج کے اجرا کا مقصد نوجوانوں کو جمہوریت کی تربیت دینا اور لوکل باڈیز کے قواعد و ضوابط سے باخبر کرنا ہے۔ اس کالج سے تربیت حاصل کرنے کے بعد نوجوان لوکل باڈیز کے انتظامی معاملات کو حسن و خوبی کے ساتھ چلا سکیں گے۔ اور لوکل باڈیز کو ناتجربہ کار لوگوں کی بجائے تربیت یافتہ لوگوں کی خدمات حاصل ہو جائیں گی اس طرح کالج جمہوریت کا ایک کارخانہ ہو گا جہاں سے لوگ جمہوری اصولوں کو بروئے کار لانے کیلئے علم کی روشنی سے منور ہو کر نکلیں گے۔

"حکومت تمام ڈسٹرکٹ بورڈوں کو مالی اعتبار سے نہایت مضبوط بنانے کا فیصلہ کر چکی ہے۔ لیکن یہ جب ہی ممکن ہے کہ تمام ڈسٹرکٹ بورڈ قابل اطمینان طور پر اپنے فرائض منصبی انجام دیں۔ اسوقت سابق صوبہ پنجاب کے ڈسٹرکٹ بورڈوں کے جدید انتخابات تقریباً مکمل ہو چکے ہیں اور ان میں سے بعض بورڈوں کو تو دس سال سے زائد عرصہ کے بعد نئے ممبر نصیب ہوئے ہیں۔ ہمیں توقع رکھنی چاہئے کہ یہ نیا خون مقامی مسائل کو خاص جذبہ اور لیاقت سے حل کرنے کی کوشش کرے گا۔ سابقہ صوبہ سندھ میں انتخابات کا کام شروع ہو چکا ہے اور حلقہ بندی کی جا رہی ہے۔ توقع ہے کہ سال رواں کے ختم ہونے سے قبل یہ بورڈ اپنا کام شروع کر دیں گے۔ سابقہ صوبہ سرحد کی حالت قدرے مختلف ہے کیونکہ وہاں اکثر بورڈ منسوخ کئے جا چکے ہیں۔ حکومت انہیں بحال کرنا چاہتی ہے اور اس سلسلے میں امکانات کا جائزہ لے رہی ہے۔ مغربی پاکستان کے بعض اضلاع میں ڈسٹرکٹ بورڈ کبھی قائم ہی نہیں ہوئے تھے۔ انہیں میں سے ایک ضلع خیرپور بھی ہے جہاں اب ایک ڈسٹرکٹ بورڈ قائم ہونے والا ہے، ریاست بہاولپور میں بورڈوں کی صورت دوسرے صوبائی یونٹوں سے مختلف تھی۔ اب یگانگت پیدا کرنے کیلئے انہیں از سر نو تشکیل دیا جا رہا ہے تاکہ صوبہ کے دوسرے علاقوں کی طرح وہاں کے لوگ بھی مکمل جمہوری نمائندگی حاصل کر سکیں۔

جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں حکومت لوکل باڈیز کی ترقی کے سلسلے میں پس ماندہ علاقوں پر خصوصی توجہ دے رہی ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ عنقریب مغربی پاکستان کے یہ پس ماندہ اور غیر ترقی یافتہ علاقے بھی جمہوری روایات سے اس طرح باخبر ہو جائیں گے جس طرح لاہور یا دوسرے بڑے علاقوں کے رہنے والے۔

لوکل باڈیز کی خود مختاری

"حضرات! اس بات کا اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں کہ حکومت لوکل باڈیز بالخصوص ڈسٹرکٹ بورڈوں کو زیادہ سے زیادہ خود مختار اور موجودہ ضرورت کے مطابق انہیں آزادانہ کام کرنے کے قابل بنانا چاہتی ہے۔ فی الحقیقت حکومت کی آئندہ پالیسی اسی خواہش پر مبنی ہے۔ ذاتی طور پر میرا یہ نظریہ ہے کہ لوکل باڈیز کو ایسی غیر ضروری مداخلت جس سے ان کے کام میں رکاوٹ پیدا ہو آزاد ہی رہنا چاہئے۔ لیکن ایک بات جس پر حکومت کو نہایت سنجیدگی سے غور کرنا پڑتا ہے وہ یہ ہے کہ آیا ڈسٹرکٹ بورڈ اور دوسرے ادارے اس آزادی کے مستحق ہیں۔ اس تذبذب کا سبب یہ ہے کہ حکومت کو لوکل باڈیز کے ملازمین اور عہدیداروں کی بے ضابطگیوں اور نااہلیت کے متعلق اکثر شکایات موصول ہوتی رہتی ہیں۔ نیز ڈسٹرکٹ بورڈوں اور میونسپل کمیٹیوں میں ترقیاتی منصوبوں پر صحیح صحیح عمل درآمد نہیں ہوتا۔

میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ حکومت ایسی لوکل باڈیز کے معاملہ میں زائد از ضرورت ڈھیل سے کام لیتی رہی ہے اور ان کی کمزوریوں کو بارہا نظرانداز کرتی رہی ہے۔ صرف اس لئے کہ حکومت یہ نہیں چاہتی کہ ان اداروں سے جمہوریت کے فروغ کے جو امکانات ہیں یکسر ختم ہو جائیں۔ لیکن اب ہمیں اس معاملہ میں سخت ہونے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ایسی بے ہنگم آزادی کو زیادہ عرصہ برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ معطل شدہ بورڈوں کو اس صورت میں دوبارہ زندگی مل سکتی ہے کہ وہ دیانت داری اور اہلیت سے کام کرنے کا ثبوت دیں۔ حکومت لوگوں کو ان کے بنیادی حقوق سے محروم کرنا نہیں چاہتی۔ اس کی خواہش ہے کہ بلدیاتی ادارے زیادہ سے زیادہ اصلاح پذیر ہوں۔

جمہوری روایات

"اس سے پہلے کہ میں اپنی تقریر ختم کروں میں آپ کے بورڈوں میں صحت مند جمہوری روایات کے فروغ کی اہمیت آپ پر دوبارہ واضح کر دینا چاہتا ہوں۔

"لوکل باڈیز کو سازشوں ذاتی عداوتوں اور دھڑے بندیوں کی آماج گاہ نہیں بلکہ صحیح معنی میں جمہوریت کی بنیاد ہونا چاہئے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کیلئے ہر ممکن سعی کیجئے باہر نکلئے اور دیکھئے کہ لوگ کن مسائل سے دوچار ہیں اور انہیں کہاں آپ کی امداد کی ضرورت ہے۔ اپنے بورڈوں کی آمدنی بڑھانے کیلئے نئے ذرائع تلاش کیجئے اور سماجی فلاح و بہبود کے ایسے منصوبے تلاش کیجئے کہ لوگ محسوس کرنے لگیں کہ واقعی ان کا روپیہ ان کی بہتری اور اصلاح پر صرف ہو رہا ہے۔ ترقیاتی منصوبوں پر روپیہ صرف کرنے میں

دریغ نہ کریں کیونکہ بحیثیت آبائے شہر آپ کی افادی حیثیت کا اندازہ روپیہ بچا کر نہیں بلکہ اس کے صحیح استعمال سے ہو گا۔

"میں آپ سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے میری درخواست پر اس گرمی میں سفر کی صعوبت برداشت کر کے لاہور آنے کی تکلیف گوارا کی۔ مجھے امید ہے کہ آپ میری تقریر پر تنقید کرتے وقت اس بات کو پیش نظر رکھیں گے کہ میں نے جو کچھ کہا ہے اس خلوص کے جذبہ سے کہا ہے کہ میں آپ کے بورڈوں کو کامیاب اور فعال دیکھنا چاہتا ہوں"۔

بہاولپور سے میری دلچسپی

بہاولپور سے مجھے قدرتی دلچسپی ہے اور وہاں کے لوگوں کے ساتھ یک گونہ تعلق خاطر ہے۔ میں وہاں کی ترقی و بہبود میں ہمیشہ دلچسپی لیتا رہا ہوں۔ جو محکمے مجھے سپرد کئے گئے تھے ان میں تو براہ راست میرا دخل تھا ہی لیکن جو محکمے مجھ سے متعلق نہ تھے انہیں بھی بہاولپور کی حد تک میری دلچسپی مساوی تھی۔ میں اپنے ساتھی وزراء کو اکثر بہاولپور کی طرف متوجہ کرتا رہتا تھا۔ کئی مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ میں وزراء کی پوری ٹیم بہاولپور لے کر گیا اور ان کے متعلقہ محکموں کے سلسلے میں اہل بہاولپور کی شکایات کا موقع پر ازالہ کر دیا۔

ویسے بھی بہاولپور کا کوئی باشندہ کسی کام سے میری مدد کیلئے جب بھی آیا میں نے اپنی حد تک اس کی پوری مدد کی۔ اکثر سرکاری ملازمین جو ون یونٹ میں بہاولپور سے لاہور منتقل ہو گئے تھے ان کی موزوں تقرری سے لے کر سنیارٹی کے تعین تک ، نیز دیگر مسائل کے حل کے سلسلے میں میرے دروازے ہمیشہ ان کیلئے کھلے رہے اور میں نے حتی الامکان، کسی کو مایوس نہیں کیا۔

صوبائی حکومت میں ردّو بدل

سردار عبدالرشید وزیر اعلیٰ مغربی پاکستان شروع میں تو ون یونٹ کے حامی تھے لیکن جب ون یونٹ کے خلاف چھوٹے صوبوں سے آوازا ٹھنے لگی تو وہ ان آوازوں کو نہ دبا سکے بلکہ خود ان کے ہم آواز ہو گئے اور ستمبر ۱۹۵۷ء میں انہوں نے اسمبلی سے اس مضمون کی قرارداد منظور کرالی کہ ون یونٹ توڑ کر پنجاب ، سندھ ، سرحد اور بلوچستان کو بحال کر دیا جائے اور بہاولپور اور خیرپور کو بالترتیب پنجاب اور سندھ میں مدغم کر دیا جائے۔

ان حالات میں صوبے کے نظم و نسق میں خلل پڑنا لازمی تھا۔ لہٰذا مسٹر گورمانی سے استعفیٰ طلب کر کے ان کی جگہ مسٹر اختر حسین کو گورنر اور سردار عبدالرشید کو ہٹا کر نواب مظفر علی قزلباش کو وزیر اعلیٰ بنا دیا گیا۔ انہوں نے جو کابینہ بنائی اس میں بدستور انہوں نے مجھے بھی شامل رکھا اور میں اپنی مقدرت کے مطابق اپنی ذمہ داریوں کو نبھاتا رہا۔

پارٹی کے تنظیمی امور میں میری مساعی

میرے ذمہ وزارت کی ذمہ داریوں کے ساتھ پارٹی کے تنظیمی امور بھی تھے۔ چنانچہ میں ری پبلکن پارٹی کو منظم کرنے کیلئے مختلف علاقوں کے دورے کرتا رہا۔ خیال تھا کہ عوامی سطح پر منظم ہونے کے بعد ری پبلکن پارٹی ملک میں فعال ومثبت کردار ادا کرنے کے قابل بن جائے گی لیکن افسوس ہے کہ اسے عوام میں مزید کام کرنے کا موقع نہ ملا اور جس سیاسی عدم استحکام کے خطرے کے پیش نظر مغربی پاکستان کی وزارت میں تبدیلی کی گئی تھی وہ پھر بھی دور نہ ہو سکی۔ خاص طور پر مشرقی پاکستان کے حالات اتنے دگرگوں تھے کہ ان کی فوری اصلاح کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ مزید بر آں اگر ڈاکٹر خاں صاحب اچانک قتل نہ کئے جاتے تو پارٹی تنظیم کو ناقابل تلافی نقصان نہ پہنچتا۔ سب سے بڑھ کر فوجی جنتا میں ملک کے اقتدار پر قبضہ کرنے کی خواہش بھی انگڑائیاں لے رہی تھی۔

سیاسی بحران

نہ جانے کب سے جنرل سکندر مرزا یہ منصوبہ بنا رہے تھے کہ پاکستان کا اقتدار اعلیٰ ان کے ہاتھ میں آ جائے۔ انہوں نے اپنی اس خواہش کو پروان چڑھانے میں جنرل ایوب کمانڈر انچیف کو اپنا ہم نوا بنا لیا تھا۔ ان کے نزدیک ان کی تکمیل آرزو کیلئے پاکستان کے اس وقت کے حالات نہایت موزوں تھے۔ لہٰذا ے اکتوبر ۱۹۵۸ء کو جنرل سکندر مرزا صدر پاکستان نے پورے ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا اور صوبائی ومرکزی اسمبلیوں کو برخاست کر کے آئین بھی منسوخ کر دیا اور تمام سیاسی جماعتوں کو بھی کالعدم قرار دے دیا۔

ملک میں مارشل لاء لگ گیا

جس دن مارشل لاء لگا میں بہاولنگر کے دورے پر تھا۔ سارا دن مختلف محکموں کے افسران سے بہاولپور کی ترقیاتی اسکیموں پر تبادلہ خیالات کرتا رہا تھا۔ رات گئے ملک فیروز خان نون وزیر اعظم پاکستان سے ٹیلیفون پر بات چیت ہوئی تھی۔ پھر سیاسی کارکن آ گئے جن کے گلے شکوے سنتا رہا۔ اگلے روز ہارون آباد جانے کا پروگرام تھا کافی دیر بعد سونے کی نوبت آئی تھی۔ لیکن علی الصبح شہاب دہلوی نے جنہیں میں شہاب الدولہ کہا کرتا ہوں میرے بیڈ روم میں آ کر مجھے جگا دیا۔ یہ اس زمانے میں بطور انفارمیشن افسر میرے ساتھ بہاولنگر کے دورے پر تھے۔ انہوں نے بتایا کہ ملک میں مارشل لاء لگ گیا ہے اور آئین منسوخ کر دیا گیا ہے۔

میں اس خبر پر ابھی تعجب کا اظہار کر رہا تھا کہ دوسرے سیاسی کارکن بھی ریسٹ ہاؤس میں جمع ہو گئے ان سب نے مارشل لاء لگنے کی تصدیق کی۔ اتنے میں بہاولنگر کے ڈپٹی کمشنر مسٹر اقبال محمود بھی بہت

گھبرائے ہوئے آئے اور انہوں نے بھی یہ خبر سنائی بہرحال میں اپنا اگلا پروگرام منسوخ کر کے اسی وقت بذریعہ کار لاہور واپس چلا گیا۔ سارے راستے میں مارشل لاء کے نتائج و عواقب پر غور کرتا رہا۔ میں سوچ رہا تھا کہ ملک کے آئین کو منسوخ کر دینا انتہائی اہم قدم ہے۔ دیکھئے اس کے بعد ملک کے حالات کیا رخ اختیار کرتے ہیں۔

ابھی مارشل لاء کو تین ہفتے نہیں گزرے تھے کہ جنرل ایوب نے جنہیں چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر مقرر کیا گیا تھا صدر پاکستان جنرل سکندر مرزا سے بھی پیچھا چھڑالیا اور خود مختار کل بن گئے۔

سیاست دانوں کو گھر بٹھادیا گیا

اس کے بعد تقریباً ایک سال تک ملک میں سیاسی جمود طاری رہا۔ پھر یکایک جنرل محمد ایوب خان نے اس قانون کا اعلان کیا کہ وہ تمام سیاست دان جو قیام پاکستان سے لے کر اب تک مختلف عہدوں پر فائز رہے ہیں انہیں ان کے ایک مقررہ ٹریبونل کے سامنے پیش ہو کر اپنے متعلق بعض مبینہ بدعنوانیوں کیلئے جوابدہ ہونا پڑے گا۔ ساتھ ہی انہوں نے یہ اعلان بھی کیا تھا کہ اگر کوئی سیاست دان رضاکارانہ طور پر سیاسی زندگی سے کنارہ کش ہو جائے وہ احتساب کی زد میں نہیں آئے گا۔ دراصل اس قانون کا منشا سیاست دانوں کو آئندہ سیاسی سرگرمیوں سے باز رکھنا تھا، تاکہ مارشل لاء کے بعد نظم و نسق کی جو شکل بنے اس میں وہ کسی قسم کی رکاوٹ نہ پیدا کر سکیں۔ عموماً سیاست دانوں نے اس معاملے میں مارشل لاء سے ٹکر لینی مناسب نہیں سمجھی اور مصلحت اسی میں جانی کہ وہ سیاست سے کنارہ کش ہو جائیں۔ مجھے بھی ڈپٹی ڈائریکٹر انٹی کرپشن نے جواب دہی کیلئے بلایا تھا۔ جس پر میں نے کہا کہ آپ سے زیادہ میرے پاس اپنی بدعنوانیوں کا ریکارڈ ہے لہٰذا آپ خود آجائیں تو میں آپ کی زیادہ مدد کر سکتا ہوں۔ اس کے بعد نوٹس آیا میں نے الزامات سے انکار کیا بالآخر میں سیاست سے کنارہ کش ہو گیا۔

کرکٹ کنٹرول بورڈ کا صدر

میرے سیاسی دوستوں نے مجھے یہ مشورہ دیا تھا کہ میں لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو جاؤں۔ چنانچہ میں کراچی چلا گیا تھا ایک دن مجھے صدر نے بلوایا میں ان دنوں کرکٹ کنٹرول بورڈ کی ایگزیکٹو کمیٹی کا صدر تھا میں نے اس کی صدارت سے استعفیٰ دے کر استعفیٰ اپنی جیب میں رکھ لیا تھا جب میں صدارت منزل پہنچا اس وقت صدر کین کے صوفوں پر لان میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میرے صدر سے دوستانہ تعلقات تھے۔ میرے دوستوں میں چیف جسٹس محمد منیر بھی تھے بہرحال میں نے وہاں پہنچتے ہی اپنا استعفیٰ ان کی خدمت میں

پیش کر دیا۔ صدر نے کہا کہ یہ استعفیٰ کیوں دیتے ہیں۔ میری رائے تو یہ ہے کہ آپ سے خاص استفادہ کیا جائے۔ میں نے رکاوٹوں کا ذکر کیا۔ انہوں نے کہا کہ آپ کمیٹی اپنی مرضی کی تشکیل دیں۔ انہوں نے اپنے پرائیویٹ سیکرٹری کو بلایا اور مجھے بطور چیئرمین کرکٹ کنٹرول بورڈ کام جاری رکھنے کو کہا۔ میں نے کمیٹی میں ایک دو اضافے کئے اور باقی کمیٹی ویسے کی ویسے ہی رہنے دی۔ بہر حال میں مزید ایک سال چیئرمین رہا۔ ٹیموں کی سلیکشن بھی ہماری جانب سے ہوتی رہی۔ اس کے بعد میرا کرکٹ سے کوئی تعلق نہیں رہا اور میں بورڈ سے علیحدہ ہو گیا۔

باب ہفتم

جنرل ایوب صدر بن گئے

جنرل ایوب جو بعد میں ملک کے صدر بن گئے تھے ان کا دور حکومت دس سال کے عرصہ پر محیط ہے۔ اس دوران انہوں نے ملک کو نیا آئین دیا۔ بنیادی جمہوریتوں کا قانون نافذ کیا۔ مسلم لیگ کو از سر نو منظم کیا اور تعمیراتی و ترقیاتی سرگرمیوں میں بھرپور کردار ادا کیا۔ نیز جہاں اندرون ملک خاص جماجمی پیدا ہوئی وہاں بیرون ملک بھی پاکستان کا وقار بڑھا۔

یوں تو ۱۹۵۹ء سے ۱۹۶۷ء تک میرے لئے سیاسی سرگرمیاں ممنوع رہیں اور میں ایبڈو کی پابندی کی وجہ سے اس عرصے کے دوران ملک کی سیاست میں کوئی حصہ نہ لے سکا لیکن سیاسی دوستوں سے میل جول برابر قائم رہا۔ وقت ضرورت انہیں سیاسی مشورے بھی دیتا رہا۔ کئی بار صدر ایوب نے بھی قانونی پابندی کے باوجود میرے سیاسی تجربات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ چنانچہ جب انہوں نے مسلم لیگ کو از سر نو منظم کرنے کیلئے ایک کل پاکستان کنونشن منعقد کیا تو اس میں میرے مشورے بھی شامل تھے۔

میں نے ۱۹۶۴ء میں مسلم لیگ کو جو اب کنونشن لیگ بن گئی تھی اسے مضبوط و مستحکم کرنے کیلئے صدر ایوب کے ایماء پر ملک بھر کے دورے کئے اور کافی لوگوں کو اس کا رکن بنا دیا۔ جن لوگوں نے مسلم لیگ کے مذکورہ کنونشن میں شرکت نہیں کی تھی اور جن میں میاں ممتاز دولتانہ اور ان کے رفیق خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ انہوں نے اپنی مسلم لیگ کا وجود علیحدہ برقرار رکھا اور وہ کنونشن کے مقابلے میں کونسل مسلم لیگ کہلائی۔

کنونشن مسلم لیگ نے صدر ایوب کو اپنا صدر منتخب کر لیا تھا۔ جبکہ کونسل مسلم لیگ کے صدر خواجہ ناظم الدین منتخب ہوئے تھے۔

میری مسلم لیگ میں واپسی

بہر حال جن لوگوں کی وجہ سے مجھے مسلم لیگ کو چھوڑنا پڑا تھا وہی لوگ مسلم لیگ میں میری واپسی کا سبب بنے۔ اگرچہ مسلم لیگ میں اب میری شرکت برائے نام تھی۔ کیونکہ باقاعدہ طور پر ابھی مجھے سیاست میں حصہ لینے کی اجازت نہ تھی۔ لیکن مسلم لیگ کے اس سازشی گروہ کے مقابلے میں نئی مسلم لیگ کیلئے کام کرنا میرے لئے خوشی کا باعث تھا۔ مجھے امید تھی کہ صدر ایوب کی قیادت میں مسلم لیگ اپنا کھویا ہوا وقار دوبارہ بحال کرنے میں ضرور کامیاب ہو جائے گی۔

صدارتی انتخابات

صدر ایوب کے صدر مسلم لیگ منتخب ہونے میں وہی سیاسی ضرورت کار فرما تھی جو اس سے پہلے سیاسی و حکومتی اقتدار کی یک جائی کا سبب تھی۔ چنانچہ یہ حکمت عملی کامیاب رہی اور صدر ایوب نے جب صدارتی انتخاب لڑا تو ان کی اس حیثیت نے بڑا کام کیا۔ انہوں نے اپنی اس انتخابی مہم کا مجھے انچارج بنایا تھا اور میں نے اس کیلئے استحقاق کمیٹیاں قائم کر کے اسے پاکستان گیر بنیادوں پر منظم کیا تھا۔
۱۹۶۲ء کے بعد جب کابینہ بنتی ہے تو ایک اعلان ہوتا ہے کہ جو ایبڈو وین معافی مانگ لیں انہیں معاف کر دیا جائے گا۔ قیوم خاں اس وقت جیل میں تھے۔ محمد علی بوگرا میرے پاس آئے اور انہوں نے فیلڈ مارشل محمد ایوب کا پیغام مجھے دیا اور کہا کہ آپ ایک خط صدر کے نام لکھیں۔ میں نے معافی نامہ لکھنے سے انکار کیا اور کہا کہ جب میری کارروائیاں غلط سمجھی گئی ہیں تو میں معافی کس بات کی مانگوں۔ محمد علی بوگرا تین چار دن کی مہلت لے کر ڈھاکہ جاتے ہیں وہاں ان کا انتقال ہو جاتا ہے اور ایبڈو کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔
کچھ دن بعد نواب کالاباغ نے مجھے بلایا اور کہا صدر کا الیکشن ٹھیک طور پر لڑا جائے۔ میاں ممتاز دولتانہ، سردار شوکت حیات اور میرا نام اس غرض کیلئے تجویز ہوا تھا۔ فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں نے مجھ پر اعتماد کا اظہار کیا تھا اور مجھے مل کر مجھ سے درخواست بھی کر چکے تھے۔ بہر حال میں اپنی فیملی کے ہمراہ یہاں آیا۔ میرا قیام صاحبزادی محمودہ بیگم کے ہاں رہا اور عبدالغفار کی کوٹھی میرے دفتر کیلئے مخصوص کی گئی۔ جہاں چار ایسے پرائیویٹ سیکرٹری مجھے دیئے گئے جن کا تعلق مختلف صوبوں سے تھا۔ دس ٹیلیفون لگائے گئے۔ مزید بر آں گورنر کے جہاز اور فلائنگ کلب کے جہاز میری تحویل میں دیئے گئے۔ دو سینئر افسران کو میرالیزان افسر مقرر کیا گیا۔ غرض اس طرح میں نے صدر کے الیکشن کیلئے کام شروع کیا۔ میں رات کے دو بجے تک کام کرتا تھا۔ عوام سے رابطہ قائم تھا۔ پبلسٹی میٹریل تیار کرایا جنہیں جہازوں کے ذریعہ تقسیم کیا گیا۔ اسی دوران مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کا میرے پاس ٹیلیفون آیا کہ ان کے علاقے کو نظر انداز کیا جارہا ہے۔ ان کی شکایت رفع کی گئی اس دوران فیلڈ مارشل سے میری ملاقات کبھی ناشتہ پر ہوئی اور کبھی رات کے وقت۔

انتخابی دورے کا آغاز جمال دین والی سے

صدر ایوب کے انتخابی دورے کا پروگرام میرے ذمے تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے دورے کا آغاز میرے قصبہ جمال دین والی سے کیا جہاں ان کے اعزاز میں ایک شاندار ڈنر دیا گیا اور یہیں صادق آباد تحصیل کے نومنتخب ارکان کو ان کی خدمت میں پیش کیا گیا۔

جمال دین والی کے کامیاب دورے کے بعد میں نے ستمبر بھر صدر ایوب کے لئے دورے کئے اور لوگوں کو ان کی حمایت پر آمادہ کیا۔

صدر ایوب نے بہاولپور کے ایک جلسے سے بھی خطاب کیا جس میں حمید الدین حاکم، شیخ مسعود صادق اور مولوی بشیر اعگر نے بھی تقریریں کیں اور آخر میں صدر نے خطاب کیا۔

میرے سیاست میں حصہ لینے پر اعتراض

بعض سیاسی حلقے میرے اس کردار پر معترض تھے۔ وہ کہتے تھے کہ میں سیاسی پابندیوں کے باوجود سیاست میں حصہ کیوں لے رہا ہوں۔ لیکن اس کا جواب صدر نے خود یہ کہہ کر دے دیا کہ جب دوسرے سیاست دان سیاسی پابندیوں کی پروا نہیں کر رہے تو مخدوم زادہ پر کیوں اعتراض کیا جائے۔

ان پابندیوں سے قطع نظر میں ذاتی طور پر بھی صدر ایوب کو ایک لائق ایڈمنسٹریٹر اور باوقار اسٹیٹسمین سمجھتا تھا۔ اگرچہ میں سیاسی طور پر خود ان کا زخم خوردہ تھا۔ لیکن میری یہ دیانت دارانہ رائے تھی کہ اگر ملک کو ان جیسی شخصیت کی قیادت حاصل رہی تو یہ ملک کے مفاد میں ہو گا۔ اس لئے بھی میں نے پوری ذہنی ہم آہنگی کے ساتھ صدر ایوب کیلئے کام کیا اور انہیں اس کے نتیجے میں خاطر خواہ کامیابی بھی حاصل ہوئی۔

محترمہ فاطمہ جناح ہار گئیں

صدر ایوب کے مقابلے میں کونسل مسلم لیگ اور دوسری سیاسی جماعتوں نے محترمہ فاطمہ جناح کو پاکستان کے صدارتی انتخاب کیلئے کھڑا کیا تھا۔ قائد اعظم کی بہن ہونے کی وجہ سے محترمہ فاطمہ جناح یقیناً سب کیلئے قابل احترام تھیں۔ لیکن ایک تو سیاست کی بے رحمی مشہور ہے۔ دوسرے عالمی سیاست جس طرح کروٹ لے رہی تھی اور اندرون ملک جمہوریت کے نام پر جو کھیل کھیلا جا رہا تھا اس کا تقاضا یہ تھا کہ کوئی مرد آہن ہی ملک کا اقتدار سنبھالے۔ محترمہ فاطمہ جناح اپنے تمام عزو شرف کے باوجود ایک عورت تھیں اور ہمارا معاشرہ ابھی اتنا ترقی یافتہ نہیں ہوا کہ کسی عورت کے اقتدار کو گوارا کرنے کیلئے تیار ہوتا۔ دوسرے یہ کہ جن لوگوں کے ہاتھ میں وہ آلہ کار بنی تھیں ان کے سیاسی کردار سے لوگ اچھی طرح واقف تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اگر محترمہ فاطمہ جناح صدارتی انتخاب جیت گئیں تو وہ ان کے اشاروں پر چلیں گی اور ملک کی

باگ ڈور دراصل اس سازشی گروہ کے ہاتھ میں آجائے گی جو ملک کو مضبوط و مستحکم کرنے کی بجائے کمزور کر دے گا۔ چنانچہ محترمہ فاطمہ جناح کیلئے یہ لوگ تمام پاکستان سے ۲۸ ہزار سے زائد ووٹ حاصل نہ کر سکے۔ جبکہ صدر ایوب ان کے مقابلے میں پچاس ہزار ووٹ لے کر کامیاب ہو گئے۔ دیکھا جائے تو یہ شکست محترمہ فاطمہ جناح کی نہ تھی بلکہ ان لوگوں کی تھی جنھوں نے اپنے مخصوص مقاصد کیلئے انہیں کھڑا کیا تھا۔

صوبائی اور قومی اسمبلیوں میں کنونشن مسلم لیگ کی کامیابی

صدارتی انتخاب کی طرح قومی و صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات میں بھی کنونشن مسلم لیگ کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔ بہاولپور ڈویژن سے قومی و صوبائی اسمبلی کے کامیاب امیدوار تمام کے تمام کنونشن مسلم لیگ سے تعلق رکھتے تھے۔

صدر ایوب کو میری نصیحت

صدر نے الیکشن کے دوران بہاولپور کا دورہ کیا۔ دوران سفر مجھ سے دریافت کیا کہ اگر میں جیت گیا تو میرے متعلق تمہاری کیا نصیحت ہوگی۔

> "میں نے کہا کہ آپ ہرگز یہ نہ سمجھیں کہ آپ جیتنے کے مستحق تھے دوسرے آپ کے دروازے ہروقت عوام کیلئے کھلے رہیں اور آپ اپنے آپ کو چند اشخاص میں محدود دائروں کا پابند نہ کریں"۔

صدر کا دورہ لاڑکانہ

جیتنے کے بعد صدر نے لاڑکانہ جانے کا اعلان کیا۔ میری اور نواب کالاباغ کی یہ رائے تھی کہ یہ خوشی کا موقع ہو گا اور وہاں ان کو اچھی پارٹی نہیں ملے گی۔

انہیں کہا گیا تھا کہ اب سیاست میں تو آپ کامیاب ہو گئے ہیں۔ اب آپ کو ٹیکنوکریٹ کی ضرورت ہے سیاست سے تعلق رکھنے والے حضرات صدر سے کٹ گئے اور بیوروکریسی کا زور بڑھ گیا اور جو ایسٹ اور ویسٹ میں پبلک سے تعلق رکھنے والے تھے وہ بیکار ہو گئے۔ وہاں منعم خاں گورنر بن گئے۔ جن میں اہلیت اور فراخ دلی نہ تھی۔ بلکہ کنبہ پروری اور جنبہ نوازی تھی۔ اسی وجہ سے لوگوں میں غیر مقبول ہوئے۔ سیاست دانوں کا تعاون نہ تھا۔ اس لئے ان سے عوامی نفرت کا غصہ بھی صدر کی طرف مڑ گیا۔
ویسٹ پاکستان میں ایک تو بھٹو سے چپقلش ہو گئی۔ پھر خواجہ شہاب الدین اور ان کے گروپ کے دوسرے بااثر حضرات الگ ہو گئے۔

صدر منتخب ہونے کے بعد میں نے بذریعہ ٹیلی گرام صدر کو مبارک باد دی تھی اور اپنا کام ختم کر کے دوسرے دن ٹرین سے واپس کراچی چلا گیا تھا۔ اس رات نواب کالا باغ نے اپنے پاس بٹھا کر کہا کہ میں تھک گیا ہوں۔ میری رائے میں تم میری جگہ گورنر ویسٹ پاکستان بن جاؤ۔ نواب صاحب درپردہ مجھے آزما رہے تھے لیکن میں نے بلا خوف ان سے کہا کہ اگر آپ میں اتنی طاقت ہے کہ آپ اپنی جگہ دوسرے کو گورنر بنا سکتے ہیں تو آپ اپنی میعاد بڑھوالیں۔ اور اگر واقعی میری ضرورت ہے تو پہلے مرکزی کابینہ میں رکھ کر مجھے آزمائیں اور دیکھیں کہ میں صدر کے اعتماد پر پورا اترتا ہوں۔ اس کے بعد اگر آپ دونوں مناسب سمجھیں تو میں گورنری قبول کرنے کو تیار ہوں۔ اس کے بغیر گورنری جیسی ذمہ داری میں قبول کرنے کو تیار نہیں ہوں۔

بعض اہم خطوط

میں نے اپنے تعلقات صدر سے لے کر عام سیاست دانوں سے بھی برقرار رکھے تھے۔ چنانچہ جہاں صدر ایوب سے میری خط و کتابت رہی وہاں بعض اہم سیاسی شخصیتوں سے بھی رابطہ رہا۔ یہاں میں میاں ممتاز دولتانہ اور صدر کے بعض خطوط درج کر رہا ہوں۔ انہیں میں ایک خط مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کا بھی ہے۔

میں فرینکفرٹ میں تھا کہ ۲۷ جولائی کو میاں ممتاز دولتانہ کا خط موصول ہوا اس کا متن یہاں دے رہا ہوں۔

مگنو ن
کشمیر پوائنٹ
مری
۲۷۔۶۔۶۲

میرے پیارے بھائی

کل ہی فرینکفرٹ سے آپ کا خط موصول ہو کر مجھے انتہائی خوشی ہوئی ہے۔

میرے نزدیک اہم ترین بات یہ ہے کہ ہم دونوں کے درمیان اب آئندہ کیلئے کسی قسم کی غلط فہمی یا بیگانگی باقی نہیں رہی ہے۔ آپ شاید نہ مانیں لیکن کئی سال گذشتہ سے یہی میری مضطربانہ خواہش اور تمنا رہی ہے۔ میں اپنی طرف سے وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کو میری ہمیشہ محبت، دوستی اور اعتماد حاصل رہے گا۔

یہ عرض کرنا تحصیل حاصل ہے کہ میں آپ کو پاکستان کے قابل ترین لوگوں میں سے سمجھتا ہوں اور اگر آپ کی صلاحیتیں بروئے کار آئیں تو اس پریشاں حال اور

استحصال زدہ ملک کے مصائب دور ہو جائیں گے۔

یہاں سیاست منتشر ہے اور خلوص و رہنمائی کا فقدان ہو چکا ہے۔ یہاں تک کہ بقائے ملک کا احساس بھی ان لوگوں کے دلوں میں باقی نہیں جو ایوان اقتدار پر قابض ہیں۔

نئے آئینی ڈھونگ کے مطابق میں اور آپ سیاسی جماعتوں سے نکالے جا چکے ہیں۔ وہ لوگ جن کو سیاسی اکھاڑے میں در آمد کیا گیا ہے نامزد ہیں کیونکہ ان کو عوام کا اعتماد حاصل نہیں بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ وہ عوام کی ناخوشی کا ہدف ہیں۔

میرے خیال میں میرے لئے کام کرنے کی راہ مسدود ہو چکی ہے۔ شاید میرے لئے یہی بہتر ہے کہ میں کامل خلوت گزینی میں رہوں جب تک آپ واپس آئیں۔ آپ کی واپسی بھلا کب تک ہو گی؟

بہترین دعاؤں کے ساتھ

آپ کا مخلص

ممتاز دولتانہ

اسی طرح صدر ایوب نے ضمنی انتخابات میں پارٹی کی کامیابی پر میری مبارک باد کے جواب میں لکھا تھا۔

پریذیڈنٹ ہاؤس　　　　فیلڈ مارشل محمد ایوب خان

راولپنڈی　　　　نشان پاکستان۔ ہلال جرات

۱۲ اکتوبر ۱۹۶۳ء

میرے پیارے حسن محمود

مغربی پاکستان میں ہماری پارٹی کے ضمنی انتخابات میں کامیابی پر آپ کی مبارک باد کا شکریہ۔ مشرقی پاکستان میں بھی نتائج بڑے حوصلہ افزاء ہیں۔ ان تمام باتوں سے یہ امید بندھتی ہے کہ معقول لوگ اب سیاسی استحکام کی قدر کرنے لگے ہیں۔ اور ہماری امداد کرنے کیلئے تیار ہیں۔

امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔ مہربانی کر کے اپنے والد گرامی کو میرے نیاز پہنچا دیجئے

آپ کا مخلص

محمد ایوب خان

پریذیڈنٹ ہاؤس
ڈھاکہ
۷ نومبر ۱۹۶۴ء

فیلڈ مارشل محمد ایوب خان
نشان پاکستان۔ ہلال جرات

میرے پیارے حسن محمود

میں آپ کا اور آپ کے والد گرامی کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے نومبر کے آخری ہفتہ میں مجھے شکار کی دعوت دی۔

آپ کو معلوم ہے کہ میں ان دنوں کتنا مصروف ہوں لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر یہ ممکن ہوا تو میں آپ کو پندرہ دن پیشتر مطلع کروں گا۔

میں نے آپ کے ٹریکٹر کا کیس وزارت زراعت کو غور کیلئے بھیج دیا ہے اور وہ آپ کو اس کے متعلق اطلاع دیں گے۔

براہ کرم اپنے والد گرامی کو میرا سلام پہنچا دیجئے

نیک تمناؤں کے ساتھ
آپ کا مخلص
محمد ایوب

پس تحریر
میں دوبارہ آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے بہاولپور میں جلسہ عام کا انتظام کیا جو غیر معمولی کامیاب ہوا۔

پریذیڈنٹ کیمپ
(پاکستان)
مری
۳۰ اگست ۱۹۶۳ء

این اے فاروقی
ستارہ پاکستان، سی ایس پی
پرنسپل سیکرٹری ٹو دی پریذیڈنٹ

ڈیئر مسٹر حسن محمود

مجھے جناب صدر نے ہدایت کی ہے کہ میں آپ کے ۱۴ تاریخ کے خط کا شکریہ ادا کروں۔ اور یہ لکھوں کہ آپ کو جو غلط فہمی ہوئی ہے کہ صدر صاحب آپ سے ناراض ہیں۔ درست نہیں ہے۔

آپ کا مخلص
این۔ اے فاروقی

مسٹر حسن محمود
بار ایٹ لاء
کاشانہ حیدری
۳۱۵ لارنس روڈ۔ کراچی۔ ۵
(ذوالفقار علی بھٹو کے خط کا کچھ حصہ شامل اشاعت ہے)
مکرمی سید حسن محمود صاحب ......

.... سرکردہ سیاست دانوں میں اپنی دلچسپی کے پیش نظر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں آپ کی تائید و حمایت کرتا رہوں گا۔ بشرطیکہ وہ قومی مفاد کیلئے ہو۔ قومی مفاد کے تقاضے کیا ہیں، ان کا تصفیہ میں اور آپ مشترکہ طور پر کریں گے۔ اور مجھے امید ہے کہ آپ میرے ان جذبات کے بدلے میں میری تائید پاکستان کے امور خارجہ کے نبھانے میں کرتے رہیں گے۔

ذوالفقار علی بھٹو

کامیابیوں کے بعد زوال اقتدار

اس شاندار کامیابی کے بعد صدر ایوب کو خدا نے ایک اور کامیابی سے ہمکنار کیا۔ یہ کامیابی پاک بھارت جنگ میں حاصل ہوئی۔ ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کو بھارت نے پاکستان کی سالمیت و آزادی پر ڈاکہ ڈال کر صدر ایوب کو ایک نئی آزمائش سے دوچار کر دیا تھا۔ حالانکہ پاکستان کے مقابلے میں بھارت کی فوجی قوت کئی گنا زیادہ تھی۔ لیکن صدر ایوب کی قیادت میں قوم نے جس عزم' جرات اور شجاعت و حوصلہ کا ثبوت دیا وہ ہماری قومی تاریخ کا سنہری باب ہے۔

لیکن وہ جو کسی نے کہا ہے۔

سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں
ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں

محمد ایوب خان بھی ان تمام کامیابیوں اور کامرانیوں کے باوجود اپنے اقتدار کو دائمی نہیں بنا سکے۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ جب انسان کے دل میں یہ بات جگہ کر لیتی ہے کہ وہی ملک کا نجات دہندہ ہے اور اس کی بقاء کا دارومدار اسی کی ذات پر ہے تو چونکہ یہ بات قدرت کو پسند نہیں اس لئے وہی ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے کہ اس کی کرسی اقتدار خود اس کے نیچے سے کھسک جاتی ہے۔ صدر ایوب کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ ان کے بعض حواری اور حاشیہ بردار انہیں تاحیات ملک کا صدر بنانے کی ترغیب دینے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ اس لئے جب یہ خیال ان کے جاگزین ہوا تو قدرت نے اپنا فیصلہ ان کے خلاف صادر کر دیا۔ چنانچہ

یکایک ملک میں ان کے خلاف ایک لاوا پھٹ پڑا۔ جگہ جگہ مظاہرے ہونے لگے اور یہ آواز پورے ملک میں گونجنے لگی کہ صدر ایوب صدارت سے الگ ہو جائیں۔

مغربی پاکستان میں صدر ایوب کی مخالفت جو عنصر کر رہا تھا اس کے عزائم تو ڈھکے چھپے نہیں تھے، لیکن جہاں تک مشرقی پاکستان کا تعلق ہے وہاں کی سیاسی آویزشوں سے عوام بے خبر تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ وہاں کے فعال سیاسی افراد بھارتی حکومت کے آلہ کار تھے جس کا مقصد اس خطہ ملک کو پاکستان سے جدا کرنا تھا۔ صدر ایوب کی حکومت نے ایسے لوگوں کو جن کے سرکردہ شیخ مجیب الرحمٰن تھے ان پر پاکستان سے بغاوت کا الزام عائد کر کے گرفتار کر لیا تھا۔ لیکن جب صدر ایوب کے خلاف ملک گیر تحریک شروع ہوئی اور سیاسی جماعتوں کا ان پر دباؤ پڑا تو وہ اس حد تک بے بس ہو گئے کہ ان کے مطالبے پر اس باغی عنصر کو بھی فوراً رہا کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ میرے خیال میں صدر ایوب کے زوال کا یہ نقطہ عروج تھا۔ اگر وہ اس وقت ان سیاست دانوں کے دباؤ میں نہ آتے تو شاید ملک ان حالات سے کبھی دوچار نہ ہوتا جن کے نتیجے میں وہ اپنے ایک بازو سے محروم ہوا۔

صدر ایوب سے میرا قرب بہاولپور کے مفاد میں تھا

بہر حال میری صدر ایوب سے وابستگی اور قرب کی جہاں وہ وجہ تھی جس کا ذکر میں نے اوپر کیا وہاں بہاولپور کے حقوق و مفادات بھی میرے پیش نظر تھے۔ میں چاہتا تھا کہ اس طرح بہاولپور کی کچھ خدمت کر سکوں۔ لوگ مجھے شاید اس سلسلے میں مفاد پرستی کا طعنہ دیں لیکن چونکہ یہ معاملہ میرے ذاتی مفاد کا نہیں تھا بلکہ ان لاکھوں عوام کا تھا جنہیں جمہوری سفر کے آغاز میں ہی لوٹ لیا گیا تھا اور ڈر تا تھا کہ یہ احساس زیاں کہیں آئندہ ان کا حوصلہ پست کرنے کا باعث نہ ہو۔ میں خود تو اب اس پوزیشن میں نہ تھا کہ ان کے لئے کچھ کر سکتا۔ اس لئے میں نے یہی مناسب سمجھا کہ صدر ایوب کی کچھ خدمت کر کے بہاولپور کا کسی حد تک سیاسی وقار بھی بڑھاؤں اور ان کی اقتصادی و معیشی حالات کو بہتر بنانے کی بھی کوشش کروں۔ چنانچہ میں نے قومی و صوبائی اسمبلی کے انتخابات کے سلسلے میں پورے بہاولپور ڈویژن کے متوقع امیدواروں کا تجزیہ کر کے صدر ایوب کو دیا اور جن امیدواروں کی کامیابی کے امکانات روشن تھے انہیں پارٹی ٹکٹ دینے کی سفارش کی۔ جسے صدر ایوب نے من وعن تسلیم کر لیا خدا کے فضل سے میرے اندازے درست نکلے اور یہ تمام امیدوار کامیاب ہو گئے۔ انہیں مرکز اور صوبے میں مختلف نوعیت کی نمائندگی بھی حاصل ہوئی۔ بہاولپور کا ایک نمائندہ صوبائی کابینہ میں لے لیا گیا اور مرکزی پارلیمنٹ میں ایک صاحب کو پارلیمنٹری سیکرٹری بننے کا اعزاز حاصل ہوا نیز کنونشن مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری کیلئے سردار محمد اسلم جلوانہ کا انتخاب عمل میں آیا۔

بہاولپور کے ترقیاتی منصوبوں کیلئے میں نے گورنر سے کہہ کر گراں قدر رقوم صوبائی بجٹ میں رکھوائیں اور اس غرض کیلئے صدر ایوب کے حکومتی اثرات کو بھی کام میں لایا۔ جس کے نتیجے میں صوبائی بجٹ میں بہاولپور کیلئے معتدبہ رقم مختص کی گئی۔

اس زمانے میں مغربی پاکستان میں جوڑ توڑ شروع ہوا۔ سول سروس میں لوگوں نے اپنی وفاداریاں بھٹو سے منسلک کر دیں۔ پھر نواب کالاباغ کو ہٹا دیا گیا۔ شعیب چلے گئے۔ یہ آپس میں دوست تھے۔ اس طرح ایوب خان کے دس سالہ دور کا خاتمہ ہوا۔ پھر ان کی طرف سے "فرینڈز ناٹ ماسٹرز" نامی کتاب شائع ہوئی جس نے امریکہ کو ان کے خلاف کر دیا۔

صدر کے زوال کے اسباب میں سیاست دانوں کا بھی بڑا دخل ہے۔ مشرقی پاکستان میں شیخ مجیب اور مغربی پاکستان میں مسٹر بھٹو جیسے خود غرض لوگ گورنر کی نا اہلیت کی وجہ سے ہیرو بن گئے۔

جعفر از بنگال صادق از دکن

ننگ ملت، ننگ دیں، ننگ وطن

اس کے بعد مصائب کا دور شروع ہوتا ہے۔ صدر ایوب کے خلاف عوام میں ہیجان برپا ہوتا ہے۔ میں نے صدر سے مل کر انہیں مشورہ دیا تھا کہ مسلم لیگ فنڈ سے ۲۵ لاکھ روپے نکال کر سیاسی کاموں پر صرف کریں لوگوں کو اپنا ہم نوا بنائیں سیاست دانوں سے رابطہ پیدا کریں اور سیاسی کارکنوں کو اپنے لئے استعمال کریں۔ لیکن انہوں نے میری بات نہ مانی اور شاید وہ سمجھے کہ یہ روپیہ شاید میں اپنے لئے نکلوا رہا ہوں۔ اس وقت مسلم لیگ کے فنڈ میں ایک کروڑ روپے سے زائد تھے اور اس میں سے ۲۵ لاکھ صرف کر کے حالات کو اپنے موافق کیا جا سکتا تھا۔

ایوبی دور کی غلطیاں

غلطیاں کس سے نہیں ہوتیں۔ انسان غلطیوں کا پتلا ہے۔ لیکن اگر صلاح کار مخلص و باتدبیر ہوں تو بہت سی غلطیوں سے بچا جا سکتا ہے۔ میرے نزدیک صدر ایوب کی پہلی غلطی یہ تھی کہ انہوں نے ایبڈو کے ذریعہ سیاست دانوں کو بے اثر کر دیا تھا۔ حالانکہ ان میں ایسے سیاست دان بھی تھے جو ان کیلئے مفید ثابت ہو سکتے تھے۔ پھر لینڈ ریفارم بھی صحیح اقدام نہ تھا۔ یہ غیر شرعی بھی تھا اور غیر سیاسی بھی۔ وہ اس کے ذریعہ زمینداروں کا اثر زائل کرنا چاہتے تھے۔ حالانکہ انہیں معلوم ہونا چاہئے تھا کہ دیہی علاقے زمینداروں کے زیر اثر ہیں اور پاکستان میں ہمیشہ دیہات کی سیاست غالب رہی ہے۔ بہرحال لینڈ ریفارم سے نہ یہ اثرات زائل ہوئے اور نہ ہاریوں کو اس کا کوئی فائدہ پہنچا۔

اوقاف کے قوانین کے تحت بزرگوں کی گدیوں کو اوقاف میں دے دیا گیا جس سے الٹے اثرات

مرتب ہوئے اور ملک کا ایک با اثر طبقہ ان کے خلاف ہو گیا۔

سروسز کے قوانین میں جور د و بدل کیا گیا اس کا مقصد بھی اپنے اقتدار کو دوام بخشنا تھا لیکن سرکاری ملازمین میں بھی ایک حلقہ ان کے مخالفوں میں شامل ہو گیا۔

صدر ایوب کو اپنوں نے دھوکہ دیا

مارچ ۱۹۶۷ء میں مجھ پر ایبڈو کی پابندیاں ختم ہوئی تھیں اور میں اب باقاعدہ مسلم لیگ میں شامل ہو گیا تھا۔ لیکن یہ دور وہ تھا جب صدر ایوب کے ایوان اقتدار میں دراڑیں پڑ چکی تھیں اور پورے ملک میں ان کے خلاف چہ میگوئیاں ہونے لگی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی مفاد پرست عناصر نے ان کے گرد ایسا حصار قائم کر رکھا تھا کہ وہ اس سے باہر نکل کر کچھ سوچنے پر قادر نہیں رہے تھے۔ ذوالفقار علی بھٹو جو ان کے چہیتے وزیروں میں شمار ہوتے تھے وہ مخالفوں کی صف میں جا ملے تھے۔ درپردہ اور بھی کئی لوگ جو قابل اعتماد سمجھے جاتے تھے ان کی وفاداریاں مشکوک ہو گئی تھیں۔ میں ان حالات میں بھی صدر ایوب کا ساتھ دینے کیلئے تیار تھا۔ لیکن افسوس اچانک میں سخت بیمار پڑ گیا اور چلنے پھرنے اور اٹھنے بیٹھنے سے بھی معذور ہو گیا۔ اس بیماری نے میری تمام سرگرمیوں کو معطل کر کے رکھ دیا۔ اگر میری صحت اجازت دیتی تو میں اس مخالف فضا کو ٹھیک کرنے میں مدد دیتا۔ لیکن "اے بسا آرزو کہ خاک شدہ" میری بیماری میرے عزائم کی راہ میں حائل رہی اور اس دوران ایسے لوگ صدر ایوب کے زیادہ قریب ہو گئے جنہیں نہ کوئی سیاسی تربیت تھی اور نہ وہ صحیح سیاسی شعور رکھتے تھے۔ بالاخر یہی لوگ صدر ایوب کو لے بیٹھے اور وہ صدارت سے علیحدہ ہو گئے۔

ملک میں دوبارہ مارشل لاء کا نفاذ

ان کی صدارت سے علیحدگی خاص طور پر ایسے وقت میں جب پاکستان اندرونی و بیرونی خطرات میں گھرا ہوا تھا انتہائی افسوس ناک تھی۔ بہرحال اس کے بعد ملک ایک بار پھر مارشل لاء سے دوچار ہوا۔ جنرل یحیٰ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بنے۔

انہوں نے ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء کو مارشل لاء کا اعلان کیا تھا اور وہ چیف مارشل لاء بنے تھے لیکن پھر یکایک ۳۱ مارچ ۱۹۶۹ء کو وہ خود بخود پاکستان کے صدر بن بیٹھے۔ اس سلسلہ میں سرکاری طور پر جو اعلان کیا گیا تھا وہ یہ تھا۔

> "چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کو سربراہ مملکت کی حیثیت سے مملکت کے جو ضروری کام کرنے ہوتے ہیں ان سے عہدہ برآ ہونے کیلئے ضروری ہے کہ ان کے پاس ایسا عہدہ ہو جس کی بناء پر وہ ملک کے قانون کے مطابق اور

بین الاقوامی قانونی طریقہ کار اور روایات کے تقاضوں کے مطابق ان ذمہ داریوں سے عہدہ بر آ ہو سکیں۔ ان ذمہ داریوں میں بجٹ کی تصدیق، قوانین اور آرڈیننسوں کا اجراء، تقرریوں کی توثیق اور دوسرے بہت سے کام صرف صدر ہی سربراہ مملکت کے طور پر کر سکتے ہیں۔ مزید بر آں بین الاقوامی تعلقات کے سلسلے میں صرف صدر مملکت ہی اس بات کا مجاز ہوتا ہے کہ وہ بعض دستاویزات جاری یا وصول کر سکے اور غیر ممالک میں ملک کے نمائندوں کو ذمہ داریاں سنبھالنے کا مجاز قرار دے سکے۔ مثال کے طور پر بیرونی ممالک میں پاکستان کے سفیروں کو اسناد سفارت اور سفارتی نمائندوں کو پورے اختیارات کے احکام اور دوسرے ممالک کے سربراہوں کو پیغامات صرف صدر پاکستان بحیثیت سربراہ مملکت کے نام سے ہی جاری کئے جا سکتے ہیں۔ بین الاقوامی معاہدوں کی توثیق اور بیرونی ممالک کے سفیروں کی منظوری صرف صدر ہی دے سکتے ہیں۔

ان باتوں کے پیش نظر یہ ضروری ہے کہ چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر جنہیں عوام کے نمائندوں کے ہاتھوں نیا آئین بنانے تک سربراہ مملکت کی حیثیت سے ذمہ داریاں سنبھالنی ہیں۔ صدر کے طور پر سربراہ مملکت کا عہدہ سنبھالیں"۔

ملک میں مصائب کا آغاز

اس کی ضرورت غالباً اس لئے بھی پیش آئی تھی کہ صدارتی نظام حکومت میں ایسا کوئی متبادل انتظام نہیں رکھا گیا تھا کہ اگر کسی وقت صدر اپنے عہدے سے الگ ہو جائیں تو ان کی جگہ کون لے گا۔ پارلیمانی نظام میں تو یہ گنجائش ہوتی ہے کہ اگر وزیر اعظم اور اس کی پارلیمینٹ مستعفی ہوتی ہے یا علیحدہ کی جاتی ہے تو نئی حکومت کی تشکیل تک صدر مملکت، مملکت کا نظام چلانے کا اختیار رکھتا ہے۔ غالباً صدارتی نظام میں بھی یہ گنجائش تو رکھی جاتی ہے کہ اگر وہ نہ رہے تو عارضی طور پر سپیکر اسمبلی صدر کا جانشین ہو لیکن جنرل یحییٰ نے اس کا تکلف گوارا نہ کیا اور خود ہی چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر کے ساتھ صدر مملکت کا بھی عہدہ سنبھال لیا۔ صدر ایوب کو چاہئے تھا کہ وہ اقتدار اسپیکر کے سپرد کرتے لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا۔

جنرل یحییٰ دائم الخمر بھی تھے اور کئی دوسری معاشرتی برائیوں کے بھی عادی تھے۔ ان خرابیوں نے فہم و فراست کی تمام صلاحیتوں سے بھی عاری کر دیا تھا۔ چنانچہ جب تک رہے ان کی حیثیت دستخط کرنے والی ایک مشین کی سی رہی۔
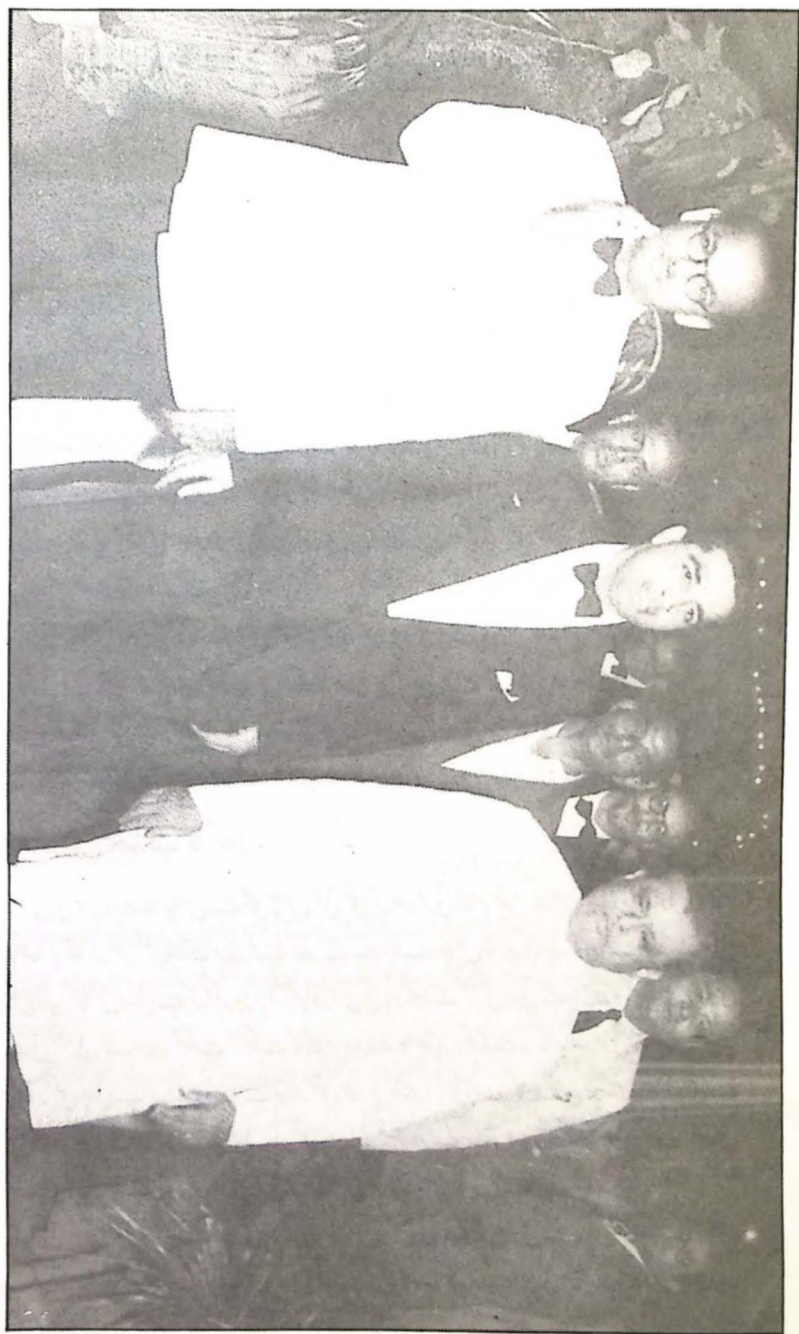
باب ہشتم

یحییٰ خاں کا دور

ان کے دور میں مشرقی پاکستان میں عدم اعتماد کی فضا پیدا ہوئی۔ ہم نے کوشش کی کہ مسلم لیگ کا ایسا صدر منتخب کیا جائے جس کی وجہ سے کنونشن اور کونسل مسلم لیگ ایک ہو جائیں۔ فضل القادر چودھری اور ملک قاسم پر یہ انتخاب چھوڑ دیا گیا لیکن یہ دونوں مسلم لیگوں کے ادغام کے خلاف تھے۔ اس لئے کوشش کامیاب نہ ہوئی۔ اس غرض کیلئے میاں ممتاز دولتانہ سے بھی رجوع کیا گیا لیکن وہ بھی ناکام رہے۔ مولانا احتشام الحق تھانوی کے ہاں طے پایا کہ میں مشرقی پاکستان جا کر وہاں مسلم لیگ کی دھڑے بندی کو ختم کراؤں۔ چنانچہ میں مشرقی پاکستان گیا اور دونوں دھڑوں میں صلح کرادی۔ مشرقی پاکستان کے کونسلروں کو لاہور میں بلانے کا انتظام کیا اور یہ کوشش کی کہ ایسے کونسلر منتخب ہوں جو دونوں مسلم لیگوں کے ادغام کے حق میں ہوں۔ لیکن یہ بات افسوس کے ساتھ کہی جائے گی کہ اس راہ میں سب سے زیادہ مزاحم چودھری ظہور الٰہی تھے۔ جنھوں نے اس منصوبے کو ناکام بنانے کیلئے تین لاکھ روپیہ تک صرف کیا۔

ان حالات نے ہمیں مجبور کیا کہ کوئی اور راستہ اختیار کیا جائے۔ چنانچہ دونوں مسلم لیگی دھڑوں سے الگ ایک علیحدہ مسلم لیگ بنانے کی تجویز ہوئی اور صدارت کیلئے خان عبدالقیوم خاں کا انتخاب ہوا۔ پہلے تو وہ تیار نہ تھے لیکن ہم نے کوہاٹ سیشن کورٹ سے نکلتے وقت انہیں پکڑ لیا اور زبردستی موٹر میں بٹھا کر اپنے ساتھ لے آئے۔ ہم نے ایک جہاز چارٹر کیا۔ جس میں مشرقی پاکستان کے ڈیلی گیٹس بلائے گئے اور نیڈو ہوٹل کے لان میں جلسہ کیا اور خان عبدالقیوم خاں کو اس نئی مسلم لیگ کا صدر چن لیا گیا۔ جو بعد میں قیوم لیگ کے نام سے مشہور ہوئی۔

یحییٰ خاں پہلے ایڈ منسٹریشن کی درستی کی فکر میں تھے۔ پھر سیاسی عمل کی طرف آئے۔ اب ہمیں بھی ملاقات کا موقع ملا۔ ان کا عطاء الرحمٰن، علوی مرحوم اور راجہ صاحب محمود آباد سے قریبی تعلق تھا۔ یحییٰ خاں سے میرے بھی تعلقات استوار ہوئے اور وہ مجھ پر اعتماد کرنے لگے۔ انہوں نے اپنے ملٹری سیکرٹری کو ہدایت کر دی تھی کہ میں جب ان سے ملنا چاہوں وہ رکاوٹ نہ بنیں۔

اس زمانے میں ایک اسکیم استحکام پاکستان کے سلسلے میں پیش کی گئی اور ایڈ مرل احسن یہ اسکیم لے کر آئے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ ملک میں انتخابات نہ کرائے جائیں بلکہ ایک آئینی کمیٹی تشکیل دی جائے جو ۱۹۵۶ء کے آئین میں ترامیم کرے۔ اس کے علاوہ مندرجہ ذیل اقدامات کئے جائیں۔

۱۔ ون یونٹ توڑ کر تین صوبے بنا دیئے جائیں۔ سندھ بلوچستان کا گرمیوں کے زمانے میں دارالحکومت کوئٹہ ہو۔ سندھ میں بلوچوں کی آبادی بلوچستان سے زیادہ ہے۔ بلوچستان دارالحکومت نہ ہونے کے علاوہ چار پانچ مہینے صوبائی حکومت اور ہائی کورٹ تک لوگوں کو آنے کی سہولت مہیا ہو جائے گی۔ اس طرح بلوچستان کے لوگوں کو کراچی کی بندر گاہ سے فوائد اٹھانے کے مواقع مل جائیں گے۔

۲۔ پنجاب کے صوبہ میں بہاولپور کا ادغام ہو۔ اس اقدام سے دونوں یونٹوں کو فائدہ پہنچنے کی توقع تھی۔ اسی طرح اگر پنجاب سے دو اضلاع میانوالی اور اٹک علیحدہ کر کے صوبہ سرحد میں ملا دیئے جائیں تو اس علاقے کی علیحدگی کا بھی ازالہ ہو جائے گا۔

۳۔ صوبہ سرحد۔ یہ علاقہ رسم ورواج اور معاشرتی لحاظ سے ہزارہ کے علاقے سے بہت مشابہ ہے۔ جس طرح مغربی پاکستان کے تین صوبے ہوں گے۔ اسی طرح مشرقی پاکستان کے ڈویژنوں کا درجہ بڑھا کر صوبے بنا دیئے جائیں۔ اس اقدام سے دونوں علاقوں میں برابری اور مطابقت کی فضاء پیدا ہو گی اور پیریٹی کا فارمولا بھی قائم رہے گا۔

دوسری تجویز یہ تھی کہ ان صوبوں میں سویلین گورنمنٹ ایک سال کیلئے بنادی جائے اور پھر ملک میں عام انتخابات ہوں۔

مجھے یقین تھا کہ اگر اس تجویز پر عمل کیا جاتا تو پاکستان دولخت نہ ہوتا۔

یحییٰ خاں نے جو لیگل فریم ورک آرڈر دیا تھا اس پر ہمیں اعتراض تھا۔ ہم نے اصرار کیا کہ جو پارٹیز لیگل فریم ورک آرڈر کی خلاف ورزی کر رہی ہیں ان پر الیکشن میں حصہ لینے کی پابندی عائد کی جائے۔ ہم نے اس سلسلے میں عطاء الرحمٰن اور علوی صاحب سے بھی گفتگو کی لیکن وہ یہ کہہ کر پیچھے ہٹ گئے کہ یحییٰ خاں کے اور بھی مشیر ہیں۔ انہوں نے تو اپنی سات سالہ حکومت کا نقشہ بنا رکھا ہے اور چارٹ بھی تیار کر لئے ہیں۔ الیکشن سیل میں مختلف جرنیل کام کر رہے ہیں اور ہر پارٹی کو فنڈ فراہم کئے جا رہے ہیں تاکہ الیکشن میں کوئی پارٹی اکثریت میں کامیاب نہ ہو سکے اور بٹی ہوئی پارٹیوں کی صورت میں یحییٰ خاں کا صدر رہنا لازمی ہو گا۔

ہم اگرتلہ سازش کیس کے خلاف تھے جس کے نتیجے میں مجیب الرحمٰن ہیرو بنا۔ دوسرے مشرقی پاکستان کے گورنر کے بھی خلاف تھے۔ کیونکہ انہوں نے اس احساس کو ابھرنے میں مدد دی تھی کہ حکومت مشرقی پاکستان کے وزراء کے ہاتھ میں نہیں بلکہ تمام اختیارات اس کے اپنے پاس ہیں جو فیلڈ مارشل ایوب خاں کے اشاروں پر چلتا ہے۔

میں نے مشرقی پاکستان کے حالات کو روبراہ لانے کی اپنی سی کوشش کی۔ بارہا گورنر منعم خاں سے ملا۔ مشرقی پاکستان گیا لیکن فیلڈ مارشل ایوب خاں کی ہدایت کے باوجود منعم خاں نے مسلم لیگ میں یکجہتی و اتحاد پیدا کرنے کی کوشش میں کوئی مدد نہ کی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عوامی لیگ زور پکڑ گئی۔ مزید بر آں مسلم لیگ کو بہت تھوڑے فنڈ ملے اور وہ بھی الیکشن کے قریب تر زمانے میں۔ اس وقت ایڈمرل احسن گورنر تھے اور جنرل راؤ فرمان علی بھی مشرقی پاکستان میں تھے۔ (میں اس سلسلے میں علیحدہ کتاب لکھ رہا ہوں جس میں مفصل اس کا ذکر آئے گا) بہر حال اس زمانے میں جہاں میں یحییٰ خاں کے قریب تھا وہاں کچھ جرنیل بھی ان کی ناک کا بال تھے۔ انہوں نے میرے اثر ورسوخ کو زائل کرنے کی تدبیریں شروع کر دیں اور یحییٰ خاں سے مجھے دور کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ حالانکہ یہ قرب میرے ذاتی مفاد میں نہ تھا۔ بلکہ ملکی مفاد میں تھا۔ پھر میری بجائے خان قیوم خان براہ راست یحییٰ خاں اور مشرقی پاکستان کے سیاست دانوں سے ملتے رہے۔

میں نے لیگل فریم ورک آرڈر کی خلاف ورزیوں کا ذکر کیا اور دو نقطے واضح کئے ایک یہ کہ کوئی جماعت وحدت پاکستان کے خلاف کوئی منشور تیار نہیں کرے گی۔ دوسرے کوئی جماعت نظریہ پاکستان کے خلاف الیکشن میں حصہ نہ لے سکے گی۔ لیکن اس کے برعکس شیخ مجیب الرحمٰن چھ نکات کی بات کر رہے تھے اور مسٹر بھٹو روٹی، کپڑا، مکان بلکہ جائیدادوں کی تقسیم کے کاغذات لوگوں میں تقسیم کر کے خود غرضانہ نعروں سے لوگوں کو نظریہ پاکستان سے منحرف کر رہے تھے۔ یحییٰ خاں نے انہیں دبانے کے بجائے پورا پھلنے پھولنے کا موقع دیا جس سے ہمارے سادہ لوح عوام دھوکہ کھا گئے۔

صدر یحییٰ کے عہد میں کئی اہم واقعات رونما ہوئے۔ جن میں سب سے المناک واقعہ تو سقوط ڈھاکہ ہے جس کے بعد مشرقی بنگال ہمیشہ کیلئے پاکستان سے الگ ہو گیا۔ اس کے علاوہ مغربی پاکستان کا ون یونٹ توڑ دیا گیا اور اس طرح بین الصوبہ جاتی اتحاد و اتفاق کی جو کوشش کی گئی تھی اس پر پانی پھر گیا۔ اور تمام پاکستان میں پارلیمانی وفاقی طرز حکومت اور بالغ رائے دہی کی بنیاد پر آزادانہ انتخابات عمل میں آئے۔ اسے ان کا ایک کارنامہ بھی کہا جا سکتا ہے۔

اس مختصر دور میں جس تیزی کے ساتھ یہ اہم واقعات رونما ہوئے ان کا اگر بغور جائزہ لیا جائے تو یہ کہنا پڑتا ہے کہ ان میں کوئی خفیہ ہاتھ کارفرما تھا اور جنرل یحییٰ محض آلہ کار تھے۔ لیکن چونکہ وہ چیف مارشل

لاء ایڈ منسٹریٹر بھی تھے اور صدر مملکت بھی اس لئے ان سب باتوں کے ذمہ دار وہی ٹھہرتے ہیں۔ بہرحال فائدہ اٹھانے والوں نے اس کا فائدہ اٹھایا اور جنرل یحییٰ شراب و کباب میں ہی مست رہے۔

ذوالفقار علی بھٹو نے اقتدار سنبھال لیا

اسی دور میں دنیا کا یہ عجوبہ بھی رونما ہوا کہ ذوالفقار علی بھٹو جو پیپلز پارٹی کی اکثریت میں کامیابی کی وجہ سے مشرقی پاکستان کو الگ کرا کے مغربی پاکستان کے اقتدار پر قبضہ جمانے میں کامیاب ہو گئے تھے جنرل یحییٰ کی جگہ چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر بنے۔ گویا ملک کے انتظامی امور تو عارضی طور پر فوج کے ہی سپرد رہے لیکن اس کی کمان کسی فوجی جنرل کی بجائے ایک سول لیڈر کے ہاتھ میں رہی۔

مسٹر بھٹو بڑے ذہین سیاست دان تھے۔ انہوں نے فوج سے کام تو لیا لیکن رکھا اپنے زیر فرمان۔ وہ یہ خطرہ مول لینے کیلئے تیار نہ تھے کہ فوج کو حکومت کا چسکا لگے اور پھر وہ غیر معینہ مدت کیلئے عوام پر مسلط ہو جائے، اگرچہ انجام کار ہوا یہی ہے کہ جس سے بچنے کیلئے انہوں نے یہ تدبیر کی تھی اور اسے مستقبل کیلئے ایک خطرہ تصور کر کے اسے کافی حد تک غیر موثر بنا دیا تھا اسی کے ہاتھوں ان کے زوال کا عمل پورا ہوا۔

کنونشن لیگ کے بعد قیوم لیگ میں میری شمولیت

صدر ایوب کے مستعفی ہونے کے بعد کنونشن مسلم لیگ میں بھی دراڑیں پڑنی شروع ہو گئی تھیں۔ ان کے اقتدار کے آخری دنوں میں اس میں کچھ ایسے لوگ شامل ہو گئے تھے جن کی خودسری کی وجہ سے اس کا شیرازہ منتشر ہو گیا۔ میں نے بھی اس سے کنارہ کر لیا لیکن میرے علاوہ دوسرے بہت سے لوگوں کی بھی یہ خواہش تھی کہ مسلم لیگ کو قائداعظمؒ کی صحیح یادگار بنانے کیلئے کچھ کرنا چاہیے۔ ہم نے جب دیکھا کہ موجودہ کنونشن مسلم لیگ سے یہ توقعات پوری نہیں ہو سکتیں تو ہم نے مسلم لیگ کی جداگانہ تنظیم قائم کر دی۔ قیوم خاں کو اس کا صدر اور مجھے اس کا چیف آرگنائزر چنا گیا۔ ہم نے دن رات محنت کر کے اسے ملک گیر بنیادوں پر منظم کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی ممبر سازی لاکھوں تک پہنچ گئی۔

ہماری مسلم لیگ کا منشور

۱۹۷۰ء کے انتخابات ہونے والے تھے۔ تمام جماعتیں اس کی تیاریاں کر رہی تھیں۔ ہم نے بھی ۱۷ اور ۱۸ اگست ۱۹۷۰ء کو اس کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ایبٹ آباد میں منعقد کر کے انتخابی منشور منظور کیا۔ اس انتخابی منشور کی تیاری کا کام میرے سپرد تھا۔ میں نے ملکی حالات، عوام کی ضروریات اور قومی تقاضوں کو سامنے رکھ کر بڑے غور و خوض کے بعد یہ منشور تیار کیا تھا اور اس میں زراعت، صنعت، محنت، مواصلات، تجارت، تعلیم، صحت، سماجی بہبود اور دیگر متعدد پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا تھا۔ میں یہاں

اس کا ابتدائیہ درج کرتا ہوں جس کے مطالعہ سے ہمارے عزائم کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

"پاکستان ہندو اکثریت کے خلاف مسلمانان برّصغیر کی سرفروشانہ جدوجہد، متحدہ کاوش، بے مثال قربانیوں اور بابائے قوم قائداعظمؒ کی ولولہ انگیز قیادت کا مظہر ہے۔ جن کے پیچھے اسلام کا جذبہ کارفرما تھا۔ علاقائی یا لسانی نوعیت کی کوئی بات ان کے پیش نظر نہیں تھی۔ ان کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ وہ ایک ایسی سرزمین چاہتے تھے جہاں قرآن و سنت کے مطابق وہ اپنی زندگیوں کو ڈھال سکیں۔ اسوقت قوم کی منزل مقصود بھی یہی ہے جسے تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو اقتصادی، معاشرتی اور سیاسی جملہ مسائل کا حل مسلمہ عالمی اخلاق و اقدار کے مطابق پیش کرتا ہے۔

اسوقت جو مسائل درپیش ہیں وہ خدائے واحد کی تائید و رہنمائی کے بغیر حل نہیں ہوسکتے۔ اسوقت جو عناصر سرزمین وطن میں مصروف عمل ہیں وہ ہمارے ان بنیادی نظریات کے خلاف ہیں۔ ہمارے سامنے آئندہ آئین سازی کا بھی مسئلہ ہے۔ ہمارا اقتصادی و معاشرتی ڈھانچہ بھی اسلامی اصولوں کے مطابق بننا ہے۔

پاکستان مسلم لیگ ان چیلنجوں سے نمٹنے کیلئے میدان میں آئی ہے اور اس کے استحکام و سالمیت کیلئے کام کرنے کا عزم بالجزم رکھتی ہے۔

پاکستان مسلم لیگ بھرپور مساعی اور برادران وطن کی امداد و اعانت سے غیر اسلامی نظریات کے خلاف سینہ سپر ہوگی۔

پاکستان مسلم لیگ زیادہ سے زیادہ علاقائی خود مختاری مرکزی اختیارات کی تقسیم اور مضبوط مرکز کیلئے کوشش کرے گی۔

مرکزی اختیارات مندرجہ ذیل ہوں گے۔

۱۔ مالیات (جمع کرنسی)

۲۔ امور خارجہ اور خارجہ تجارت

۳۔ دفاع

۴۔ مواصلات (ریلوے کے علاوہ)

پاکستان مسلم لیگ، مشرقی پاکستان اور دوسرے کم ترقی یافتہ علاقوں کو ترقیاتی فنڈ مراعات کی بنیاد پر فراہم کرانے کی اور دیگر حقوق کے تحفظ کی ضمانت دیتی ہے۔

پاکستان مسلم لیگ حقیقی جمہوری آئین دے گی اور ایسے تحفظات فراہم کرے گی کہ شہری آزادی اور مساوات پر کسی قسم کی زد نہ پڑ سکے۔

جب اور جس وقت ضرورت پیش آئے گی جدا گانہ انتظامی صوبے بنائے جائیں گے۔ خاص طور پر شمالی بنگال اور دوسرے حصوں میں۔

بہاولپور مسلم لیگ کا منشور

پاکستان مسلم لیگ قانون سازی اور ملازمتوں کے معاملے میں مشرقی پاکستان اور دیگر کم ترقی یافتہ علاقوں کو آبادی کی بنیاد پر مکمل نمائندگی کی ضمانت دیتی ہے۔

پاکستان مسلم لیگ مشرقی پاکستان کو دفاع کے معاملے میں خود کفیل بنانے کی حقیقت پسندانہ کوشش کرے گی۔ اس سلسلے میں مشرقی پاکستان کو خصوصی مراعات دی جائیں گی۔

پاکستان مسلم لیگ ملک سے غربت کے خاتمہ کی کوشش کرے گی اور دولت کا ارتکاز چند ہاتھوں تک رکھنے کی اجازت نہیں دے گی۔

پاکستان مسلم لیگ اس امر کو بھی یقینی بنائے گی کہ پاکستان کا کوئی شہری بنیادی سہولتوں سے محروم نہ ہو۔ خاص طور پر ضروریات زندگی، کپڑا، مکان اور تعلیمی اور طبی سہولتیں۔

ون یونٹ کے بعد بہاولپور کی بحالی کی تحریک

انتخابی سرگرمیوں سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ون یونٹ ٹوٹنے اور پرانے صوبے بحال ہونے کی وجہ سے جو حالات پیدا ہوئے تھے مختصراً یہاں ان کا بھی تجزیہ کر دیا جائے۔

اس سلسلے میں بہاولپور سیاسی اعتبار سے خاصا سرگرم تھا۔ وہاں کی مقامی آبادی کی مرضی کے خلاف اس کی سابقہ حیثیت بحال ہونے کے بجائے اسے پنجاب میں ضم کر دیا گیا تھا جس کے خلاف وہ جذباتی انداز میں مظاہرہ کر رہے تھے۔ اس صورت حالات سے فائدہ اٹھا کر وہاں بعض سیاست دانوں نے مختلف سیاسی پارٹیوں کے ارکان پر مشتمل ایک متحدہ محاذ بنا کر ادغام کے فیصلے کو کالعدم قرار دلانے کیلئے تحریک شروع کر رکھی تھی۔ اس تحریک کو ریاستی آبادی کے اکثر حلقوں کی حمایت حاصل ہو گئی تھی۔ لیکن اس کا مرکز شہر بہاولپور تھا۔

کچھ لوگوں نے اس تحریک کے حق میں میری حمایت حاصل کرنے کی بھی کوشش کی۔ لیکن میں سیاسی فیصلے جذبات کی رو میں بہہ کر کبھی نہیں کیا کرتا اس لئے میں نے ان کی حوصلہ افزائی کرنے کی بجائے مسئلے کے تمام پہلوؤں پر غور کرنے کا مشورہ دیا۔ لیکن وہ ایسا کیوں کرتے انہیں تو قسمت سے ایسا موقع ہاتھ آیا تھا جس کا وہ سیاسی فائدہ اٹھا سکتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے آئندہ انتخابات میں بہاولپور کی بحالی کے مطالبے کو الیکشن سٹنٹ کے طور پر استعمال کیا اور اس طرح وہ قومی و صوبائی اسمبلی کی کچھ نشستیں حاصل کرنے میں کامیاب بھی ہو گئے، جو ان کا اصل مقصد تھا۔ ورنہ انہیں بہاولپور کی بطور صوبہ بحالی سے کوئی دلچسپی تھی نہ بہاولپور کے عوام کی فلاح و بہبود ان کے مدّنظر تھی۔ چنانچہ قومی یا صوبائی اسمبلی کے ممبر بننے کے بعد وہ اپنے مفادات کے پیچھے لگ گئے اور صوبائی یا مرکزی سطح پر ایک بار بھی کوئی آواز نہیں اٹھائی۔ بلکہ کئی صاحبان تو اپنے موٴقف سے انحراف کر کے پیپلز پارٹی میں شامل ہو گئے اور اس بے وفائی کے صلے میں وزارت سے نوازے گئے۔

ان انتخابات میں قومی و صوبائی اسمبلیوں کی نشستوں کیلئے میں بھی پاکستان مسلم لیگ کے ٹکٹ پر کھڑا ہوا تھا۔ اگر یہ پُرفریب تحریک لوگوں کے دلوں میں گھر نہ کر گئی ہوتی تو میں بغیر جدوجہد کے بھی جس حلقے سے چاہتا کامیاب ہو جاتا۔ لیکن مجھ پر پاکستان مسلم لیگ کی طرف سے پورے پاکستان کی انتخابی مہم کی ذمہ داری سپرد تھی۔ مجھے مختلف امیدواروں کی امداد کیلئے بار بار ان کے حلقوں کا دورہ کرنا پڑتا تھا۔ اور میں اپنے حلقوں پر کوئی توجہ نہ دے سکا تھا۔ جس کی وجہ سے قومی اسمبلی کی نشست تو میرے ہاتھ سے نکل گئی لیکن صوبائی اسمبلی کی نشست سے میں پھر بھی کامیاب ہو گیا۔

اس تحریک سے میری عدم دلچسپی کا سبب

خیر یہ تو ایک ضمنی بات تھی میں بتانا یہ چاہتا ہوں کہ میں نے بہاولپور کے بطور صوبہ بحال کرانے کی اس نام نہاد تحریک میں حصہ کیوں نہ لیا۔ میرے مخالفین تو اس سلسلے میں مجھ پر غداری تک کا الزام عائد کرتے ہیں، حالانکہ ان سے زیادہ کوئی اور یہ بات نہیں جانتا کہ مجھے بہاولپور سے کتنی محبت ہے۔ بہاولپور میرا بھی وطن ہے۔ یہیں میری سیاست پروان چڑھی ہے اور اس کی ترقی و بہبود کیلئے میں نے خون پسینہ ایک کیا ہے۔ اس کی بطور صوبہ بحالی کی صورت میں بھی یہی امکان غالب تھا کہ اس کی قیادت کیلئے کسی دوسرے کے مقابلے میں یہاں کے لوگ مجھی کو منتخب کرتے۔ لیکن اس کے باوجود میں نے بحالی صوبہ کی تحریک میں جو حصہ نہ لیا اس کا سبب یہ تھا کہ قانونی و اخلاقی طور پر میرے نزدیک اس کا کوئی جواز نہ تھا۔ تاہم میں نے اس سلسلے میں کسی نتیجے پر پہنچنے سے پہلے اس کے قانونی پہلو کو سمجھنے کیلئے کسی اور سے گفتگو کرنے کے بجائے خود نواب بہاولپور الحاج محمد عباس عباسی سے رابطہ قائم کیا جنھوں نے ازراہ مہربانی اس معاہدے کی نقل مجھے بھجوادی جو مرحوم نواب سر صادق محمد خاں امیر بہاولپور اور حکومت پاکستان کے درمیان ۱۹۵۳ء میں ہوا تھا

اور جس کے نتیجے میں ریاست بہاولپور کو ختم کر کے ون یونٹ میں ضم کر دیا گیا تھا۔ اس سلسلے میں موجودہ امیر بہاولپور الحاج محمد عباس عباسی سے میری خط و کتابت کی نقول اور اس معاہدے کی عبارت کا ترجمہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔ تاکہ اس کا مطالعہ کرنے کے بعد بحالی صوبہ کے نام نہاد حامیوں کے مؤقف کا اندازہ کیا جا سکے۔

موجودہ امیر بہاولپور کا خط میرے نام

صادق گڑھ پیلس
۲۲ر جولائی ۶۹ء
پیارے بھائی!

آپ کے ٹیلیفون کے جواب میں آپ کو وہ دستاویز بھیج رہا ہوں جو آپ نے مانگی ہے (یعنی سابقہ ریاست کے ادغام کی دستاویز) چونکہ یہاں متعلقہ دستاویز کی فوٹو سٹیٹ کاپیاں تیار کرنے کی سہولتیں موجود نہیں ہیں، لہٰذا میں دستاویز کی ٹائپ شدہ نقل ارسال کر رہا ہوں اور مجھے امید ہے کہ وہ مقصد جس کیلئے آپ کو یہ درکار ہے پورا ہو سکے گا۔

احترام اور دعاؤں کے ساتھ، آپ کا مخلص
دستخط (محمد عباس خاں عباسی)
امیر بہاولپور

میرا خط امیر بہاولپور کے نام

۲۴ر جولائی ۱۹۶۹ء
محبّی!

ریاست کے ادغام کے معاہدے کی دستاویز فوراً ارسال کرنے کیلئے ممنون ہوں۔ میرا خیال یہ تھا کہ ادغام کے معاہدے میں شاید ایسی شق بھی ہوگی کہ اگر کبھی وحدت مغربی پاکستان کو توڑ دیا گیا تو ریاست بہاولپور کی سابقہ خود مختار حیثیت بحال کر دی جائے گی۔ لیکن بد نصیبی سے مجھے مجوزہ آئین کے سلسلے میں اپنے مسوّدے میں تصحیح کرنی پڑی۔ کیونکہ ادغام کے معاہدے میں کوئی ایسی شق موجود نہیں۔ کاش کہ مرحوم امیر بہاولپور نے مجھے اپنے اعتماد میں لیکر مجھ سے مشورہ کر لیا ہوتا۔

اب صورت حال اس لئے مشکل ہو گئی ہے کہ اسوقت جب کہ یہ

مطالبہ زوروں پر ہے کہ باقی ماندہ ریاستوں کو بھی مدغم کر دیا جائے سندھ اور
بلوچستان کے صوبوں کی طرح بہاولپور کی ریاست کو بھی بحیثیت صوبہ بحال
کرنے کا مطالبہ نہیں کیا جاسکے گا۔ اس کا مطلب صاف یہ ہے کہ اگر وحدت
مغربی پاکستان (ون یونٹ) کو توڑ دیا گیا تو ریاست بہاولپور پنجاب میں شامل
کر دی جائے گی اور اس کے متعلق ہمیں کافی سوچ بچار کرنا ہو گا۔ میں ان
سیاسی مسائل پر آپ کے ساتھ آپ کے کراچی تشریف لانے پر تفصیلی بات
چیت کروں گا۔

مجھے امید ہے کہ آپ ہر طرح بخیر و عافیت ہیں! عقیدت کیش

حسن محمود

بہاولپور کے ادغام کا معاہدہ

"یہ معاہدہ آج ۱۷ر دسمبر ۱۹۵۳ء کو گورنر جنرل آف پاکستان اور ہز ہائی نس امیر بہاولپور کے
مابین ہوا۔

"ہر گاہ ریاست بہاولپور اور قلمرو کے پاکستان کے بہترین مفادات کا تقاضا یہ ہے کہ ریاست کے
علاقے پاکستان میں شامل ہو جائیں اور اس طرح سے ریاست کا ادغام مجوزہ یونٹ (ون یونٹ) میں کر دیا
جائے جس کا نام وحدت مغربی پاکستان تجویز کیا گیا ہے۔

آرٹیکل نمبر ۱

"ہز ہائی نس امیر بہاولپور اس دستاویز کے ذریعہ اپنی خود مختاری اپنے تمام حقوق اور اختیارات
بحیثیت حکمران ریاست بہاولپور اور ریاست کے تمام علاقے ان پر تمام اختیارات اور ریاست پر حکمرانی
کے حقوق قلمروئے پاکستان کو منتقل کرتے ہیں ریاست اور اس کے تمام علاقوں پر آئندہ ہر طرح کے
اختیارات اس تاریخ سے قلمروئے پاکستان کو حاصل ہوں گے جس کا تعین گورنر جنرل کریں گے اور اسے
مخصوص دن کہا جائے گا۔

آرٹیکل نمبر ۲

"ہز ہائی نس امیر بہاولپور اپنی جیب خاص کیلئے حکومت پاکستان سے سالانہ ۳۲ لاکھ روپے وصول
کرنے کے حق دار ہوں گے اور اس وظیفے پر ہر طرح کے ٹیکس معاف ہوں گے۔
یہ وظیفہ ہر طرح کے اخراجات کیلئے ہے۔

(دستخط)
ایس ایم عباسی (خامس)

بہاولپور کی بحالی کی تحریک ایک سٹنٹ تھا

یہ ہے سابق ریاست بہاولپور کو صوبے کی حیثیت سے بحال کر دینے کے مطالبے میں میرے ہمنوا نہ ہونے کا سبب‘ لیکن اس سے یہ بھی اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ ان دستاویزات کی موجودگی میں نام نہاد متحدہ محاذ بہاولپور کی تحریک ایک ڈھونگ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ واقعہ یہ تھا کہ بہاولپور کے چند خود ساختہ لیڈروں نے اسے انتخابی اسٹنٹ کے طور پر استعمال کر کے عوام کو گمراہ کیا تھا اور ناحق آبادی کے مختلف طبقات میں غلط قسم کے احساسات پیدا کئے تھے۔ سب کو معلوم ہے کہ ریاست کی آبادی میں ایک اہم حصہ پنجابی آباد کاروں کا ہے۔ اس کے علاوہ مشرقی پنجاب کے مہاجرین کی تعداد بھی کچھ کم نہیں۔

ان سیاسی موقع شناسوں نے ریاست کی پرانی آبادی کے علاوہ باقی طبقات آبادی کو اپنے ساتھ شامل کرنے کی قطعاً ضرورت محسوس نہیں کی۔ ویسے بھی چونکہ ان کے مطالبے میں پنجاب سے نفرت بنیادی عنصر کے طور پر شامل کیا گیا تھا اس لئے وہ ان کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے بجائے ان سے ایک طرح کی دشمنی کر کے فضا کو مکدر کرنے کا موجب بن رہے تھے۔

میں نے اپنے دور اقتدار میں سابق ریاست بہاولپور کی آبادی میں کسی قسم کی تفریق روا نہیں رکھی تھی۔ میں ریاست پر جتنا پرانے ریاستیوں کا حق سمجھتا تھا اتنا ہی آباد کاروں اور مہاجرین کا بھی حق سمجھتا تھا۔ چنانچہ میں نے ہی ریاستی آبادی کو جو کسی زمانے میں اُ ب اور ج کے خانوں میں تقسیم کر دی گئی تھی ختم کر کے ایک خوشگوار فضا پیدا کی تھی۔ اب آبادی کے کسی حصے کے جذبات و احساسات کو یکسر نظر انداز کر کے صرف پرانی آبادی کے مفاد کیلئے سرگرم عمل ہو جانا کم از کم میرے نزدیک درست نہیں تھا۔ انہیں چاہئے تھا کہ یہ بلا استثنا اپنے مطالبے کی تائید سب سے کراتے اور سب متفقہ طور پر بہاولپور کو علیحدہ صوبے کے طور پر بحال کرانے میں ہم آواز ہوتے۔ لیکن یہ شاید جو سیاسی کھیل کھیلنا چاہتے تھے اس سے یہ مطابقت نہیں رکھتا تھا چنانچہ انہوں نے نہ صرف یہ کہ ان کی حمایت ضروری نہیں سمجھی بلکہ اس کے خلاف محاذ آرائی کی صورت پیدا کر کے محبت و مودت کے رشتوں کو جو برس ہا برس کی افہام و تفہیم کے بعد قائم ہوئے تھے ایک آن میں توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔

میں کہتا ہوں کہ اگر اس تمام خرابی کے بعد یہ ریاستی آبادی کی ترقی و بہبود کیلئے کچھ کر دکھاتے تو بھی کوئی بات تھی۔ لیکن واقعہ تو یہ ہے کہ پنجاب کے خلاف منافرت کے جو بیج انہوں نے محض ایک وقتی فائدے کیلئے بوئے تھے وہ اب ایک تناور شجر بن گیا ہے اور اس کے برگ و بار اتنے پھیل گئے ہیں کہ ان کی خوشبو دور دور سے سونگھی جا سکتی ہے۔ بہرحال اگر اس کو کوئی خدمت کہا جا سکتا ہے تو ان کی یہ بہت بڑی

خدمت ہے کہ انہوں نے پنجاب کو جس پر ان کے مستقبل کی ترقی و خوشحالی کا دار و مدار ہے اپنا مستقل دشمن بنالیا ہے۔

بہاولپور کے متعلق مسلم لیگ کا مؤقف

میں نے انتخابی مہم کے دوران پاکستان مسلم لیگ کی طرف سے یہ واضح اعلان کیا تھا کہ

"یہ حقیقت واضح ہو چکی ہے کہ سابق ریاست بہاولپور کا صوبہ پنجاب میں ادغام ناگزیر ہے اور حکومت اپنے فیصلے میں کوئی تبدیلی نہیں کرے گی۔ لہٰذا میں اپنے بہاولپوری بھائیوں سے التماس کرتا ہوں کہ وہ خود غرضانہ اور جذباتی نعروں کے مزید فریب میں نہ آئیں۔ اور صرف ان لوگوں پر اعتماد کریں جو ہمیشہ ان کی بے لوث خدمات سرانجام دیتے رہے ہیں۔

پاکستان مسلم لیگ اہالیان بہاولپور کی پوزیشن سے پوری طرح واقف ہے اور اس کے منشور اور اغراض و مقاصد میں بہاولپور کے باشندوں کی فلاح و بہبود کو اسی قدر اہمیت دی گئی ہے جتنی دیگر پاکستانیوں کو حاصل ہے۔ میں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ ہم حسب ذیل امور کیلئے اپنی بھرپور جدوجہد جاری رکھیں گے۔

☆...... گذشتہ ۱۵ برس میں تعمیری و ترقیاتی سکیموں کی مد میں بہاولپور کے علاقے کو جو رقوم نہیں ملیں ان کی یکمشت یا قسط وار ادائیگی۔

☆...... سابقہ ریاست کی باقی ماندہ سرکاری اراضی نیلام کرنے کے بجائے آباد کاری سکیم کے تحت بہاولپور کے مقامی آباد کاروں اور مہاجرین میں اس کی تقسیم۔

☆...... ون یونٹ سے قبل وضع شدہ سکیمیں جو تشنۂ تکمیل تھیں ان پر عمل در آمد۔

☆...... سابق ریاست میں صنعتی پس ماندگی دور کر کے زیادہ سے زیادہ بڑی اور چھوٹی صنعتوں کا قیام۔

☆...... اس علاقے کے اعلیٰ و ادنیٰ سرکاری ملازموں کے حقوق کا تحفظ۔

☆...... فنی، تکنیکی، طبی اور دیگر تعلیمی شعبوں میں ریاستی طلبہ کو زیادہ سے زیادہ حقوق و مراعات۔

☆...... بہاولپور کے عوام کے معیار زندگی کو پنجاب کے عوام کے معیار زندگی پر لانا۔

☆...... عدل وانصاف کیلئے بہاولپور کے عوام کو قریب تر ذرائع مہیا کرنا۔

☆...... موجودہ اور آئندہ قابل کاشت بنجر اراضی کیلئے نہری پانی کی ترسیل کا بہتر اور تسلی بخش انتظام۔

☆...... عوام کی سہولت اور بہتر کارکردگی کیلئے ضروری محکموں کے علاقائی دفاتر کا قیام۔

☆...... ایسے انتظام جن سے روزگار' اجرتوں اور ضروریات زندگی کی زیادہ سے زیادہ سہولتیں میسر ہوں۔

یہ ہمارے عزائم ہیں اور ہم بہاولپور کے باشندوں سے وعدہ کرتے ہیں کہ ہم ان کی تکمیل کیلئے اپنی تمام تر مساعی کو بروئے کار لائیں گے۔ "

میں بہاولپور کی خدمت سے کبھی غافل نہیں رہا

میرے یہ وعدے انتخابی وعدے نہیں تھے۔ بلکہ ان پر میں آج تک قائم ہوں اور انہیں حتی الامکان نبھانے کی کوشش کرتا ہوں۔ بہاولپور کے مذکورہ بالا خود ساختہ لیڈروں نے تو صورت حالات خراب کی تھی لیکن میں اس کے باوجود بہاولپور کیلئے ان لوگوں سے کام لیتا رہا جنھیں انہوں نے بہاولپور کا مخالف بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ میں اب اگرچہ صرف صوبائی اسمبلی کا رکن تھا لیکن اس حقیقت کا میں نے بھرپور استعمال کیا۔ عمائدین حکومت سے ہمیشہ رابطہ قائم رکھا۔ اگر ملاقات نہ کر سکا تو تحریری طور پر بہاولپور کے مسائل پر توجہ دلا کر ان کی ہمدردیاں حاصل کرتا رہا۔ یوں تو ایسی خط و کتابت بے حدو حساب ہے لیکن یہاں میں مشتے نمونہ از خروارے ایک خط کا اردو ترجمہ درج کرتا ہوں جو میں نے ۱۰ جون ۱۹۷۱ء کو گورنر پنجاب لفٹیننٹ جنرل عتیق الرحمٰن کو لکھا تھا۔

۱۰ جون ۱۹۷۱ء

مجی جنرل عتیق الرحمٰن صاحب

میں مختلف مواقع پر ترقیات' ملازمتوں اور تعلیمی سہولتوں کے سلسلے میں باشندگان بہاولپور کے حقوق کے تحفظ کے سلسلے میں آپ سے درخواست کرتا رہا ہوں' اور میں نے ہمیشہ اس سلسلے میں آپ کا رویہ ہمدردانہ پایا ہے۔ آپ نے ازراہ مہربانی پانی کی تقسیم کے مسئلے پر موثر قدم اٹھایا ہے جس سے یہ توقع ہو

گئی ہے کہ اس کا نتیجہ خاطر خواہ بر آمد ہو گا۔

آپ نے بہاولپور کے لئے میڈیکل کالج کے قیام کی منظوری دے کر مزید کرم فرمائی کا ثبوت دیا ہے۔ آپ کی یہ سرپرستی ان شبہات کو دور کرنے میں کافی مددگار ہو گی۔ پنجاب میں ادغام کی وجہ سے اپنی محرومیوں کے متعلق ان کے دل میں پیدا ہو گئے ہیں۔ اگر چند مزید باتیں جو نہایت ضروری ہیں آپ توجہ فرمائیں تو یقیناً اس سے ایک خوشگوار اور قابل اعتماد فضا پیدا ہو گی۔ میں ایک ہفتے تک نیویارک جا رہا ہوں جہاں میرے گلے کا آپریشن ہونا ہے۔ مجھے وہاں چند مہینے لگ جائیں گے۔

مجھے امید ہے کہ اس دوران ہائی کورٹ میں کچھ آسامیاں نکل آئیں گی۔ آپ کو معلوم ہے کہ بہاولپور کا اپنا ہائی کورٹ تھا اور چیف جسٹس کے علاوہ ہائی کورٹ کے دو مزید جج تھے۔

تعلیم یافتہ شہری جن میں بار کے ممبر بھی شامل ہیں رائے عامہ کو بہت متاثر کرتے ہیں اگر اس موقع پر کسی ایسے شخص کا ہائی کورٹ کی آسامی پر تقرر ہو جائے جو بہاولپور کا رہنے والا ہو تو یہ اقدام باشندگان بہاولپور کی خوشنودی کا موجب ہو گا۔ میں اس موقع پر اسسٹنٹ ایڈووکیٹ جنرل کی تقرری کے سلسلے میں اپنی درخواست کے متعلق بھی آپ کو یاددہانی کرانی چاہتا ہوں۔ اگرچہ میں بہاولپوری اور غیر بہاولپوری کی تفریق کا حامی نہیں لیکن یہ واقعہ ہے کہ بہاولپور کے پرانے باشندوں کو اکثر معاملات میں نظر انداز کیا گیا ہے۔ اور بہاولپور کیلئے جو کوٹہ مقرر تھا اس کا فائدہ زیادہ تر بہاولپور کے نئے باشندوں نے اٹھایا ہے جو بطور آباد کار یہاں آئے یا بار میں محض وکالت کی غرض سے آکر شامل ہو گئے۔ اس پر قدیم باشندگان بہاولپور کا گلہ مند ہونا بے جا نہیں۔

مجھے امید ہے کہ اس نکتے کو آپ نظر انداز نہیں کریں گے۔ میں پاکستان کے وسیع تر مفاد میں یہ درخواست کر رہا ہوں اور پر امید ہوں کہ جس طرح آپ بہاولپور کے مسائل پر ہمدردانہ توجہ فرماتے رہے ہیں اس طرح اس مسئلے کو بھی اس ہمدردانہ جذبے سے حل کریں گے۔ میری درخواست ہے کہ ہائی کورٹ بنچ کی کم از کم ایک نشست باشندگان بہاولپور میں سے کسی

وکالت کرنے والے وکیل کو دی جائے جس کیلئے صرف میں ہی نہیں تمام بہاولپوری عوام آپ کے ممنون ہوں گے۔

احترامات کے ساتھ

آپ کا مخلص، سید حسن محمود

لفٹیننٹ جنرل عتیق الرحمٰن صاحب

گورنر پنجاب۔ لاہور

چنانچہ اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ کئی بہاولپوری وکلاء کو ہائی کورٹ کی ججی ملی اور دیگر ملازمتوں میں بھی بہاولپوری باشندوں کو مواقع دیئے گئے۔

سندھیوں اور غیر سندھیوں کو متحد رکھنے کیلئے اسلامی محاذ کا قیام

میں نے مسلم لیگ کو جسے اب لوگ قیوم لیگ کہنے لگے تھے فعال رکھنے کی کوشش کی۔ کراچی میں سندھی اور غیر سندھیوں میں محاذ آرائی کی صورت پیدا ہوئی تو میں نے جمعیت علمائے پاکستان کے اشتراک سے کام کرنے کا منصوبہ بنایا تاکہ سندھیوں اور غیر سندھیوں کے درمیان جو خلیج حائل ہو رہی ہے اسے پاٹا جاسکے۔ اس غرض کیلئے اپریل ۱۹۷۲ء کو ایک محاذ قائم کیا گیا جس کا نام سندھ اسلامی محاذ تجویز ہوا سید مردان شاہ پیر صاحب پگاڑا کو محاذ کا صدر اور مولانا شاہ احمد نورانی صدر جمعیت علمائے پاکستان کو سیکرٹری چنا گیا پیر صاحب کی عملی سیاست میں حصہ لینے کی یہ ابتدا تھی۔ اس کے بعد اپنی اہم شخصیت کی وجہ سے انہوں نے پاکستان کی سیاست میں بہت جلد اہم مقام حاصل کر لیا۔ اس محاذ کا اصل مقصد پاکستان اور نظریہ پاکستان کا تحفظ تھا اور یہ طے پایا تھا کہ یہ محاذ سندھ اسمبلی اور اس سے باہر سیاسی پلیٹ فارم کو اپنی سرگرمیوں کیلئے استعمال کرے گا۔ اسمبلی میں پارٹی لیڈر کے فرائض جمعیت کا نمائندہ ادا کرے گا اور ڈپٹی لیڈر کو پیر صاحب پگاڑا نامزد کریں گے۔ محاذ کے دیگر مقاصد میں مندرجہ ذیل امور شامل تھے۔

۱۔ محاذ ملکی قوانین کو قرآن وسنت کے مطابق ڈھالنے کیلئے ممکنہ مساعی بروئے کار لائے گا۔

۲۔ قرآن اور سنت کی تشریح و توضیح وہی قابل قبول ہو گی جو جمعیت پیش کرے گی۔ دوسرے فرقوں کی طرف سے جسے شیعہ اثناعشری ان کی پیش کردہ تشریحات کو ان کی حد تک تسلیم کیا جائے گا۔

۳۔ پرانے اور نئے سندھیوں میں منافرت کی خلیج پاٹی جائے گی اور اسلامی اخوت اور بھائی چارہ کا ماحول پیدا کیا جائے گا۔ اور ان کے معاشی و معاشرتی مسائل کو باہم افہام و تفہیم سے حل کرانے کی کوشش کی جائے گی۔

۴۔ محاذ اسمبلی کے اندر اور باہر ایک صحیح حزب اختلاف کا کردار ادا کرے گا۔ لیکن اسلام اور ملک کا مفاد بہر قیمت پیش نظر رہے گا۔

۵۔ اگر کسی مسئلے پر اختلاف پیدا ہوا تو اسے ان حضرات کے سامنے پیش کیا جائے گا جنھوں نے اس معاہدے پر دستخط کئے ہیں۔

اس معاہدے پر دستخط کرنے والوں میں میرے علاوہ پیر صاحب پگاڑا، مولانا شاہ احمد نورانی شامل تھے۔ ہم نے اسلامی اقتصادیات کے سلسلے میں ۱۱۸ علماء کے مشورے سے قانون سازی کیلئے مندرجہ رہنما اصول پیش کئے۔

۱۔ سود اور جوا بند کیا جائے۔ بینکاری منافع میں شراکت کی بنیاد پر ہو۔

۲۔ بیمہ ایک طرح کا جوا ہے۔ اسی طرح معموں پر انعامات لاٹریاں اور مختلف تفریحات کے سلسلے میں رسمی ٹکٹ غیر اسلامی ہیں۔ بیمہ کے نئے نظام کیلئے امداد باہمی کے اصول پر ایسوسی ایشنیں قائم کی جائیں۔

۳۔ قیاس آرائیاں بالکل بند کر دی جائیں۔ اس سے قیمتوں کو معمول پر رکھنے میں مدد ملے گی، اور سرمایہ دار کو جو منافع حاصل ہو گا اس کا فائدہ غریبوں کو پہنچے گا۔

۴۔ لائیسنس اور پرمٹ کے طریقے کو بدلنا ہو گا۔ عام آدمی کیلئے آزادانہ تجارت کے مواقع حاصل ہوں۔

۵۔ ذخیرہ اندوزی، چور بازاری اور نفع خوری کی سخت سزائیں مقرر ہوں۔

۶۔ صنعتی اجارہ داری کا خاتمہ ہونا چاہیے۔

۷۔ سرکاری ملازمین کے غیر منصفانہ تنخواہوں کے سکیل پر نظر ثانی کی جائے۔

یہ محاذ کافی مؤثر ثابت ہوا اور اس نے پرانے اور نئے سندھیوں میں مفاہمت اور اخوت کا جذبہ پیدا کرنے میں بھرپور اور کامیاب مساعی کیں۔

حصول اراضی برائے مکانات کا مسودہ قانون

میں نے رکن پنجاب اسمبلی کے طور پر کبھی اپنی ذمہ داریوں سے غفلت نہیں برتی۔ چنانچہ جب اسمبلی میں مسودہ قانون حصول اراضی برائے مکانات مصدرہ ۱۹۷۳ء پیش ہوا تو میں نے اس پر بھرپور تقریر کی اور قرآن و سنت کی روشنی میں اس کی مخالفت کی اور اسے خلاف شرع و سنت قرار دیا۔ میں نے

اس بل کی مختلف دفعات سے یہ ثابت کیا کہ یہ ناقابل عمل بھی ہے اور اسلام کی روح کے منافی بھی ہے۔ باوجودیکہ میں حزب اقتدار سے تعلق رکھتا تھا لیکن میں نے اسلام سے سرمو انحراف نہیں کیا اور دلائل و براہین سے اس کی مخالفت کی جس پر قائد حزب اقتدار نے بھی میری کوششوں کو سراہا۔

مثلاً میں نے معاوضے کی ادائیگی کے سلسلے میں کہا تھا کہ :

"اڑھائی ہزار روپیہ فی کنال کیسے منصفانہ معاوضہ ہو سکتا ہے۔ قانون اور عام اصولوں پر بحث کرتے وقت میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کروں گا کہ اکثریت پانچ سے دس یا دس بیس مرلہ کی مالک ہے۔ ان کی جائیداد کی قیمت دو لاکھ روپے سے کم نہیں اور آپ بیس ہزار روپیہ میں اس جائیداد کو جبری طور اس سے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ کو انصاف کرنا مطلوب ہے تو آپ عدلیہ کا دخل اس سے کیوں ہٹا رہے ہیں۔ مالکان کو عدالتی انصاف سے محروم کر رہے ہیں آپ لوگوں کی فریاد انہیں کیوں نہیں سننے دیتے۔ جناب والا جو بھی معاوضہ مقرر ہو گا نقد اس کا صرف دسواں حصہ ملے گا۔ باقی معاوضہ بیس سالوں میں بانڈز کی صورت میں دیا جائے گا۔ امید ہے کہ آپ میری اس بات کو بار خاطر نہ سمجھیں گے۔ آپ دو ہزار افراد کی جائیداد کو خواہ ان کی قیمت کچھ ہی ہو صرف دو ہزار میں لینا چاہتے ہیں اور بدل وصول بھی ان کو بیس سال میں ملے گا یہ بھی قابل غور ہے کہ خواہ یہ جائیداد لاہور کے گردونواح میں ہو یا منٹگمری (ساہیوال) اور سرگودھا کے مضافات میں، اس کی قیمت میں کچھ فرق نہیں آئے گا۔ یہ فعل ناانصافی پر مبنی ہو گا"۔

اس طرح مہاجرین کی زمینوں کے سلسلے میں جو تفریق رکھی گئی تھی اس کی بھی میں نے مخالفت کی تھی اور کہا تھا کہ مہاجر اور مقامی تفریق ختم ہونی چاہئے۔ یہ پاکستان کے نام پر اپنا گھر بار چھوڑ کر آئے ہیں۔ عزت و ناموس کو وطن پر قربان کیا ہے۔ آپ ان کی زمینوں کا معاوضہ دس فیصد دینا چاہتے ہیں جو ان کے ساتھ زیادتی اور ناانصافی کے مترادف ہے۔

مسٹر بھٹو کے متعلق میری رائے

یہاں میں مختصر طور پر مسٹر بھٹو کے دور وزارت کے متعلق بھی کچھ باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں جو میرے مشاہدے اور تجربے پر مشتمل ہیں۔ میری رائے میں مسٹر بھٹو ضرورت سے زیادہ ذہین، خود پسند

اور موقع شناس تھے۔ ساتھ ہی انہیں یہ خوش فہمی بھی تھی کہ پاکستان میں ان سے زیادہ سوجھ بوجھ کا کوئی سیاست دان نہیں۔

پاکستان کی سیاست پر جس انداز سے وہ یکایک چھا گئے تھے اس نے انہیں اور بھی زیادہ خوش فہمی کا شکار بنادیا تھا۔ اس حد تک تو میں ان کی ذہانت کو مانتا ہوں کہ وہ سکندر مرزا پر ڈورے ڈالنے میں کامیاب ہو گئے تھے اور سکندر مرزا کے ہی ذریعہ انہیں صدر ایُوب کی بارگاہ میں بھی رسائی ہو گئی تھی۔ صدر ایوب نے شروع شروع میں جس قوت کا مظاہرہ کیا تھا اس میں کسی کا ان کے قریب رہنا اسوقت تک ممکن نہیں تھا جب تک وہ اطاعت ووفاشعاری کا اس حد تک ثبوت نہ دے کہ اپنی فطری اور ذاتی صلاحیتوں کو بھی صدر کی رہین منت قرار دے۔ وہ کسی ایسے آدمی کو برداشت نہیں کرتے تھے جو دُون کی لے اور یہ سمجھے کہ جو منصب حکومت میں اسے حاصل ہے اس میں اس کی لیاقت کا کوئی دخل ہے۔ چنانچہ اس دور عروج میں مسٹر بھٹو بالکل بھیگی بلی بنے صدر ایوب کے ساتھ رہے۔ بعض روایات تو یہاں تک سننے میں آئی ہیں کہ وہ صدر ایوب کو ڈیڈی کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ ان باتوں سے خوش ہو کر صدر ایوب نے انہیں وزارت خارجہ کا قلمدان سپرد کیا۔

وزارت خارجہ کے طور پر مسٹر بھٹو نے پاکستان کی تو کوئی خاص خدمت کی نہیں البتہ انہیں اپنی امنگوں کو پروان چڑھانے کا ضرور موقع ملا۔ اس حیثیت میں انہوں نے بیرونی طاقتوں سے ذاتی روابط بڑھائے۔ امریکہ کا اعتماد حاصل کیا اور اپنے مستقبل کی منصوبہ بندی کی۔ صدر ایوب کے آخری دنوں میں جب ان کے اقتدار کی گرفت بھی ڈھیلی پڑنی شروع ہو گئی تھی وہ امریکہ کو یہ یقین دلانے میں کامیاب ہو گئے کہ اگر پاکستان کا اقتدار ان کے ہاتھ میں آ گیا تو وہ امریکہ کے زیادہ بااعتماد دوست ثابت ہوں گے۔ چنانچہ اس راہ کو ہموار کرنے کیلئے انہوں نے صدر ایوب کی مخالفت سے اس کا آغاز کیا۔

صدر ایوب کے دور میں پاک بھارت جنگ نے پاکستان کو جو کامیابی عطا کی تھی اور جنگ بندی کے سلسلے میں جو معاہدہ صلح تاشقند میں ہوا تھا اسے صدر ایوب کی سیاسی شکست سے تعبیر کر کے مسٹر بھٹو نے واویلا شروع کر دیا اور لوگوں کو یہ تاثر دیا کہ انہیں اس معاہدے کے اصل راز کا پتہ ہے جو وہ کسی موقع پر بتائیں گے۔ حالانکہ اگر اس معاہدے میں کوئی خرابی تھی تو اس کی ذمہ داری مساوی طور پر خود مسٹر بھٹو پر بھی عائد ہوتی تھی کیونکہ وزیر خارجہ کی حیثیت سے تاشقند کے مذاکرات میں شرکت کیلئے وہ بھی صدر ایوب کے ساتھ گئے تھے۔ لیکن جونہی صدر ایوب کی ہوا اکھڑی وہ بھی ان سے فرنٹ ہو گئے۔ اور جھٹ انہوں نے اپنی سیاسی جماعت پیپلز پارٹی کے نام سے بناڈالی۔

پیپلز پارٹی کو منظم کرنے کیلئے انہوں نے بعض ذرائع سے رقوم حاصل کیں۔ مثلاً علوی برادران آف سٹینڈرڈ بنک لیمٹڈ پاکستان نے کافی روپیہ ان کو دیا۔ یحیٰی خاں اس میں بھٹو کے شریک تھے اور وہ رقوم کی

فراہمی کے سلسلے میں امداد بھی دے رہے تھے۔ چنانچہ اس مہم میں تقریباً انہیں دو کروڑ روپے سے زائد رقم وصول ہوئی جس کو انہوں نے پیپلز پارٹی کے لئے استعمال کیا۔

اپنی سیاسی جماعت بنانے کیلئے تو نہ جانے کب سے وہ زیر زمین منہمک تھے لیکن اب جس ڈرامائی انداز سے اس کے قیام کا اعلان کیا گیا تھا اس پر سیاسی حلقے خاصے حیران تھے۔ بہر حال صدر ایوب کا آفتاب اقتدار غروب ہوا اور جنرل یحییٰ پاکستان کے صدر اور چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر بنے تو مسٹر بھٹو کی بن آئی۔ انہوں نے کئی اور فوجی افسروں کی بھی حمایت حاصل کر لی تھی۔ سرکاری مشینری کے وہ کل پرزے، جو صدر ایوب کی مبینہ انانیت سے تنگ آئے ہوئے تھے وہ بھی مسٹر بھٹو کے ساتھ ہو گئے۔

صدر ایوب کے دور زوال میں جن چیزوں نے عوام کو ان سے بد دل کیا تھا وہ ضروریات زندگی کی ناقابل برداشت مہنگائی تھی۔ صدر ایوب کی اقتصادی پالیسی نے غریب کو غریب تر اور امیر کو امیر تر بنا دیا تھا۔ اس وجہ سے غریب طبقہ کی ہمدردیوں سے قطعی طور پر وہ محروم ہو گئے تھے۔ مسٹر بھٹو نے اس صورت حال سے فائدہ اٹھانے کیلئے اپنی پارٹی کو روٹی کپڑا اور مکان کا نعرہ دیا۔ انہیں امور کو انہوں نے اپنے انتخابی منشور کی اساس بنایا۔ چنانچہ جب جنرل یحییٰ نے پاکستان میں انتخابات کرائے تو بڑی بڑی جید پارٹیاں منہ دیکھتی رہ گئیں اور غریب عوام کے تمام ووٹ پیپلز پارٹی نے حاصل کر لئے۔ انہیں دوسری سیاسی جماعتوں کی باہمی مخالفت کا بھی فائدہ پہنچا جو ایک دوسرے کے مدمقابل تھیں اگر انتخابی نتائج کا بغور جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ دوسری پارٹیوں کے مجموعی ووٹ پیپلز پارٹی سے بہت زیادہ تھے۔ لیکن چونکہ انفرادی طور پر پیپلز پارٹی نے ہی دوسری جماعتوں کے مقابلے میں زیادہ ووٹ حاصل کئے تھے اس لئے بھی اس کو اکثریتی پارٹی ہونے کا اعزاز میسر آ گیا۔ مسٹر بھٹو مجھے بھی کبھی کبھی خط لکھتے تھے۔ ایک خط میں انہوں نے لکھا تھا کہ اگر میں انکی مدد کروں تو وہ بھی میرے ساتھ دوستی والا سلوک کریں گے۔ لیکن میں نے ان خطوط کی کوئی پرواہ نہیں کی۔

مغربی پاکستان میں اس غیر معمولی کامیابی کے باوجود مشرقی پاکستان پر مسٹر بھٹو کا جادو نہیں چلا۔ وہاں مسٹر مجیب الرحمٰن بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے تھے۔ ایک آدمی ایک ووٹ کے اصول پر ہونے والے ان انتخابات کے نتائج کا تقاضا تو یہ تھا کہ مجیب الرحمٰن کو حکومت کا اقتدار سپرد کر دیا جاتا کیونکہ پاکستان بھر میں سب سے زیادہ نشستیں حاصل کرنے والی ان کی ہی جماعت تھی لیکن بھلا مسٹر بھٹو یہ کیسے گوارا کر سکتے تھے کہ ان کی منصوبہ بندی یوں ناکام ہو جائے۔ چنانچہ انہوں نے فوجی جنتا کے ذریعہ ایسے حالات پیدا کرنے کی کوشش کی کہ کسی طرح پاکستان کی سیاست کا پانسہ ان کے حق میں پڑ جائے۔ اس کے بعد جو حالات مشرقی پاکستان میں رونما ہوئے ان سے ہر شخص واقف ہے۔ بہر حال ان سنگین حالات میں مسٹر بھٹو اپنے دل کی بات نہ چھپا سکے اور ایک دفعہ تو انہیں مسٹر مجیب کو یہ کہہ کر بھی خوش کرنے میں

کوئی باک نہیں ہوا کہ "اِدھر ہم اُدھر تم" یعنی مشرقی پاکستان کو تم سنبھال لو اور مغربی پاکستان میرے حوالے کر دو۔

یہ بات اگرچہ پاکستان کی سالمیت کے خلاف سنگین نوعیت کے جرم کی حیثیت رکھتی تھی لیکن چونکہ فوجی حکومت ان کی پشت پر تھی اس لئے عوامی حلقوں کے احتجاج کے باوجود ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی یہاں تک کہ ان کی مراد بر آئی۔ مشرقی پاکستان ہم سے ہمیشہ کیلئے الگ ہو گیا اور مغربی پاکستان ہی پاکستان بن گیا جس کے اقتدار کی گدی پر مسٹر بھٹو بیٹھے۔

سقوط ڈھاکہ

سقوط ڈھاکہ کی ذمہ داری جہاں فوجی حکومت پر عائد ہوتی ہے اور جنرل یحیٰی خان اس کے ذمہ دار قرار پاتے ہیں۔ وہاں مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے بھی اپنے سیاسی عزائم کے تحت اس کے لئے راستہ صاف کیا۔

سب کو معلوم ہے کہ جنرل یحیٰی نے کھلے عام مجیب الرحمٰن کے بارے میں کہا تھا کہ میں مستقبل کے پرائم منسٹر سے بات کر رہا ہوں۔ لیکن اس کے بعد وہ لاڑکانہ گئے تو ان کا پروگرام تبدیل ہو گیا۔ اس دوران غالباً بھٹو جنرل یحیٰی کو اپنا ہم نوا بنانے میں کامیاب ہو چکے تھے۔ چنانچہ جب مجیب نے ڈھاکہ میں قومی اسمبلی کا اجلاس طلب کیا تو بھٹو نے غیض و غضب کے عالم میں کہا کہ اگر مغربی پاکستان کا کوئی ممبر ڈھاکہ گیا تو میں اس کی ٹانگیں توڑ دوں گا۔ اس کے باوجود میں ڈھاکہ گیا لیکن وحید الزمان کی وجہ سے مجیب الرحمٰن کے ساتھ ملاقات نہ کر سکا۔

یہاں میں یہ بھی بتا دوں کہ بہاولپور کے مخدوم نور محمد ہاشمی اور نظام الدین حیدر بھی شیخ مجیب سے ملنے گئے تھے۔ دراصل ان کے پیش نظر بہاولپور کے علیحدہ صوبے کے لئے مجیب کی حمایت حاصل کرنا تھا۔ بھلا شیخ مجیب کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ اس کی طرف سے تو بہاولپور ہی نہیں جتنے صوبے مغربی پاکستان کے مزید بنانا چاہتے بنا لیتے۔ انہیں تو صرف مشرقی پاکستان کی فکر تھی۔ اس میں وہ کسی کا دخل برداشت کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ غرض حالات خراب ہوتے گئے۔ فوج کو کارروائی کرنی پڑی اور ہندوستان کی مداخلت کے نتیجے میں ڈھاکہ کا سقوط ہو گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ لیکن یہ بات یاد رہے کہ جب مشرقی اور مغربی پاکستان میں کش مکش جاری تھی بھٹو نے یہ کہہ کر اپنے دل کا مدعا بیان کر دیا تھا کہ "اِدھر ہم اُدھر تم" یعنی مغربی پاکستان میں میری حکومت ہو گی اور مشرقی پاکستان میں مجیب جو چاہیں کریں اصولاً تو شیخ مجیب الرحمٰن کی پارٹی نے تمام پاکستان میں اکثریت حاصل کی تھی اور اس بنا پر وہ پاکستان کے پرائم منسٹر ہوتے۔ لیکن چونکہ اس سے بھٹو کا خواب پورا نہ ہوتا تھا اس لئے انہوں نے ایسی چالیں چلیں اور فوج کو اس طرح استعمال کیا کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ مجیب پاکستان سے بغاوت کر کے علیحدہ ہو گئے اور

پاکستان صرف مغربی پاکستان تک محدود ہو کر رہ گیا۔

مشرقی پاکستان کے المناک واقعات میں یہ سانحہ اپنی خاص نوعیت کا ہے کہ وہاں اس چپقلش کے دوران ہزاروں مسلمان شہید ہوئے۔ بہاری مسلمان خاص طور پر ظلم و ستم کا نشانہ بنے۔ غیر بنگالیوں کا بھی قتل عام ہوا اور پاکستانی فوج کے نوے ہزار افراد بھارت کے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔ جن کو بھارتی قید سے چھڑانے کے لئے مسٹر بھٹو کو بھارتی حکومت سے رابطہ پیدا کرنا پڑا تھا۔ بھارت اس موقع سے فائدہ اٹھا کر پاکستان سے ایسا معاہدہ کرنا چاہتا تھا کہ وہ کشمیر کے مسئلے سے دست بردار ہو جائے۔ چنانچہ شملہ میں مسٹر بھٹو مسز اندرا گاندھی سے ملنے گئے اور وہاں باہمی مذاکرات کے بعد دونوں کے درمیان جو معاہدہ طے پایا وہ شملہ معاہدہ کہلایا۔

یوں تو اس معاہدے پر پاکستانی سیاست دانوں نے اپنا اپنا نقطہ نظر پیش کیا تھا لیکن میں نے پنجاب مسلم لیگ کے دو روزہ اجلاس منعقدہ ۲۳ مارچ ۱۹۷۵ء میں جو تقریر اس سلسلے میں کی تھی اس کا متن یہاں درج کر رہا ہوں تاکہ اس کے مطالعہ سے جہاں میرے خیالات کا اندازہ لگایا جا سکے وہاں مسٹر بھٹو کی ذہنیت بھی آشکارا ہو جائے کہ وہ وقتی مفاد کی خاطر قوم کو بڑے سے بڑا نقصان پہنچانے سے بھی نہیں چوکتے تھے۔

جناب صدر خواتین و برادران ملت!

اس موضوع پر کچھ عرض کرنے سے پہلے مناسب بلکہ ضروری ہے کہ معاہدہ شملہ اور اس کے گرد و پیش کے بارے میں ذرا تفصیل سے کچھ معرض تحریر میں لے آیا جائے تاکہ معاہدہ شملہ کی صحیح نوعیت، اس کے متوقع نتائج اور اس سے وابستہ مسائل کی نشاندہی کے باب میں صحیح صورت حال منظر عام پر آ سکے۔ سب سے پہلی بات جس کا اظہار اس ذیل میں لازمی محسوس ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ سقوط ڈھاکہ کے بعد امریکہ ہی سے ہمارے اس وقت کے نامزد وزیر نائب وزیر اعظم و وزیر داخلہ اور آج کل کے وزیر اعظم بھٹو صاحب نے ایک بیان کے ذریعہ واضح طور پر فرما دیا تھا۔

اگرچہ اس بیان کی تردید جناب غلام مصطفیٰ کھر کی جانب سے مقامی اخبارات میں شائع ہوئی تھی لیکن جہاں تک وزیر اعظم کا تعلق ہے انہوں نے آج تک کوئی لب کشائی نہیں فرمائی۔ بہر حال جہاں تک سقوط ڈھاکہ کا تعلق ہے اس ضمن میں بھی ایک پیش پا افتادہ بات یہ ہے کہ سقوط ڈھاکہ کا المناک سانحہ پولینڈ کی اس قرارداد کے بعد ظہور پذیر ہوا جس میں فوری جنگ بندی اور گفتگو پر زور دیا گیا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ اس قرارداد کے ٹکڑے کر دیئے گئے تھے اور ایسا کرنے کی کوئی وضاحت آج تک ارباب بست و کشاد کی جانب سے سامنے نہیں آئی۔ ازاں بعد ہمارے وزیر اعظم باقی ماندہ پاکستان میں بر سر اقتدار آئے تو ایسا نظر آتا تھا کہ یہ ذوالفقار علی بھٹو اس ذوالفقار علی بھٹو سے یقیناً بدرجہا مختلف ہیں جو امریکہ جانے سے قبل ایک ہزار سالہ جنگ اور دمادم مست قلندر کی طرح کے نعرے لگایا کرتے تھے اور پھر نوبت بایں جا رسید کہ شملہ روانگی سے قبل انہوں نے فرمایا "گذشتہ پچیس برس تصادم اور جنگوں کی نذر ہو گئے اور ہمارے عوام

دنیا میں بے حد غریب، تعلیمی لحاظ سے بری طرح پس ماندہ اور بے سروسامانی اور امراض کا شکار ہو کر رہ گئے ہیں۔ پاکستان کے عوام اپنا سب کچھ لٹا چکے ہیں۔ یہ صورت حال اب بدلنی چاہئے۔" آپ نے مزید فرمایا تھا کہ "ہم برصغیر میں ایک دیرپا امن کے مواقع کی تلاش میں ہندوستان جا رہے ہیں۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ بھارتی قیادت بھی میری اس نیک نیتی میں برابر کی شریک ہوگی۔

بظاہر یہ بیان سیدھا سادہ سا نظر آتا ہے لیکن یہ اس ذہنی پس منظر کو بھی واضح کرتا ہے جو شملہ معاہدہ کے سلسلہ میں گفت و شنید کی پشت پر کار فرما تھا اور جس کے نتیجے میں بھارتی وزیر اعظم اور پاکستان کے وزیر اعظم کے درمیان مذاکرات شروع ہوئے۔ اور امید و بیم کے مراحل سے گزرتے ہوئے ماہ جولائی میں معاہدہ شملہ کی صورت میں منظر عام پر آئے۔ اس معاہدے کی تین باتوں کا ذکر زیادہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ ایک تو دونوں ممالک کی افواج سرحدوں سے ہٹادی جائیں گی۔

۲۔ سربراہوں اور اعلیٰ حکام کی ملاقاتوں اور مذاکرات کے ذریعہ مکمل امن و امان کی بحالی پر اتفاق رائے۔

۳۔ تیسری یہ کہ بھارت اور پاکستان اپنے تمام تنازعات اور اختلافات (بشمول مسئلہ کشمیر) کو پرامن بتائے باہمی اور دوطرفہ جذبہ مفاہمت کے ساتھ (جنگ کا سہارا لئے بغیر) طے کریں گے۔

اس معاہدے کی عمل پذیری کے لئے جہاں دیگر باہمی تعلقات از قسم تہذیبی و ثقافتی ——— ——— تجارتی و سیاسی و فضائی وغیرہ کی استواری پر زور دیا گیا تھا وہاں یہ بات بھی طے ہو گئی تھی کہ مسئلہ کشمیر بھی باہمی مذاکرات کے ذریعہ حل کیا جائے گا۔ معاہدہ شملہ میں اس قسم کی کوئی بات نہیں جس کی رُو سے لازمی نہ سہی کم از کم اتنا ہی کہہ دیا جاتا کہ مسئلہ کشمیر کو اقوام متحدہ میں فریقین کی جانب سے تسلیم کردہ قراردادوں کی روشنی میں حل کیا جائے گا۔ بلکہ اس کے برعکس وہاں واضح طور پر یہ تسلیم و تحریر کیا گیا تھا کہ کسی بھی مسئلہ کو صرف دوطرفہ گفتگو کے ذریعہ طے کیا جائے گا۔ نہ کہ اس کی تحلیل کے لئے یا گرہ کشائی کے لئے کسی تیسرے فریق یا ادارے کی جانب رجوع کیا جائے گا۔

اس مرحلے پر اپنے وزیر اعظم کی حالیہ پریس کانفرنس جو ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہے اس کا حوالہ بھی ضروری ہے۔ اس میں انہوں نے فرمایا تھا کہ اقوام متحدہ میں مسئلہ کشمیر ایک تو اس لئے نہیں پیش کیا جائے گا کہ وہ کچھ موثر ادارہ نہیں رہا اور دوسرے ویٹو کے استعمال کے بارے میں ہم اپنے دوستوں کو پریشان نہیں کرنا چاہتے اور تیسرے اس مسئلہ پر اپنے دیگر دوستوں چین اور روس کے مابین بھی کسی اختلافی صورت حال کو جنم نہیں دینا چاہتے بلکہ اس امر پر زیادہ زور دیا گیا تھا کہ " اندرا عبداللہ سمجھوتہ " کے سلسلے میں معاہدہ شملہ کو ہی بروئے کار لایا جائے گا۔ اور ایک چٹھی اندرا گاندھی کو اس سلسلے میں بھیج دی گئی ہے۔ جس کا اعتراف بھارتی حلقوں نے یوں کیا کہ مسٹر بھٹو کی چٹھی مل گئی ہے۔ جس میں اندرا

عبداللہ کا ذکر بھی ضمناً موجود ہے۔ گویا چٹھی صرف خاص طور پر اندرا عبداللہ سمجھوتے کے بارے میں نہیں تھی۔ بلکہ بعض دیگر امور بھی جو اس وقت تک نامعلوم ہیں ضبط تحریر میں لائے گئے تھے۔ ایسے میں یہ باور کرنے میں کوئی دقت محسوس نہ ہونی چاہئے کہ اندرا عبداللہ سمجھوتے کے باوصف جو معاہدہ شملہ کی کھلی ہوئی خلاف ورزی ہے کے باب میں معاہدہ شملہ کے اثر پذیری کے بارے میں ایک طرح کی یقین دہانی ہم نے اپنی جانب سے کرا دی ہے۔ شملہ معاہدہ کے اثرات اور نتائج کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ بھارت اور پاکستان کے فوجی سربراہوں کے درمیان کشمیر کی نئی اصطلاح کنٹرول لائن کے تعین کے بارے میں جو ملاقاتیں ہوتی رہیں انمیں ابتدائی طور پر اگرچہ تعطل سا پیدا ہو گیا تھا لیکن انجام کار دسمبر ۱۹۷۲ء میں سچیت گڑھ کے مقام پر کشمیر کی ایک زبردست فوجی اہمیت کی حامل چوکی ٹھاکر چک پر بھارت کے غاصبانہ قبضے کو تسلیم کر لیا گیا تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ اب تو خط متارکہ جنگ (فائر بندی لائن) کی بجائے کنٹرول لائن کی اصطلاح استعمال میں آ رہی ہے اور یہ تبدیلی ان خطوط کی غمازی کرتی ہے جن کی اساس پر بھارت مسئلہ کشمیر کو حل کرنا چاہتا ہے اور خدا نہ کرے کہ ہم نے اس سے اتفاق کر لیا ہو۔ یہ دوسری بات ہے کہ وزیر اعظم فی الحال اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ بھارت کے اس طرح کے موقف کو تسلیم کرنے کا اعلان کر پائیں۔ اس اندیشہ کی نشاندہی وہ انٹرویو فراہم کرتا ہے جو انہوں نے بھارتی اخبار اسٹیٹسمین کے ریذیڈنٹ ایڈیٹر مسٹر کلدیپ نیر کو دیا۔

He would not push for a settlement of the 25-years old Kashmir dispute in initial peace with India. We can make the ceasefire line a basis of initial peace.

Let the people of Kashmir move between the two Countries freely. One thing can lead another. Why should it be ordained on me and Mrs. Gandhi that we resolve everything today? We should set things in motion in the right direction. Other can pick up from it. We can not clear the docks in one sweep. There can be no grand sweep in the Sub Continent.

ترجمہ :۔ وہ پچیس سالہ تنازعہ کشمیر کے حل کے لئے ابتدائی طور پر "امن مذاکرات" کے دوران زور نہیں دیں گے۔ بلکہ خط متارکہ جنگ کو ابتدائی امن کی بنیاد قرار دینے پر آمادہ ہیں۔ اور مناسب یہ ہے کہ دونوں ممالک کے عوام آزادانہ طور پر کشمیر میں آمدورفت کا سلسلہ شروع کر دیں۔ آخر ایک مرحلہ دوسرے مرحلے کو جنم دے سکتا ہے۔ ہمارے لئے یہ کوئی آسان حکم تو نہیں ہے کہ اس معاملے کا میں اور اندرا گاندھی ہی کوئی حل معرض وجود میں لائیں۔ اس وقت تو ہمیں معاملات کو صحیح سمت میں ڈالنا ہے۔ تاکہ دوسرے ان کو منطقی نتائج تک پہنچا سکیں۔"

اس سے ایسا نظر آتا ہے کہ فریق ثانی یعنی بھارت کو اس حد تک بھی گوارا نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس طرح کی معروضات اور مشوروں کو پر کاہ کے برابر بھی حیثیت نہ دیتے ہوئے بھارت نے مناسب سمجھا کہ اندرا عبداللہ سمجھوتے کے تحت وہ یک طرفہ طور پر پاکستان کے مؤقف کو نظر انداز کرتے ہوئے کشمیر کی سابقہ صورت حال کو اپنے مفادات کے تحت ڈھال لے۔ اور ہم ہیں کہ اب بھی شملہ معاہدہ کے گن گائے چلے جارہے ہیں اور بھارتی وزیر اعظم کے نام خطوط نویسی کے سلسلہ لاحاصل پر اکتفا کئے بیٹھے ہیں۔ اور زیادہ سے زیادہ ہم نے کچھ کیا ہے تو ۹ فروری ۱۹۷۵ء والی بھارت کیلئے بے ضرر ہڑتال کو ہی کافی سمجھا اور وہ بھی اس یقین دہانی کے ساتھ کہ دیکھئے شملہ معاہدہ کے تحت ایک خط اندرا گاندھی کو ڈال دیا گیا ہے۔ اور کہ ہم شملہ معاہدہ پر بدستور قائم ہیں۔ حالانکہ یہ سمجھوتہ صحیح الخیال محب وطن پاکستانیوں کے نزدیک معاہدہ شملہ ایسی چیز کی کھلی ہوئی خلاف ورزی ہے اور بھارت کی طرف سے طویل عہد شکنیوں اور وعدہ خلافیوں کی المناک داستان کا تاریک ترین باب ہے۔ اسے ذرا زیادہ واضح طور پر بیان کرنے کیلئے اور ہندوستان کے چانکیائی کردار کا واقعات کے آئینہ میں حقیقت پسندانہ جائزہ لینے کیلئے دو حصوں میں بآسانی تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ ان وعدہ خلافیوں پر مشتمل جو ادارہ اقوام متحدہ میں کشمیریوں کے حق خود ارادیت کے استعمال بذریعہ آزادانہ اور منصفانہ استصواب، اقوام متحدہ ہی کے زیر اہتمام کے بارے میں متعدد منظور شدہ قرار دادوں سے انحراف سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور

۲۔ اب شملہ معاہدہ کی بے ضرر ہمارے لئے معنرت رساں دفعات سے روگردانی کا نتیجہ ہے۔ حالانکہ ان کے مطابق مسئلہ کشمیر کو حل کرتے وقت پاکستان کو صرف اپنا موقف بیان کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔

اس مرحلے پر فاروق عبداللہ کی پاکستان یاترا اور پھر پاکستان کے وزیر اعظم سے ملاقات کا ذکر بھی بے محل نہ ہوگا۔ لیکن کیا کیا جائے کہ اس ملاقات کا یمین ویسار اب تک راز سربستہ ہے۔ البتہ نتائج اور تاثرات کے اعتبار سے اندرا عبداللہ سمجھوتہ شیخ عبداللہ کی استصواب رائے سے دستبرداری ہی نہیں آزاد کشمیر پر قبضہ جمانے کی دھمکی اور اس پر مستزاد آزاد کشمیر اور پاکستان کے درمیان "انتظامی پیش رفت" کو خالی از علت قرار نہیں دیا جاسکتا۔ بہر حال یہ بھارتی سیاست کی عیاری کی تو واضح دلیل ہے کہ پاکستان کو شملہ معاہدہ کے تحت مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کیلئے صرف باہمی مذاکرات کا پابند کر لینے کے بعد اندرا عبداللہ سمجھوتہ کے ذریعہ یک طرفہ طور پر اس متنازعہ مسئلہ کو اپنے خیال میں ٹھپ کر دیا گیا ہے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ جب کبھی اور جہاں کبھی بھی ہمارے وزیر اعظم اندرا عبداللہ سمجھوتہ پر تبصرہ اور اپنے ردعمل کا اظہار کرتے ہیں تو ہڑتال کی طرح کے اقدامات کا اعلان کرنے کے ساتھ ساتھ دفاعی انداز میں فوراً کہہ اٹھتے ہیں کہ ہم تو معاہدہ شملہ کے اب بھی پابند ہیں اور بھارت کو نہیں چاہئے کہ وہ شملہ معاہدہ کی

خلاف ورزی کرے۔ یہ اور اسی طرح کے دیگر بیانات کی روشنی میں بھارت اور دیگر ممالک یہ تاثر لینے میں آسانی محسوس کرتے ہیں کہ اندرا اور عبداللہ کے درمیان جو سمجھوتہ ہوا ہے اس کے بارے میں اگر پاکستان کو کوئی شکایت ہے تو وہ اس کا اظہار بھارتی قیادت کے سامنے کر سکتا ہے نہ کہ کسی فریق یا ادارے سے۔ کیونکہ ایسا کرنا اس معاہدے کے منافی نظر آتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ "اِدھر ہم اور اُدھر تم" پھر گذشتہ عام انتخابات میں ملک کے دونوں حصوں میں قیادت کے ابھرنے سے اسلامی کانفرنس کے دوران آئین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش تسلیم کرنے۔ کشمیر میں اہم مقامات سے دستبرداری کے اہم واقعات اور ملی اور ملکی وحدت کے اصولوں سے فرار اور پہلوتہی نے ہمارے مخالفین کا حوصلہ بڑھایا اور ہمیں قومی مفادات کے منافی اقدامات کو تسلیم کر لینے پر مجبور کیا لیکن جہاں موضوع زیر بحث کا تعلق ہے اس کے بارے میں اس امر کی واضح نشاندہی ہوتی ہے کہ اگر شملہ معاہدہ معرض وجود میں نہ آیا ہوتا تو بھارتی قیادت کی یہ ہمت کبھی نہ پڑتی کہ وہ اندرا عبداللہ سمجھوتے کے ذریعہ مسئلہ کشمیر حل کر لیتی۔ ان حالات میں ہمارے لئے لازم ہے کہ موجودہ صورت حالات کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیتے ہوئے مستقبل کی راہیں متعین کریں اور اس شملہ معاہدہ کے بارے میں اپنے مؤقف کا دوٹوک انداز میں تعین کریں اور برملا طور پر یہ اعلان کریں کہ اب جبکہ حالات نے ہمیں ایک فیصلہ کن مقام پر لا کھڑا کیا ہے ہمارا شملہ معاہدہ اور اندرا عبداللہ سمجھوتہ کے بارے میں کیا مؤقف ہے۔ اور قوم کو چاہئے کہ وہ بھٹو صاحب سے مطالبہ کرے کہ شملہ معاہدہ کو کالعدم قرار دے اور ہمیں اقوام متحدہ سے فوری طور پر رجوع کرنا چاہئے۔ ہمیں یقین کامل ہے کہ ہمارے مخلص دوست حق و صداقت کا ساتھ دیں گے۔ اس میں قابل ذکر مملکت چین ہے جس نے آج تک بنگلہ دیش کو تسلیم نہیں کیا اور ہمیشہ اقوام متحدہ میں اصولوں کی بنیاد پر اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ دوسرا عظیم ملک اور پاسبان حرم کی حیثیت سے اسلامی ممالک کا عظیم ترین سربراہ ہے جس نے نہ صرف فراخدلی سے پاکستان کی امداد کی بلکہ چین کی طرح آج تک بنگلہ دیش کو تسلیم نہیں کیا۔

ہمارے ملک کی تقسیم کی ذمہ داری روس اور ہندوستان پر بلاشبہ عاید ہوتی ہے اور یہ توقع رکھنا کہ یہ دو ممالک ہماری فلاح و بہبود اور ہماری بقا کے ضامن ہوں گے قطعی طور پر غلط ہے اور اپنے آپ کو دھوکا دینے کے مترادف ہے۔ البتہ ہمیں ان ممالک کی طرف بھی پیش قدمی کرنی چاہئے جو سیاسی نقطہ نظر سے ہمارے ہم خیال ہیں۔ میری مراد ان ممالک سے ہے جو آمریت کے برعکس جمہوریت پر یقین رکھتے ہیں۔ ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ امریکہ، فرانس اور مغربی جرمنی کی طرح کے ممالک جمہوری اقتدار کی سربلندی اور عالمی امن کے تحفظ کی خاطر ہمارے سابقہ کردار کی بنا پر ہمارے ساتھ تعاون کریں۔ اور پاکستان کی سالمیت اور خود مختاری کیلئے ہماری جدوجہد میں شرکت سے گریز نہ کریں۔ اس کے علاوہ ہمیں اسلامی دنیا کے تمام ممالک ایران، مصر، لیبیا، الجزائر، انڈونیشیا اور ملائشیا وغیرہ سے بھی توقع ہے کہ وہ ہمارے حالات کو سمجھتے ہوئے ہماری بقا و استحکام کے تقاضوں کو پیش نظر رکھیں گے اور صورت حالات کو بہتر بنانے میں ہمارا

پورا ساتھ دیں گے۔

وزیر اعظم بجائے پاکستان میں دوروں کے اگر اقوام متحدہ کو حرکت میں لائیں اور ان دوست ممالک کا دورہ کریں تو وہ ملک کیلئے زیادہ مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ جہاں تک داخلی معاملات کا تعلق ہے اس کے بارے میں عرض ہے کہ ایسے مشکل وقت میں جس سے پاکستان کچھ عرصہ سے دوچار ہے قومی یکجہتی اور تمام سیاسی پارٹیوں کے اتحاد کی ضرورت کو محسوس کرنا چاہئے تھا۔ بجائے اس کے کہ ملک میں جمہوری تقاضوں اور عوامل کو ذاتی اور پارٹی مفادات کی بھینٹ چڑھایا جائے اور سیاست میں تشدد اور دھاندلیوں کو روا رکھا جائے۔

اب بھی حالات کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ اگر برسراقتدار طبقہ حالات کی نزاکت اور گھناؤنے اور خطرناک بادل جو پاکستان کی سرزمین پر چھائے ہوئے ہیں ان کو حقیقت کے پلڑے میں تولیں۔ ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ ایک طرف افغانستان کے خلاف مخالفانہ پروپیگنڈا ہو اور دوسری طرف جب سردار داؤد فضائے سماوی سے پاکستان سے گزر رہے ہیں تو ایک دوسرے کے ساتھ پیغام تہنیت کا تبادلہ کریں اور پھر ہندوستان جو ہمارے ملک کو دو حصوں میں تقسیم کرے ہمارے مفادات اور قومی بقاء کے خلاف روس اور افغانستان کے ساتھ معاہدے کرے اور ہم بارہا شملہ معاہدہ کی تائید میں گن گاتے رہیں۔

" وقت آ گیا ہے کہ پوری قوم ان تمام حالات کا جائزہ لے جو سقوط ڈھاکہ سے پہلے یحیٰی خاں کے دور سے آج تک رونما ہوتے رہے ہیں۔ اور ان حالات کے مقابلے کیلئے تیار ہو جائیں جو ملکی سلامتی اور بقاء کے خلاف ہیں۔ اگر قوم نے کوتاہ نظری سے کام لیا اور ایک بار پھر نظریہ پاکستان کا تحفظ نہ کیا تو پھر قوم ہی ان تمام نقصانات کی جو مستقبل قریب میں ہونے والے ہیں ذمہ دار ہو گی۔ " یہ سب کچھ کیا دھرا مسٹر بھٹو کا تھا لیکن ان کی چالاکی یہ تھی کہ لوگ پاکستان کے ٹکڑے ہونے کا ذمہ داران کے بجائے فوجی جرنیلوں کو سمجھتے رہے۔ کیونکہ اگر ان کی ملی بھگت نہ ہوتی تو مسٹر بھٹو اقتدار میں آنے کے بعد سب سے پہلے سقوط ڈھاکہ کے ذمہ دار افسران کا محاسبہ کرتے اور انہیں کیفر کردار تک پہنچا کر دم لیتے۔ ۔ ۔ لیکن نہ فوجی افسران کے خلاف کوئی کارروائی ہوئی اور نہ بھٹو کو کسی نے عدالت میں کھینچا۔ بہر حال اس واقعہ سے مسٹر بھٹو کی موقع پرست ذہنیت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ وہ ان لوگوں میں سے تھے جو اپنے ذرا سے فائدے کیلئے قوم کا بڑے سے بڑا نقصان کر سکتے ہیں۔ کوئی اور قوم ہوتی تو شاید مسٹر بھٹو کے ساتھ وہ سلوک کرتی جو ایک غدار سے کیا جاتا ہے۔ لیکن ہماری قوم نے انہیں ہیرو بنا دیا۔

پاکستانی قوم کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ عفو و درگذر سے کام لیتی ہے۔ اپنے مخالفوں کو بھی معاف کر دیتی ہے اور اس کی برائیوں کو بھی بھول جاتی ہے بلکہ اگر اس کی کوئی ادا اسے بھا جائے تو وہ اسے ہیرو بھی بنا دیتی ہے۔ یہی مسٹر بھٹو کے ساتھ ہوا۔ لوگوں نے ان کی ایکٹنگ سے خوش ہو کر ان کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے۔

مسٹر بھٹو کے نام کھلی چٹھی

میں نے کئی مواقع پر مسٹر بھٹو کو تنبیہہ کی تھی کہ جس روش پر وہ چل رہے ہیں وہ ان کی بھی تباہی کا باعث ہوگی اور پاکستان بھی نہیں بچ سکے گا۔ لیکن ان پر ان باتوں کا کیا اثر ہوتا پھر میں نے ایک کھلی چٹھی ان کے نام لکھی جو بعض اخبارات میں بھی شائع ہوئی خط کا مضمون یہ تھا۔

"ڈیئر مسٹر بھٹو!

۲۰ر دسمبر ۱۹۷۱ء کو اپنا عہدہ سنبھالنے کے بعد آپ نے جو تقریر کی تھی اس میں پاکستانی عوام سے وعدہ کیا گیا تھا کہ موقع پرست اور بد دیانت سیاست دانوں کی وجہ سے پاکستان کی سیاسی زندگی میں جو زخم آئے ہیں انہیں مندمل کریں گے۔ آپ نے صاف ستھری اور بد دیانتی سے پاک انتظامیہ کا بھی وعدہ کیا تھا۔ آخر میں آپ نے کہا تھا کہ

"میں ایک ایسی سیاست بروئے کار لانی چاہتا ہوں کہ انتہائی ادنیٰ درجے کا شہری بھی یہ کہہ سکے کہ میں آگے بڑھوں"

لیکن مسٹر بھٹو آپ ہمیں جہنم میں لے جارہے ہیں مجھے یقین ہے کہ جس کسی نے اس رات آپ کی تقریر سنی ہوگی یا اگلے دن اخبارات میں پڑھی ہوگی۔ وہ آپ کے الفاظ سے اور اس سبز باغ سے جو آپ نے دکھایا تھا متاثر ہوا ہوگا۔

آپ کرسی اقتدار پر بحیثیت صدر یا پرائم منسٹر پانچ سال سے زائد عرصے تک بیٹھے رہے ہیں۔ کیا آپ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہہ سکتے ہیں کہ آپ نے ان وعدوں میں سے کوئی وعدہ پورا کیا۔ ابتدا سے آپ نے اس ذہنیت کا مظاہرہ کیا ہے کہ آپ اپنے اقتدار میں کسی کو شریک نہیں کرنا چاہتے یہاں تک کہ اپنی پارٹی کی کارروائی جو آپ کے مزاج کے خلاف ہو اس کے روادار نہیں ہوتے۔ تمام اہم ترین فیصلے آپ تنہا خود کرتے ہیں اور اس سلسلے میں قومی اسمبلی جو حقیقتاً پالیسی بنانے کا حق رکھتی ہے اسے بھی نظر انداز کر دیتے ہیں۔

مجیب کو باہر بھیجنے کا فیصلہ بہت نازک قدم تھا لیکن آپ نے اسمبلی کو بھی اس غرض کیلئے اعتماد میں لینے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ آپ نے مارشل لاء کو جاری رکھنے اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بننے کا فیصلہ خود کیا۔

اسی طرح مارشل لاء اٹھانے کا فیصلہ خود ہی کیا۔

آپ نے لوگوں پر عبوری آئین ٹھونسا اور اسے منظور کرنے کیلئے لوگوں کو دھمکیاں اور ڈراوے دیئے۔ اس عبوری آئین میں یہ گنجائش رکھی گئی کہ مارشل لاء کسی دوسرے انداز میں جاری رہے۔

آپ نے سندھ میں لسانی فسادات کرائے اور زخموں کو مندمل کرنے کے بجائے قوم کی سیاسی زندگی کو مزید لہولہان کیا۔ آپ نے بھائی کو بھائی سے لڑوایا اور صوبائی عصبیت کو ہوا دی جس کو دور کرنے میں مدت لگے گی۔

آپ نے شملہ جانے کا تنہا فیصلہ کیا اور جو معاہدہ وہاں کیا اس میں قومی اسمبلی کو بھی اپنے اعتماد میں لینے کی ضرورت نہ سمجھی۔ اگر آپ کو قومی اسمبلی کے ممبران کی مخالفت کا خوف تھا تو آپ بند کمرے میں بحث کرا سکتے تھے۔

آپ نے پاکستان کے روپے کی قیمت اس حد تک گرانے کا فیصلہ کیا کہ تمام دنیا ہمارے خرچ پر اچھا وقت گذار رہی ہے اور خود پاکستان کی یہ حالت ہے کہ یہاں کے عوام قیمتوں کی اس صورت حالات سے نہ ختم ہونے والی مصیبت میں مبتلا ہیں۔

آپ نے اس من مانے طریقے سے صنعتوں کو قومیانے کا فیصلہ کیا اور اس طرح کامیابی سے چلنے والی ان صنعتوں کو تباہ کر دیا جو اصل ملک کی ریڑھ کی ہڈی کا کام دیتی تھیں۔

آپ نے سینکڑوں باصلاحیت اور دیانتدار سرکاری ملازموں کو بے کار قسم کے الزامات لگا کر نوکریوں سے ہٹا دیا اور ان کی جگہ نا اہل اور بدکار لوگوں کو لے آئے، جن کی خوبی صرف یہ تھی کہ وہ آپ کے تمام احکام چاہے وہ قانونی ہوں یا غیر قانونی بجالانے کے لئے تیار تھے۔ آپ نے لوگوں کی تمام آزادیوں پر ڈاکہ ڈالا ہے۔ وہ آزادانہ نہ ایک جگہ جمع ہو سکتے ہیں اور نہ تقریر کر سکتے ہیں اور نہ آپ کا محاسبہ کر سکتے ہیں۔

آپ نے ٹیلی ویژن، ریڈیو اور پریس پر اس طرح مکمل طور پر قبضہ کیا ہے اور آپ کا انداز اس معاملے میں اس قدر غیر مصالحانہ ہے کہ اطلاعات کے تمام شعبے آپ کے ناقوس خصوصی بن کر رہ گئے ہیں۔

آپ نے لوگوں کو یوم پاکستان، یوم قائد اعظمؒ منانے سے بھی روک دیا

ہے۔ اس کے بجائے ۲۳ مارچ ۱۹۷۳ء کو ایسے اشخاص کو قتل کرانے کا حکم دیا جو پاکستان کی تاریخ میں جواب نہیں رکھتے۔

آپ نے لوگوں پر ایسا آئین ٹھونسا ہے، جو تمام آئینوں کا چوں چوں کا مربّہ ہے۔ آپ نے جو آئینی اصلاحات نافذ کی ہیں ظلم و بربّیت کا ذریعہ ہیں۔

آپ نے پاکستان کے شہریوں کو خوفزدہ کیا کہ انہیں جان سے مارا بھی جا سکتا ہے اور اغوا بھی کرایا جا سکتا ہے۔

آپ نے فیڈرل سکیورٹی فورس بنائی، جس نے پاکستان کے ہر شہری کی زندگی دوبھر کر دی۔ آپ نے سیاسی زندگی کے سرچشمے کو ناپاک کر دیا۔ آپ نے انتخابات میں ایسی دھاندلی کرائی جس کی مثال نہیں ملتی۔ آپ نے انتہائی ظالمانہ طریقے سے آئین کا حلیہ بگاڑا۔ آپ نے قانون سازی اپنی مرضی سے کی اور اس طرح جو قانون بنا اس نے استبداد کا راستہ کھول دیا۔

آپ نے لوگوں کی عزت نفس کا خون کیا اور پاکستان کے جسم پر ایسے زخم لگائے جو مندمل ہونے مشکل ہیں۔ آپ نے آئین کی تذلیل کی۔ آپ کی مرضی سے لوگوں کے خلاف جھوٹے مقدمات بنائے گئے اور واپس لئے گئے۔

آپ نے پاکستان کو اسلامی معاشرہ میں بدلنے کا فیصلہ کیا تھا۔ لیکن آج ملک میں جو کچھ نظر آ رہا ہے وہ غیر اسلامی ہے اور ملک قحبہ خانہ نظر آتا ہے۔

آپ نے قائداعظمؒ کے پاکستان کو سازشوں اور غدّارانہ حرکتوں سے تباہ کر دیا۔

آپ نے پاکستان کی بہادر افواج کی ساکھ کو جو لوگوں کی قربانیوں سے بنی تھی اور دفاع پاکستان کی ذمہ دار تھی اسے تباہ کر کے رکھ دیا۔ آپ نے پاکستان کو قومی یکجہتی اور ایک ساتھ رہنے کی خواہش کو ختم کرنے کی کوشش کی۔

پاکستان کے خلاف آپ کے جرائم کی فہرست طویل ہے اور اگر کوئی انہیں شمار کرنا چاہے تو اس کا سلسلہ کہیں ختم نہ ہو، بہرحال مسٹر بھٹو یہ آپ کی بداعمالیوں کی مختصر فہرست ہے۔

میں آپ کے ان اعمال کی بنا پر آپ پر ملک سے غدّاری کا الزام عائد کرتا ہوں جو آپ کے اپنے ساختہ قانون کے مطابق ہے، جس آئین کے آپ خالق تھے، اسے آپ نے توڑا اور اس کی خلاف ورزی کی۔ آپ نے جو کہا اس

کے خلاف عمل کیا۔ آپ نے پاکستان اور پاکستانی عوام کو دھوکہ دیا۔
میں پہلا آدمی ہوں جو آپ سے دریافت کرتا ہوں کہ "مسٹر بھٹو آپ ہمیں کس جہنم میں لے جا رہے ہیں"۔
یہ میرا آپ کے نام آخری خط ہے جس کے بعد میں کوئی خط آپ کو نہیں لکھوں گا۔

آپکا
سید حسن محمود

مسٹر بھٹو کے اقتدار سے محرومی کے اسباب

مغربی مفکرین ڈپلومیسی کو سیاست کا لازمہ سمجھتے ہیں لیکن میں اسے بدترین منافقت کا نام دیتا ہوں۔ دروغ مصلحت آمیز اگرچہ ایک حد تک اسلام میں بھی جائز ہے جو افراد کے درمیان بعض ناگزیر صورتوں میں اختیار کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس پر مستقل عمل کرنا اور اسے زندگی کا وطیرہ بنا لینا ہرگز پسندیدہ نہیں۔ مسٹر بھٹو نے اپنی حکومت کی بنیاد ہی منافقت پر رکھی تھی۔ وہ اپنوں اور پرائیوں سب کے ساتھ ڈپلومیسی سے کام لیتے تھے۔ یہاں تک کہ قومی امور بھی اسی پالیسی کے تحت کرتے تھے۔ جس کا نقصان خود ان کی ذات کو یہ ہوا کہ ان کے اپنے خاص دوستوں کا بھی ان پر سے اعتماد اٹھ گیا اور جب ان پر برا وقت آیا تو کوئی بھی ان کی مدد کے لئے گھر سے باہر نہ نکلا۔ بلکہ ان کے مخلص دوست تو ان کے انجام میں مخالفین کیساتھ شریک رہے۔ امریکہ ان کا سب سے بڑا مربّی تھا اور ان کو اقتدار میں لانے والا بہت حد تک وہی تھا لیکن اقتدار کے نشے میں انہوں نے اس کی طرف سے بھی آنکھیں پھیر لیں۔ وہ اپنے زعم باطل میں کسی بڑی سے بڑی طاقت کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ پھر انہوں نے ڈپلومیسی سے کام لیتے ہوئے امریکہ کے ساتھ ساتھ روس سے بھی پینگیں بڑھانی شروع کر دی تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ اگر کبھی امریکہ کی طرف سے انہیں مایوسی ہوئی تو روس ان کا ساتھ دے گا۔ لیکن روس پہلے سے ہی مسٹر بھٹو کے کردار سے واقف تھا اور جب وہ دیکھ رہا تھا کہ یہ اپنے حقیقی دوست سے بھی بے وفائی کر سکتے ہیں تو وہ کیسے ان پر اعتماد کر سکتا تھا۔ چنانچہ جب امریکہ ان سے بدظن ہوا تو روس نے بھی ان کی سیہ بختی میں ان کا ساتھ نہ دیا اور آخر کار جس ڈرامائی انداز میں ملک کے اقتدار پر انہوں نے قبضہ جمایا تھا اسی ڈرامائی انداز میں وہ اس سے محروم بھی ہو گئے۔

جہاں تک قتل کے جرم میں ان کے تختۂ دار تک پہنچنے کا تعلق ہے۔ میں مکافات عمل پر ایمان رکھتا ہوں۔ انسان کا کیا دھرا اس کے سامنے ضرور آتا ہے۔ خون ناحق رنگ لا کر رہتا ہے۔ ان کا دامن بے گناہوں کے خون سے داغ دار تھا۔ انہوں نے اپنے مخالفین کو معاف کرنا سیکھا ہی نہیں تھا۔ جو بھی ان کی

راہ میں رکاوٹ بنا اسے اپنی عزت دولت اور جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔ حروں کو جان بوجھ کر بلا قصور مروا کر انہوں نے پیر صاحب پگاڑا کے سندھ پر اثرات ختم کرنے کی کوشش کی۔ عقوبت خانوں کے درودیواران کے ظلم وستم کی داستانیں زبان حال سے کہتے سنائی دیتے تھے۔ ان کے بے لگام گھوڑوں کے ہاتھوں کتنوں کے سہاگ لٹے۔ کتنوں کی عزت لٹی اور کتنے گھر بے چراغ ہوئے۔ یہ ایک ایسی المناک داستان ہے کہ اسے سنانے کے لئے بھی بڑے دل گردے کی ضرورت ہے۔ بہرحال قانون قدرت کے متعلق ان باتوں کا جو انجام ہونا چاہئے تھا۔ مسٹر بھٹو اس سے دوچار ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

میرے خلاف مسٹر بھٹو کی کارروائیاں

میرا مسٹر بھٹو سے سیاسی تعلق بہت کم رہا ہے۔ جب صدر ایوب نے انہیں مسلم لیگ کا جنرل سیکرٹری بنادیا تھا اس وقت چونکہ ایبڈو کی پابندی کی وجہ سے میں سیاست سے دور تھا اس لئے قدرتی طور پر اس زمانے میں بھی مجھے ان کی قربت حاصل نہیں رہی۔ البتہ اپنے دور اقتدار میں انہوں نے کئی بار مجھ پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کی لیکن میں ان کے چنگل میں نہ پھنسا۔ چند دفعہ کی ذاتی ملاقاتوں کے علاوہ میں اکثر ان سے دور ہی رہا۔ حالانکہ خان قیوم خان ان کی وزارت میں شامل تھے لیکن میں قیوم لیگ کا چیف آرگنائزر ہونے کے باوجود ان کے ملکی امور سے بے تعلق رہا اور اپنی زیادہ توجہ جماعتی تنظیم پر صرف کرتا رہا۔

مسٹر بھٹو کی فطرت تو یہ تھی کہ اگر کوئی شخصیت ان کی خواہش کے مطابق ان کے کام نہ آسکے تو وہ ایسے حالات پیدا کرنے سے بھی گریز نہ کرتے تھے کہ وہ خود بخود ان کے پیروں پر گر پڑے۔ چنانچہ انہوں نے تحریص وترغیب کے علاوہ ایسے اوچھے ہتھیار بھی میرے خلاف استعمال کئے جس کی وجہ سے کوئی اور ہوتا تو شاید ان سے دامن نہ چھڑا سکتا لیکن خدا نے مجھے ان کے شر سے محفوظ رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ میرا ذکر کرتے تو مجھے عیار سیاستدان کہہ کر اپنے دل کا بخار نکالتے تھے۔ انہوں نے میرے خلاف کئی جھوٹے مقدمات قائم کرائے، مثلاً بجلی کی چوری میں مجھے اور میری والدہ کو ملوث کر کے ہمارے ملازمین کو گرفتار کرایا اور ہمارے بجلی کے کنکشن کاٹ دیئے گئے۔ پھر انکم ٹیکس کے سلسلے میں مجھ پر مقدمہ چلایا گیا اور مبینہ طور پر غلط حسابات پیش کرنے کے الزام میں میری گرفتاری کے احکام جاری ہوئے جس میں بمشکل میری ضمانت ہوئی۔

سپیشل جج کسٹمز اور ٹیکسیشن کراچی کی عدالت میں انکم ٹیکس افسر کے فیصلے کے خلاف میں نے اپیل دائر کی، جس کا فیصلہ ۱۵ اپریل ۱۹۷۸ء کو جا کر ہوا اور وہ تمام الزامات جو میرے خلاف لگائے گئے تھے جھوٹے ثابت ہوئے اور میں بری کر دیا گیا۔

اسی طرح سٹی کو اپریٹو بنک کے بعض قرضوں کے سلسلے میں مجھے خاصا پریشان کیا گیا۔ ظاہر ہے کہ

دنیا کا ہر کاروبار بنکوں کی مدد سے چلتا ہے۔ میں بھی محمود اینڈ کمپنی کے نام سے کچھ کاروبار کرتا تھا اور اس کے لئے سٹی کواپریٹو بنک سے قرض لینا پڑا تھا۔ اس قرضے کی عدم ادائیگی کے سلسلے میں میرے خلاف عدالتی کارروائی کرائی گئی۔ معاملہ پاکستان کی سپریم کورٹ تک گیا۔ لیکن چونکہ جس رقم کا مجھ پر دعویٰ کیا گیا تھا وہ بھی ادا کر چکا تھا اس لئے سپریم کورٹ نے میرے حق میں فیصلہ دیا اور میں بری الذمہ قرار دیا گیا۔

یہ تو مشتے نمونے از خروارے چند واقعات کا تذکرہ کیا ہے ورنہ ایسے کتنے حربے نہ جانے مسٹر بھٹو نے میرے خلاف استعمال کئے۔ بہر حال:۔

عدو شرے برانگیزد کہ خیر ما دران باشد

اپنی ان تمام حرکتوں کے باوجود جب میرا وہ کچھ نہ بگاڑ سکے تو خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔

بھٹو میں خوبیاں تھیں

مسٹر بھٹو میں اگر ایسی ذاتی خرابیاں نہ ہوتیں تو انہیں خدا نے جو صلاحیتیں دی تھیں ان سے وہ ملک و قوم کی بڑی خدمت کر سکتے تھے۔ تاہم ان کے دور میں کچھ نہ کچھ اچھے کام بھی ہوئے۔ مثلاً مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا جو مطالبہ ایک مدت سے تسلیم نہیں کیا جاسکا تھا اور جس کیلئے بارہا مسلمانوں نے خون کے نذرانے بھی پیش کئے تھے، مسٹر بھٹو کے دور میں تسلیم کر لیا گیا اور انہوں نے نہایت جرأت سے کام لے کر مرزائیوں کی غیر معمولی سیاسی قوت کی پروا کئے بغیر انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔ اگرچہ اس میں عوامی دباؤ کا زیادہ حصہ تھا۔ تاہم انہوں نے اس عوامی دباؤ کو مان کر تاریخی کارنامہ انجام دیا۔

ان کا دوسرا اہم کارنامہ ملک کا ایک متفقہ آئین ہے جسے ہر حلقہ خیال اور تمام سیاسی جماعتوں کی حمایت و منظوری حاصل تھی۔ یہ آئین ملک کی تعمیر و ترقی کیلئے ہی نہیں سیاسی و مذہبی اعتبار سے بھی نہایت مفید اور قابل عمل تھا۔ اس کی موجودگی میں جمہوری اداروں کے پنپنے کی بھی توقع ہو سکتی تھی لیکن افسوس ہے کہ اس کے نفاذ کا سہرا جس جماعت اور جس شخصیت کے سر پر بندھا تھا اس نے خود اپنے ہاتھوں سے اس کی دھجیاں اڑا دیں۔

مسٹر بھٹو نے اپنے پانچ سال اس طرح پورے کئے کہ ملک کے تمام سیاستدانوں کو اپنا دشمن بنا لیا۔ کسی کی عزت و وقار کی پروا نہیں کی۔ عملی طور پر انہیں ذلیل کیا یہ تو خیر اپنے مخالفوں کے ساتھ ان کا سلوک تھا لیکن اپنے ساتھیوں اور دوستوں کے معاملے میں بھی ان کا طرز عمل کچھ اچھا نہ تھا۔ ایک وقت میں کسی پر انعام و اکرام کی بارشیں ہو رہی ہیں تو دوسرے وقت میں اسے برسر عام ذلیل کیا جا رہا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ جو لوگ اپنے مفادات کی وجہ سے ان کا ساتھ دینے پر مجبور تھے وہ دل سے ان کے زوال کے خواہاں تھے۔ خان عبدالقیوم خان جیسے بزرگ سیاست داں تک جنھیں انہوں نے وزارت داخلہ کا قلم دان بھی سونپا ہوا تھا ان کی تضحیک و تحقیر کا اکثر نشانہ بنتے تھے۔

پیپلز پارٹی کے عطیات

ان تمام خرابیوں کے باوجود اتنا میں پھر بھی کہوں گا کہ انہوں نے اپنے پانچ سالہ دور میں عام لوگوں پر جو سحر کیا تھا خاص طور پر روٹی کپڑے مکان کے لالچ نے غریبوں کو ان کا جو گرویدہ بنا رکھا تھا اس کا بھرم آخر وقت تک قائم رہا۔ بڑے بڑے رئیسوں اور وزیروں کی جس انداز میں وہ اکثر بے عزتی کر دیتے تھے اس سے مزدور پیشہ لوگ ان سے خوش تھے اور وہ انہیں اپنا ہمدرد سمجھنے لگے تھے۔ اگرچہ ان پانچ سالوں میں ملا تو انہیں بھی کچھ نہیں لیکن محنت و مشقت اور اطاعت شعاری کی جو جبلی خوبیاں ان میں تھیں وہ بھی ان سے چھن گئیں اور اس کی جگہ کام چوری اور زبان درازی نے لے لی۔ کاشتکار زمیندار کو اپنا حریف سمجھنے لگا اور اجیر آجر سے بغیر کچھ کئے من مانی اجرت مانگنے لگا۔

اس صورت حالات سے معاشرتی قدریں تباہ ہو گئیں اور چھوٹے بڑے کا احترام و لحاظ باقی نہیں رہا۔ طلبہ استاد کے سر پر ناچنے لگے اور پڑھائی کی بجائے قوت امتحان میں کامیابی کا ذریعہ بن گئی۔ امتحانی مراکز میں طلبہ پستول اور خنجر میزوں پر رکھ کر امتحانی پرچے حل کرنے کے لئے غیر قانونی ذرائع استعمال کرتے تھے اور کسی کی مجال نہ تھی کہ کوئی ان حرکتوں سے انہیں باز رکھ سکے۔

ان خرابیوں کی وجہ سے پورے ملک میں مسٹر بھٹو کے خلاف ایک لہر آ گئی تھی۔ سیاسی جماعتیں بھی دیکھ رہی تھیں کہ اگر مسٹر بھٹو کی ان کارروائیوں کا بروقت تدارک نہ ہوا تو حالات قابو سے باہر ہو جائیں گے اور ظلم و جبر کے اس دور سے آئندہ چھٹکارہ حاصل کرنا ممکن نہیں رہے گا۔ چونکہ مسٹر بھٹو کے پانچ سال پورے ہو رہے تھے اور اب نئے انتخابات ہونے والے تھے اس لئے سیاسی جماعتوں نے ان سے پیچھا چھڑانے کیلئے کسی مشترکہ لائحہ عمل کی ضرورت محسوس کرتے اُن تمام جماعتوں کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کرنے کی کوشش کی جو دائیں بازو سے تعلق رکھتی ہیں اور نظریاتی اعتبار سے اسلامی افکار و خیالات کی عمل بردار کہلاتی ہیں۔

قومی متحدہ محاذ

اس مشترکہ پلیٹ فارم کو قومی متحدہ محاذ کا نام دیا گیا اور پروگرام یہ طے پایا کہ اس محاذ میں شامل جماعتیں آئندہ انتخابات میں مل کر پیپلز پارٹی کا مقابلہ کریں گی۔ چنانچہ محاذ کی باقاعدہ تنظیم عمل میں آئی۔ اس موقع پر مسلم لیگ کے تمام دھڑوں نے اپنے علیحدہ وجود کو ختم کر کے ایک مسلم لیگ میں ضم ہونے کا فیصلہ کیا قیوم لیگ کو چھوڑ کر باقی دھڑے اس پر متفق ہو گئے اور پیر صاحب اس متحدہ لیگ کے صدر چن لئے گئے اور ملک قاسم جو صدر ایوب کی کنونشن مسلم لیگ میں بھی جنرل سیکرٹری تھے اس کے سیکرٹری بنائے گئے۔ میں بھی چونکہ قیوم لیگ سے خان قیوم خاں سے بعض اصولی اختلافات کی بنا پر علیحدگی اختیار کر

چکا تھا اور اب متحدہ سیاسی مساعی میں میری شرکت میں بھی کوئی امر مانع نہیں تھا اس لئے میں بھی نو تشکیل مسلم لیگ میں شامل ہو گیا۔ گویا پیپلز پارٹی کے مقابلے کیلئے جو متحدہ محاذ قائم ہوا تھا اس میں مسلم لیگ کی میں بھی کوئی نمائندگی کر رہا تھا۔

محاذ میں شریک تمام سیاسی جماعتوں نے انتخابات میں حصہ لینے کیلئے جماعتی بنیادوں پر نشستوں کی تقسیم کی تھی اور یہ طے پایا کہ کسی ایک جماعت کے نامزد امیدوار کے مقابلے میں کوئی دوسری جماعت اپنا نمائندہ کھڑا نہیں کرے گی۔

قومی متحدہ محاذ کے صدر جمعیت علمائے اسلام کے صدر مفتی محمود چنے گئے تھے اور جنرل سیکرٹری کے لئے جمعیت علمائے پاکستان کے رفیق احمد باجوہ منتخب ہوئے تھے۔ محاذ میں شریک جماعتوں میں جماعت اسلامی بھی شامل تھی۔ اسے محاذ کی یہ تشکیل ہیئت پسند نہ تھی اور اس کی خواہش تھی کہ کسی طرح کم از کم محاذ کے جنرل سیکرٹری کا عہدہ اسے مل جائے۔ سوئے اتفاق سے باجوہ سے ایک ایسی غلطی ہوئی کہ ان پر سے محاذ کا اعتماد اٹھ گیا اور خود جمعیت علمائے پاکستان نے ان کے خلاف تادیبی کارروائی کرتے ہوئے انہیں جماعت سے نکال دیا جس کی وجہ سے وہ محاذ کے جنرل سیکرٹری کے عہدہ سے ہی علیحدہ ہو گئے۔ اصولاً چاہئے تو یہ تھا کہ ان کی جگہ جمعیت علمائے پاکستان کا ہی کوئی دوسرا نمائندہ اس عہدے پر فائز ہوتا لیکن جماعت اسلامی چونکہ شروع سے اس کے لئے کوشش کر رہی تھی اس لئے یہ موقع اس کے ہاتھ آ گیا اور وہ پروفیسر عبدالغفور کو محاذ کا یہ عہدہ دلانے میں کامیاب ہو گئی۔

اگرچہ اس تبدیلی نے ہی محاذ میں خاصی بدمزگی پیدا کر دی تھی اور پھر انتخابات کے وقت جماعتوں کی طرف سے تسلیم شدہ اصولوں کے خلاف امیدواروں کو محاذ کے ٹکٹ دے دیئے گئے‘ جماعت اسلامی کی بعض زیادتیوں کی وجہ سے محاذ کی فضا خاصی مکدر ہو گئی تھی۔ تاہم جہاں تک پیپلز پارٹی کی مخالفت کا تعلق تھا اس میں اب تک سب برابر کے شریک تھے۔ تمام ملک میں سب نے مل کر متحدہ جلسے کئے۔ میں اپنی خرابی صحت کی وجہ سے اگرچہ ان جلسوں میں زیادہ شرکت سے معذور رہا لیکن محاذ اس سلسلے میں جو پروگرام بناتا رہا اس کی ترتیب و تشکیل میں میری برابر شرکت رہی۔ خاص طور پر محاذ مسلم لیگ کی نمائندگی کے سلسلے میں پیر صاحب میرے مشورے ضروری سمجھتے تھے اور میں اپنی بساط کے مطابق مشورے بھی دیتا تھا اور ان مشوروں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے جو کارروائی ضروری ہوتی تھی وہ بھی کرتا تھا۔ عموماً جماعتوں کے مابین جو معاہدے طے پاتے تھے ان کی نوشت و خواند میرے ذمے ہوتی تھی۔ بہرحال مسٹر بھٹو کے خلاف محاذ نے جو طوفان کھڑا کیا تھا اسے روکنے کی انہوں نے ہر ممکن کوشش کی۔ سیاسی لیڈروں اور کارکنوں کی گرفتاری سے لے کر تشدد تک کا ہر حربہ استعمال کیا۔ پولیس اور فوج بھی حرکت میں آئی۔ مارشل لاء لگا۔ پورے ملک میں خون کی ندیاں بہہ گئیں۔ وہ جوش و جذبہ جو متحدہ محاذ نے پیدا کر دیا تھا اس میں کوئی

کمی نہ آئی۔

یہ جوش و جذبہ صرف مسٹر بھٹو کو اقتدار سے الگ کرنے کے لئے نہیں پیدا کیا گیا تھا بلکہ قوم کو یہ یقین دلایا گیا تھا کہ اگر مسٹر بھٹو اقتدار میں رہے تو وہ ملک میں کمیونزم کی راہ ہموار کر دیں گے چونکہ پاکستان اسلام کے نام پر قائم ہوا ہے اس لئے خدا تعالیٰ سے ہمارا وعدہ ہے کہ ہم اس ملک میں نظام مصطفیٰ رائج کریں گے۔ اس لئے دراصل یہ تحریک مسٹر بھٹو کے خلاف نہیں بلکہ نفاذ اسلام کے لئے ہے۔ پاکستان میں اسلام کے نام پر پہلے بھی کئی تحریکیں چلی تھیں اور لوگوں نے ان موقعوں پر بھی کسی قسم کی قربانی دینے سے دریغ نہیں کیا تھا لیکن قومی متحدہ محاذ کی اس تحریک نے نظام مصطفیٰ کیلئے ایثار و قربانی کی جو مثال قائم کی تھی وہ تاریخ پاکستان کا ایک درخشندہ باب ہے۔

پیپلز پارٹی بھی مشرف بہ اسلام ہو گئی

مسٹر بھٹو کی چالاکی ملاحظہ ہو کہ عین اس وقت جب پاکستان سخت سیاسی بحران میں مبتلا تھا اور قومی اتحاد ان سے مستعفی ہونے کا مطالبہ کر رہا تھا۔ انہوں نے ملک میں نفاذ شریعت کے لئے بعض فوری اور اہم اقدامات کا اعلان کر دیا۔

اس اعلان کے مطابق شراب اور قمار بازی پر فوری پابندی لگا دی گئی۔ نائٹ کلبوں کو یکسر ختم کر دیا گیا اور اسلامی نظریاتی کونسل کی از سر نو تشکیل کر کے اس میں مولانا مودودی، مولانا شاہ احمد نورانی، مولانا مفتی محمود اور ایک شیعہ عالم کو بطور ممبر شامل کرنے کا اعلان کر دیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا گیا کہ یہ کونسل چھ ماہ میں اپنی سفارشات مکمل کر کے نیشنل اسمبلی میں منظوری کیلئے پیش کر دے گی۔

یہ اعلان مُکّا جو بعد از جنگ یاد آئے کے مترادف تھا۔ اس سلسلے میں ان کا خلوص مشتبہ تھا۔ جو شخص اسلام ہمارا دین کا نعرہ لگانے کے باوجود اپنے دور اقتدار میں اسلامی قوانین کے نفاذ کا اہتمام نہیں کر سکا تھا اب اس کی طرف سے چھ ماہ میں نظام اسلام کے وعدے پر کیسے اعتبار کیا جا سکتا تھا۔ لہٰذا لوگوں نے اسے بھی مسترد کر دیا اور محاذ کی طرف سے جو مہم جاری تھی وہ برابر جاری رہی۔

انتخابات میں زبردست دھاندلی

اس تحریک نے پوری قوم میں جو امنگ اور جوش پیدا کر دیا تھا اسے دیکھ کر کون یہ کہہ سکتا تھا کہ یہ کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو گی۔ خود مسٹر بھٹو سخت گھبرائے ہوئے تھے ان کا قائم کیا ہوا پانچ سالہ سحر ٹوٹتا نظر آ رہا تھا۔ وہ جتنا اسے دبانے کی کوشش کر رہے تھے اتنی ہی شدت اس میں پیدا ہوتی تھی۔ آخر انہوں نے انتخابات میں بڑے پیمانے پر دھاندلی اور بدعنوانی کا پروگرام بنایا۔ جن پولنگ سٹیشنوں پر انہیں ایک فیصدی ووٹ کی بھی امید نہ تھی وہاں فائرنگ اور غنڈہ گردی سے خوف و ہراس پھیلا کر نتائج کو اپنے حق میں کرنے

کی کوشش کی۔ متعدد مقامات سے پولنگ بکس اٹھا لئے گئے دوسری جماعتوں کے امیدواروں کے حق میں جو پرچیاں پڑی تھیں انہیں پھاڑ کر پیپلز پارٹی کے امیدواروں کی پرچیاں بھر دی گئیں۔ غرض اس طرح قطعی ہاری ہوئی پیپلز پارٹی کو مسٹر بھٹو نے جتوا دیا۔

قومی اتحاد کے احتجاجی مظاہرے

ان کا خیال تھا کہ قوم ان کی اس جیت کو تسلیم کر لے گی اور آئندہ پانچ سال کیلئے مزید اس ملک میں حکومت کرنے کا انہیں موقع مل جائے گا لیکن متحدہ محاذ جس نے اتنی زبردست تحریک چلا کر قوم کو ان کا مخالف کیا تھا وہ اپنی اس مصنوعی شکست کو کیسے قبول کر سکتی تھی۔ اس نے اس کے خلاف ملک گیر احتجاج کیا اور انتخابات کو کالعدم قرار دے کر دوبارہ فوج کی نگرانی میں غیر جانبدارانہ انتخابات کرانے کا مطالبہ کیا۔

مسٹر بھٹو اقتدار کے نشے میں اس قدر بدمست تھے کہ ان پر کسی احتجاج کا اثر نہ ہوا۔ اور انہوں نے عوام کے شور و شغب کی طرف سے اپنے کان بند کر کے صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات بھی کرا دیئے۔ یہ انتخابات تقریباً یکطرفہ تھے۔ متحدہ محاذ نے اس کا مکمل بائیکاٹ کیا تھا۔ اور وہ برابر مسٹر بھٹو کے خلاف واویلا کر رہا تھا۔ جب مسٹر بھٹو کو حالات زیادہ خراب ہوتے نظر آئے تو وہ صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات دوبارہ کرانے پر تو آمادہ ہو گئے لیکن قومی اسمبلی کے نتائج کو جوں کا توں قبول کرنے کیلئے اصرار کرتے رہے۔

متحدہ محاذ اپنی جگہ ڈٹا رہا۔ چونکہ مفتی محمود اپنی علالت کے باعث محاذ کے صدر کی ذمہ داریاں نہیں نباہ سکتے تھے اس لئے محاذ نے متفقہ طور پر پیر صاحب پگاڑا کو قائم مقام صدر بنا دیا تھا۔ اس تبدیلی سے محاذ کے رویہ میں نرمی کی بجائے اور سختی آ گئی۔

کچھ دن پہلے تک متحدہ قومی محاذ اور مسٹر بھٹو کے درمیان سیاسی تصفیے کی بات ہوتی رہی تھی لیکن اس سلسلے میں کوئی فارمولا طے نہیں ہو سکا تھا۔ چنانچہ اس سلسلے میں غور و خوض کے بعد سیاسی تصفیے کے لئے مندرجہ ذیل شرائط رکھی گئیں جن کا اعلان پیر صاحب نے ایک پریس کانفرنس میں ۳ مئی ۱۹۷۷ء کو اسلام آباد میں کیا۔

۱۔ قومی و صوبائی اسمبلیوں کو توڑ کر از سر نو انتخابات کرائے جائیں۔
۲۔ الیکشن کمیشن کی نئی تشکیل عمل میں لائی جائے۔
۳۔ مسٹر بھٹو فوری طور پر مستعفی ہو جائیں۔
۴۔ ہنگامی حالت اور مارشل لاء ختم کر دیا جائے۔
۵۔ دفعہ ۱۴۴ کے تحت سیاسی سرگرمیوں پر سے پابندی اٹھا لی جائے۔

۶۔ ان تمام سیاسی اسیروں اور نظر بندوں کو بشمول وکلاء، طلبہ، صحافی اور مزدور و کسان جن کے خلاف جنوری تا ۷ مارچ ۱۹۷۷ء کوئی کارروائی کی ہے رہا کیا جائے اور ان پر قائم کئے گئے مقدمات واپس لئے جائیں۔

ملک کو فوج کے حوالہ کر دیا

مسٹر بھٹو نے ان شرائط کو نہ مانا اور اپنی ضد پر اڑے رہے۔ اوپر متحدہ محاذ کی تحریک زور پکڑتی رہی۔ بعد از خرابی بسیار وہ کسی قدر جھکے تو ساتھ ہی انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ پاکستان کا موجودہ سیاسی بحران امریکہ کا پیدا کردہ ہے اور وہ اتحاد اسلامی کی کوششوں کو پارہ پارہ کرنا چاہتا ہے۔ اس پر محض مسلم ممالک نے ہی دلچسپی کا اظہار کیا۔ اور پاکستان کے سیاسی بحران کو ختم کرانے کی کوششیں کیں۔ چنانچہ باہم مذاکرات کا یہ موقع پیدا ہوا۔ معلوم ہوتا تھا کہ مسٹر بھٹو اب اپنی ضد چھوڑ دیں گے اور متحدہ محاذ کے مطالبے کو تسلیم کر لیں گے۔ ابھی گفت و شنید کے بعد معاہدہ معرض تحریر میں آکر اس پر دستخط ہونے باقی تھے کہ حالات نے کچھ ایسا پلٹا کھایا کہ افہام و تفہیم کی تمام کوششیں دھری کی دھری رہ گئیں۔ دونوں متحارب گروپوں کا رویہ یک دم تبدیل ہو گیا اور دونوں ایک دوسرے کو اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کی باتیں کرنے لگے، یعنی جو طوفان بمشکل دبا تھا اس نے پھر سر اٹھایا۔ خطرہ تھا کہ کہیں صورت حالات خانہ جنگی میں تبدیل نہ ہو جائے کہ ملک میں مارشل لاء کے نفاذ کا اعلان کر دیا گیا۔

پیپلز پارٹی فسطائیت کے راستے پر

مارشل لاء لگنے سے پہلے غلام مصطفیٰ کھر مسلم لیگ کو چھوڑ دیتے ہیں۔ انہیں ۲۷ لاکھ روپیہ دیا جاتا ہے اور ایک پلان کا انچارج بنایا جاتا ہے۔ اس منصوبے کی تکمیل کیلئے جیپیں اور ویگنیں اور بھاری مقدار میں اسلحہ سرحد پار سے درآمد کیا جاتا ہے اور مختلف علاقوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ غالباً کسی مہینے کی ۲۴ر تاریخ تھی، کہ کھر صاحب اپنا رول اور اپنا اختیار جتانے کیلئے منصوبے کے کچھ حصوں کا ذکر کسی ریٹائرڈ جنرل سے کر دیتے ہیں۔ ہمیں بھی اس کا علم ہو جاتا ہے اور بھٹو کے ساتھ مصالحتی ٹیم جو فارمولا پیش کرنا چاہتی تھی ناکام ہو جاتا ہے۔ بھٹو میٹنگ بلا کر نقشوں کے ذریعہ الیکشن کا نقشہ کھینچتے ہیں۔ جنرل غلام جیلانی بھی شریک ہوتے ہیں۔ بھٹو بتاتے ہیں کہ انڈین فورسز پاکستان کی سرحدوں پر جمع ہو رہی ہیں۔ ہماری اطلاعات اس کے برعکس تھیں۔ چنانچہ ان اطلاعات کو غلط قرار دیکر پی این اے نے اپنے مطالبات پر قائم رہنے کا فیصلہ کیا۔

بھٹو نے جوائنٹ سپریم کونسل بنانے کی تجویز پیش کی جس کی نگرانی میں الیکشن ہوں گے۔ ویسے وہ الیکشن میں دھاندلی کے الزام کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ یہ تجویز متحدہ محاذ کی کونسل میں پیش ہوئی تو سب

نے اسے مسترد کر دیا۔

مسٹر بھٹو کا منصوبہ یہ تھا کہ اپنے چار پانچ آدمی قتل کر دیئے جائیں جن میں ممتاز بھٹو، غلام مصطفیٰ کھر اور کوثر نیازی شامل تھے۔ ان کے قتل کا الزام پی این اے پر آتا اور ان کے انتقام کے طور پر پیپلز پارٹی پی این اے کے لیڈروں کو قتل کراتی تیس آدمیوں کی لسٹ تیار کی گئی تھی۔ پھر ہتھیاروں سے پانچ لاکھ آدمی مروائے جاتے۔ اس منصوبے سے پہلے جنرل ضیاء الحق کی بجائے کسی اور کو جنرل بنایا جانا تھا۔

یہ منصوبہ خفیہ نہ رہ سکا۔ جب فوج نے دیکھا کہ دوبارہ بات چیت ممکن نہیں اور مکمل خطرات بڑھ رہے ہیں تو فوج نے اقتدار سنبھال لیا۔ جنرل محمد ضیاء الحق مسٹر بھٹو کے خاص معتمد تھے۔ وہ چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر بن گئے اور انہوں نے پورے ملکی نظام کو فوج کے حوالہ کر دیا۔ ایک فوجی کونسل ملکی امور انجام دینے کیلئے بنائی گئی۔ اس کے ساتھ ہی تقریباً تمام سیاسی لیڈروں کو نظر بند کر دیا گیا۔ مسٹر بھٹو بھی نظر بند ہو گئے اور اس طرح سیاسی رہنماؤں سے کسی سیاسی تصفیہ کی جو توقع تھی وہ ختم ہو گئی۔

مسٹر بھٹو کے غیر جمہوری ہتھکنڈوں نے ملک کو جمہوریت سے محروم کر دیا

اصل میں تو وہی وقت تھا جب شروع شروع میں قومی اسمبلی کے دوبارہ انتخابات کرانے کا مطالبہ قومی متحدہ محاذ نے کیا تھا۔ مسٹر بھٹو اسے اپنی انا کا مسئلہ نہ بناتے اور محاذ کے مطالبات کو مان لیتے تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا کہ ان کی پارٹی کو اکثریت حاصل نہ ہوتی اور وہ حزب اختلاف کا کردار ادا کرتے۔ اول تو بعض لوگوں کا یہ خیال تھا کہ اگر ناجائز ذرائع استعمال کئے بغیر آزادانہ و منصفانہ انتخابات دوبارہ کرا دیئے جاتے تو اس بات کا امکان تھا کہ ان کی پارٹی غالب اکثریت سے نہیں تو معمولی اکثریت سے ضرور کامیاب ہو جاتی۔ لیکن یہ خطرہ وہ مول لینے کیلئے تیار نہ تھے کہ وہ کرسی اقتدار سے ہٹ کر حزب اختلاف کی صف میں بیٹھیں چنانچہ مسلسل اپنے رویہ سے حالات کو خراب سے خراب تر کرتے رہے۔ شروع شروع میں تو جنرل ضیاء کے دل میں بھی ان کا بڑا احترام تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں کریں گے کہ انتخابات دوبارہ کرا دیں۔

فوج سے انتخابات کی توقعات

چنانچہ انہوں نے مارشل لاء کے نفاذ کے بعد اپنی نشری تقریر میں کہا تھا کہ

"انتخابات کا آزادانہ اور غیر جانبدارانہ انعقاد میرا واحد مقصد ہے اور میں کسی بھی صورت میں اس سے انحراف نہیں کروں گا۔ آئندہ تین ماہ کے دوران میری تمام تر توجہ انتخابات پر مرکوز ہو گی اور میں چیف مارشل لاء

ایڈ منسٹریٹر کی حیثیت سے اپنے اختیارات دوسرے معاملات پر ضائع نہیں کروں گا"

چنانچہ اگست کے شروع میں فوجی کونسل نے قومی و صوبائی اسمبلیوں کیلئے ۱۸ر اکتوبر کو پولنگ کرانے کا فیصلہ کیا اور اس کی روشنی میں الیکشن کمیشن نے انتخابی پروگرام کا اعلان کر دیا۔

پروگرام کے مطابق کاغذات نامزدگی داخل کرنے کی تاریخ ۷ر اگست سے ۱۸ر اگست تک۔ کاغذات نامزدگی کی واپسی یکم ستمبر تک اور امیدواروں کی حتمی فہرست کی اشاعت کیلئے ۴ر ستمبر مقرر ہوئی۔

الیکشن کمیشن کے اعلان کے بعد بعض حلقوں کا خیال تھا کہ شاید پیپلز پارٹی انتخابات کا بائیکاٹ کرے گی لیکن اس نے انتخابات میں حصہ لینے کا اعلان کر کے اس تذبذب کو ختم کر دیا۔ تاہم اس سلسلے میں پیپلز پارٹی کی طرف سے جو بیان جاری کیا گیا تھا اس میں کہا گیا تھا۔

"اگرچہ ملک میں پیپلز پارٹی کیلئے ماحول ناساز گار بنا دیا گیا ہے لیکن پھر بھی انتخابات میں حصہ لیا جائے گا اور اس چیلنج کا مقابلہ کیا جائے گا۔"

الیکشن کمیشن اور چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر کی طرف سے پیپلز پارٹی کے شبہات کو دور کیا گیا اور یہ یقین دلایا گیا کہ

"اکتوبر میں منصفانہ اور آزادانہ انتخابات کرانے کیلئے انتخابی قوانین میں مناسب تحفظ دیدیا گیا ہے اور وہ تمام اقدامات کر لئے گئے ہیں جو انسان کے بس میں ہوتے ہیں۔

صدر جنرل ضیاء نے یہ بھی کہا تھا کہ

"مسلح افواج اور عدلیہ انتخابات کی نگرانی کریں گی اور افواج کسی قسم کے دباؤ یا خوف و خطر کی پروا کئے بغیر اپنا فرض ادا کریں گی۔ اور قوم کے اعتماد پر پورا اتریں گی"

انہوں نے سیاسی جماعتوں کو مخاطب کرتے ہوئے یہ انتباہ بھی کیا تھا کہ

"انتخابات سے پہلے اور بعد میں امن و امان برقرار رکھنا فوج کی ذمہ داری ہے اور وہ ہر قیمت پر امن و امان برقرار رکھے گی۔ تمام سیاسی جماعتوں کا فرض ہے کہ وہ انتخابی مہم کے دوران مثبت اور تعمیری انداز اختیار کریں اور ان پر جو اخلاقی ذمہ داری عاید ہوتی ہے اس سے وہ صحیح طور پر عہدہ برآ ہونے کی کوشش کریں"

متحدہ محاذ میں یکجہتی نہ رہی

اس اعلان کے بعد متحدہ قومی محاذ نے انتخابات کی تیاریاں شروع کر دیں۔ متحدہ محاذ میں شامل جماعتوں نے قومی و صوبائی اسمبلیوں کی نشستوں کی تقسیم کا فیصلہ کر کے اپنے اپنے طور پر پارلیمنٹری بورڈ قائم کر لئے تھے جنھوں نے اپنی جماعتوں کے امیدواروں کو انتخابی ٹکٹ دیئے تھے۔ اس موقع پر بعض جماعتوں کی طرف سے کچھ ایسی زیادتیاں ہوئیں کہ محاذ نے اتحاد کی جو فضا قائم کی تھی وہ مکدر ہونے سے محفوظ نہ رہ سکی۔ بہرحال مسلم لیگ کی طرف سے قومی اسمبلی کیلئے جو ٹکٹ دیئے گئے تھے ان میں پیر صاحب پگاڑا بھی شامل تھے۔ ان کی انتخابی مہم میرے سپرد ہوئی تھی۔ چنانچہ میں نے اس سلسلے میں ایک پریس کانفرنس کے ذریعہ جو بہاولپور میں دی گئی تھی یہ اعلان کیا "پاکستان مسلم لیگ کے سربراہ پیر صاحب پگاڑا لاڑکانہ سے قومی اسمبلی کا انتخاب لڑیں گے۔"

مسلم لیگ کی طرف سے میرا انتخابی دورہ

میں نے انتخابات سے قبل اس لئے پاکستان کے مختلف علاقوں کا دورہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا کہ بدلے ہوئے حالات کے پیش نظر امیدواروں کے حالات کا جائزہ لیا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ جن لوگوں کو محاذ کی طرف سے پہلے ٹکٹ دیئے تھے ان کی پوزیشن کیا ہے۔ ایک مقصد یہ بھی تھا کہ ان اصحاب سے ملاقات کی جائے جو پیپلز پارٹی چھوڑ کر مسلم لیگ یا محاذ کی دوسری جماعتوں میں آرہے ہیں۔ متحدہ محاذ کے لیڈروں کی یہ خواہش تھی کہ قومی اتحاد کی تحریک کے دوران جو قربانیاں دی گئی تھیں انہیں نظر میں رکھ کر یہ جائزہ بھی لیا جائے کہ آیا ہمارے امیدوار مختلف حلقوں کیلئے قابل قبول ہیں یا وہ کوئی تبدیلی چاہتے ہیں۔ ہماری یہ کوشش تھی کہ ایسے امیدوار میدان میں آئیں جو مخالف امیدواروں کو ہرانے کی اہلیت رکھتے ہیں۔

میں نے اس کام کا آغاز بہاولپور سے کیا تھا۔ یہاں پیپلز پارٹی کے پہلے امیدواروں میں سے کئی صاحبان پیپلز پارٹی سے علیحدہ ہو گئے تھے اور وہ دوسری جماعتوں کے ٹکٹ پر انتخاب لڑنے کے خواہاں تھے۔ میں نے ان میں سے کچھ صاحبان سے ملاقات کی جو مسلم لیگ کے ٹکٹ کے خواہش مند تھے لیکن چونکہ مسلم لیگ اپنے تقسیم کردہ ٹکٹوں میں بلاوجہ کوئی ترمیم نہیں کرنی چاہتی تھی اس لئے نئے خواہش مند لوگوں کو ٹکٹ دینا مشکل تھا۔ میں نے ان پر یہی زور دیا کہ وہ اپنے لئے ٹکٹ لینے کے بجائے پہلے مقررہ امیدواروں کی حمایت کریں۔ کچھ لوگ تو میری بات مان گئے لیکن پھر بھی کئی ایسے لوگ باقی رہ گئے جو ہر قیمت پر انتخاب لڑنا چاہتے تھے چاہے انہیں آزاد امیدوار کے طور پر انتخاب لڑنا پڑے۔ بہرحال بہاولپور ڈویژن کی قومی و صوبائی اسمبلیوں کی نشستوں کیلئے متحدہ محاذ کے امیدواروں میں کوئی ردوبدل نہیں کیا گیا دوسرے علاقوں کی صورت بھی حسب سابق رہی۔ البتہ پیپلز پارٹی کو اپنے امیدواروں میں خاصی تبدیلی کرنی پڑی تھی۔

پیپلز پارٹی کے دور کی خرابیوں کی چھان بین

انتخابات کی تیاریاں ہو رہی تھیں کہ یکایک حکومت کی سرگرمیوں کا رخ انتخابات کے ساتھ ساتھ پیپلز پارٹی کے دور کی دوسری خرابیوں کی طرف مڑنے لگا۔ مسٹر بھٹو کا کچا چٹھا کھولا جانے لگا۔ قتل' اغوا' غیر قانونی حراست' غبن' قومی سرمایہ کا ضیاع اور ایسے بیشمار جرائم جن کے ارتکاب کا الزام سابقہ حکومت پر تھا ایک ایک کر کے سامنے آنے لگے۔

عین انتخابات کے وقت جب ان میں صرف ایک ماہ باقی تھا جس میں انتخابی مہم شروع ہونی تھی تطہیر اور اصلاح احوال کے عمل کے معنی یہ تھے کہ قوم انتخابات پر توجہ نہ دے سکے اور جمہوریت کی منزل جو قریب نظر آ رہی تھی وہ نظروں سے دور ہو جائے۔

اس موقع پر قانونی چارہ جوئی اور عدالتی جوابدہی کے چکر میں پھنسنے سے پیپلز پارٹی کو یہ شکایت بھی پیدا ہونی قدرتی بات تھی کہ انہیں اس طرح انتخابی سرگرمیوں میں حصہ لینے سے محروم کیا گیا ہے۔

انتخابات میں رکاوٹ

یہی نہیں مارشل لاء کی طرف سے انہی دنوں ایک ضابطے کا اعلان کیا گیا جس کے تحت قومی و صوبائی اسمبلیوں اور سینٹ کے سابقہ ممبروں اور اکتوبر ۱۹۷۷ء میں ہونے والے انتخابات کے امیدواروں کو اس امر کا پابند کیا گیا کہ وہ ۱۹۷۰ء سے ۱۹۷۷ء تک کے عرصے میں حاصل کردہ اپنے اثاثوں اور املاک کے گوشوارے داخل کریں تاکہ اگر مارشل لاء کے اس ضابطے کے تحت ان گوشواروں کی چھان بین کے نتیجے میں کسی شخص کے متعلق یہ ثابت ہو جائے کہ اس نے ناجائز ذرائع سے دولت جمع کی ہے تو اسے انتخابات میں حصہ لینے کا نااہل قرار دیدیا جائے۔

اس ضابطے کی افادیت اپنی جگہ لیکن سوال وقت کا تھا۔ یہ کارروائی یا تو انتخابات سے کچھ عرصہ قبل کی جاتی یا پھر انتخابات کے بعد اس سلسلے میں قدم اٹھایا جاتا۔ کیونکہ اس وقت اس کام سے جہاں انتخابی پروگرام میں رخنہ پڑ سکتا تھا وہاں انتخابات میں حصہ لینے والوں کیلئے بھی دشواری کا موجب بن سکتا تھا۔

اسی وجہ سے سیاسی حلقوں نے مارشل لاء کے اس ضابطے پر انتخابات سے صرف ایک ماہ قبل عمل درآمد کی مخالفت کی۔ متحدہ محاذ نے مسٹر بھٹو پر آئین کی خلاف ورزی اور اسے مسخ کرنے کا الزام لگایا تھا جس کی نوعیت ایک سنگین جرم کی تھی۔ لیکن محاذ کا موقف یہ تھا کہ وہ برسر اقتدار آنے کے بعد اس سلسلے میں مسٹر بھٹو کے خلاف کارروائی کریگا۔

مناسب بھی یہی تھا کہ پہلے اقتدار کی پرامن منتقلی ہو جاتی جو انتخابات کے بعد ہی عمل میں آ سکتی تھی اور اس کے بعد تطہیر و احتساب کا سلسلہ شروع ہوتا۔ کیونکہ جب آئین کی خلاف ورزی اور اسے مسخ کرنے

کے جرم کی پاداش کیلئے اقتدار کی منتقلی کا انتظار کیا جا سکتا تھا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ دوسرے جرائم اور الزامات کے سلسلے میں ہونے والی موجودہ کارروائیوں کو کچھ عرصے کیلئے معرض التوا میں نہ رکھا جا سکتا۔

حکومت کی طرف سے ان اقدامات کے نتیجے میں نجی اور شخصی نوعیت کی شکایات بھی ایک طوفان کی طرح ابھر کر سامنے آنے لگیں جن پر قانون وانصاف کے محافظ اداروں کا حرکت میں آنا ناگزیر تھا۔

اگر مارشل لاء کے ہی کسی ضابطے کے ذریعہ انہیں بھی کم از کم انتخابات تک کیلئے روک دیا جاتا تو مجوزہ پروگرام کے مطابق انتخابات بخیر وخوبی ہو جاتے۔ لیکن

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

مسٹر بھٹو کے خلاف مقدمات کا آغاز

مسٹر بھٹو اور انکے ساتھیوں کے خلاف فوجی عدالت میں مقدمے دائر کر دیئے گئے اور عدالتی کارروائی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اگرچہ جنرل ضیاء نے ایک بیان کے ذریعہ یہ یقین دہانی کرائی تھی کہ فوجی عدالت سے ان مقدمات کا فیصلہ انتخابات سے پہلے کر دیا جائیگا اور ملزموں کو صفائی کا بھی پورا پورا موقع دیا جائیگا۔ چنانچہ انہوں نے کہا تھا کہ :

"مسٹر بھٹو خود بار بار یہ پیشکش کر چکے تھے کہ انکے خلاف الزامات کی باقاعدہ تحقیقات کرائی جائے جسے ہم نے قبول کر لیا ہے"۔

ظاہر ہے کہ تحقیقات کا یہ عمل اتنا آسان نہیں تھا جس کا اظہار جنرل صاحب نے اپنے بیان میں کیا تھا کیونکہ سابقہ حکومت کے جو کرتوت سامنے آئے تھے انکی چھان بین اور پھر انکے خلاف عدالتی چارہ جوئی چند دنوں میں ممکن نہیں تھی۔ خود جنرل صاحب نے کہا تھا کہ :

"سابق حکومت نے سول اداروں کو باقاعدہ منصوبے کے تحت تباہ کیا۔ سرکاری افسروں، عملے اور دیگر تمام مشینری کو ذاتی اور پارٹی کے مقاصد کیلئے بے دریغ استعمال کیا گیا۔ قانون کا تحفظ کرنے والے اداروں کو سیاسی مخالفین کے خلاف وحشیانہ انداز میں استعمال کیا گیا۔ طبقاتی نفرت پیدا کی گئی اور لسانی عصبیت کو ہوا دی گئی۔ مارچ ۱۹۷۷ء کے انتخابات میں وسیع پیمانے پر دھاندلی کی گئی۔ سرکاری افسروں، گاڑیوں اور ذرائع مواصلات کو حکمرانوں کی، جماعت کی تشہیر اور اس کیلئے کام کرنے کیلئے استعمال کیا گیا۔

دھاندلی کے بل پر برسر اقتدار آنے والی حکومت کیلئے کوئی اخلاقی اور قانونی جواز نہیں رہا تھا لیکن یہ پھر بھی اقتدار سے چمٹی رہی۔ عبوری حکومت کی یہ خواہش ہے کہ عوام کے سامنے ان افراد کا حقیقی روپ لایا جائے تا کہ وہ

آزادانہ اور منصفانہ انتخابات میں اپنے ووٹ کا صحیح استعمال کر سکیں۔
چونکہ ان حقائق کی پردہ پوشی قطعاً غیر اخلاقی بات ہوگی اس لئے فیصلہ
کیا گیا ہے کہ جو اطلاعات سامنے آتی جائیں قوم کو اعتماد میں لیکر پیش کر
دیجائیں"۔

اس کا صاف مقصد یہ تھا کہ معینہ مدت میں انتخابات کرنے کا پروگرام ملتوی ہوجائیگا اور حکومت کی ساری توجہ انتخابات کرانے کے بجائے سابقہ بداعمالیوں کے محاسبے پر مرکوز ہو جائیگی۔ چنانچہ ہوا بھی یہ کہ حکومت ان معاملات میں الجھتی ہی چلی گئی اور اکتوبر بھی گزر گیا۔

مسز بھٹو کی طرف سے مسٹر بھٹو کی نظر بندی کے خلاف قانونی چارہ جوئی

مسز بھٹو نے سپریم کورٹ میں مسٹر بھٹو کی نظر بندی کے خلاف حبس بے جا کی جو درخواست دی تھی اسکا فیصلہ ۱۰ر نومبر کو ہوا۔ اس درخواست میں بعض آئینی نکات بھی اٹھائے گئے تھے اور یہ استدعا بھی کی گئی تھی کہ سپریم کورٹ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کو انتخابات منعقد کرانے کی ہدایت کرے۔ لیکن سپریم کورٹ نے اس درخواست کو مسترد کرتے ہوئے یہ لکھا کہ:

سپریم کورٹ کا مؤقف

"سپریم کورٹ کو انتخابات منعقد کرانے کیلئے چیف مارشل ایڈمنسٹریٹر
کو ہدایات جاری کرنے کا کوئی اختیار نہیں۔
چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے "آئین سے ماوراء" اقدام کو صرف
اس بناء پر جائز قرار نہیں دیا گیا کہ انہوں نے ایک ایسے بحران سے ملک کو
بچانے کیلئے کارروائی کی ہے جو آئین کے عملاً معطل ہو جانے کی وجہ سے پیدا ہوا
تھا۔ بلکہ عدالت کیلئے یہ فیصلہ دینا اس لئے ممکن ہوا کہ انہوں نے یہ وعدہ کیا
ہے کہ "آئین سے انحراف کا یہ عرصہ انتہائی مختصر ہوگا اور اسطرح انکی تمام
توجہ اور قوت اس مقصد پر صرف ہوگی کہ ملک میں جلد از جلد منصفانہ انتخابات
کرائے جائیں اس لئے عدالت توقع رکھتی ہے کہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر
اپنے وعدے کو پورا کریں گے اور محسوس کریں گے کہ انکا یہی وعدہ پاکستان
کے عوام کی جانب سے فرائض کا وہ پروانہ ہے جسکی بنیاد پر عوام نے بخوشی ان کی
حکومت کو پاکستان کی عبوری حکومت تسلیم کیا ہے"۔

سپریم کورٹ کے اس فیصلے نے صدر جنرل ضیاء کے ہاتھ مضبوط کر دیئے اور اس سے پہلے جو وہ زور

فوری انتخابات پر دے رہے تھے اسمیں کمی آ گئی۔ یہ صورت حالات سیاسی حلقوں کیلئے موجب تشویش تھی۔ یہاں تک کہ وہ حلقے جو قبل ازیں احتساب کے عمل کو انتخابات سے پہلے ضروری قرار دیتے تھے انکی بھی اب یہ رائے تھی کہ سیاستدانوں کے خلاف احتسابی کارروائی انتخابات کی راہ میں حائل نہیں ہونی چاہیئے۔

احتساب کے عمل نے قوم کو انتخابات سے دور کر دیا

اس سلسلے میں قومی اتحاد کا ایک وفد بھی جنرل ضیاء سے ملا۔ جسکے ایجنڈے میں فوری انتخابات کا مطالبہ سرفہرست تھا۔ اس نے سیاسی سرگرمیوں پر سے پابندی ختم کرنے پر بھی زور دیا تھا۔ حقیقتاً چند نا اہل اور بد دیانت افراد کی خاطر سات کروڑ عوام کو نمائندگی سے محروم کرنا قرین انصاف نہیں تھا۔ لیکن اب جو احتساب کا عمل شروع ہو چکا تھا اسے روک دینا یا اسکی تکمیل نہ کرنا بھی کسی طرح مناسب نہ تھا۔ اسلئے سیاستدانوں بالخصوص قومی متحدہ محاذ کی یہ رائے تھی کہ اگر انتخابات معرض التواء میں پڑے تو لوگوں کے دلوں میں موجودہ عبوری حکومت کے متعلق شکوک و شبہات پیدا ہوں گے اس لئے انتخابات کیلئے کسی قریبی تاریخ کا ضرور اعلان ہو جانا چاہیئے۔ لیکن اس سیاسی دباؤ کے باوجود جنکے ہاتھ میں عنان حکومت ہے ان کیلئے اسے مسلسل التواء میں رکھنے کا جواز نکلتا رہا اور وہ محاسبے اور اصلاح کی ضرورت پر زور دیتے رہے۔

متحدہ محاذ کی عمارت میں شگاف پڑ گیا۔

اس صورت حالات کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ مختلف سیاسی جماعتوں کے درمیان جو اتحاد قائم ہوا تھا اور جس نے مسٹر بھٹو کی آمرانہ حکومت سے نجات حاصل کرنے اور نظام مصطفیٰ کے نفاذ کیلئے راہ ہموار کرنے میں زبردست قربانیاں دی تھیں اسمیں شگاف پڑنے شروع ہو گئے۔ بعض جماعتوں کے لیڈروں نے اس عارضی حکومت کا قرب حاصل کرنے کے شوق میں باہم اعتماد کی وہ فضا ختم کر دی جو تحریک کے زمانے میں پیدا ہوئی تھی۔ چنانچہ اس فضا میں قومی اتحاد کے نئے انتخابات عمل میں آئے تو یہ اختلاف کھل کر سامنے آ گئے۔ جمعیت علمائے پاکستان کے صدر مولانا شاہ احمد نورانی نے ان نئے انتخابات کا بائیکاٹ کیا۔ انکا مؤقف یہ تھا کہ محاذ میں شامل تمام جماعتیں مساوی حقوق رکھتی ہیں اور محاذ کا پہلے سے یہ طے شدہ اصول ہے کہ تمام فیصلے متفقہ ہوں گے اس لئے اب اس اصول کو نظر انداز کر کے اکثریت کی بنیاد پر انتخابات کرانا اتحاد کی روح کے منافی ہے۔ انکے اس نہایت معقول مؤقف کے باوجود محاذ نے کثرت رائے سے انتخابات کرا لئے اور مفتی محمود صدر اور پروفیسر عبدالغفور سیکرٹری چن لئے گئے۔

اگرچہ اسکے فوری بعد جمعیت علمائے پاکستان محاذ سے علیحدہ نہیں ہوئی لیکن اس سے محاذ کی شکست و ریخت کا دروازہ کھل گیا۔ ایئر مارشل اصغر خان کی تحریک استقلال تو خود ایئر مارشل کی افتاد طبع کی وجہ سے

محاذ سے پہلے ہی علیحدہ ہو گئی تھی۔ اب دوسری جماعتیں بھی ایک ایک کر کے اس سے الگ ہونے لگیں۔ چنانچہ اسکا قومی اتحاد کو تو جو نقصان ہوا سو ہوا پوری قوم مایوسی و حرمان زدگی کا شکار ہو گئی۔ جنرل ضیاء اگرچہ اب بھی نفاذ اسلام اور انتخابات کی باتیں کر رہے تھے لیکن اس ٹوٹ پھوٹ سے فائدہ اٹھا کر انہوں نے ۱٦ ارکان پر مشتمل ایک مشاورتی کونسل مقرر کر دی جس میں فوج کے اعلیٰ اور بعض غیر سیاسی حضرات بھی شامل تھے۔ اس اقدام نے انتخابات کے فوری انعقاد کی توقع بھی ختم کر دی۔ لیکن پھر بھی سیاسی جماعتیں اپنے طور پر بحالی جمہوریت کی کوششوں میں لگی ہوئی تھیں اور کمروں میں بیٹھ کر اپنے اجلاس منعقد کر لیتی تھیں کہ مارشل لاء گورنمنٹ نے یکایک ان سیاسی سرگرمیوں پر بھی پابندی لگا دی۔ اسکا ذمہ دار یقیناً وہ طبقہ تھا جو تشدد کی سیاست پر یقین رکھتا تھا اور اس نے ملک میں توڑ پھوڑ کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ لیکن میری رائے میں اگر سیاسی سرگرمیوں پر پابندی لگانے کے بجائے اس عنصر کے خلاف کارروائی کی جاتی تو زیادہ بہتر ہوتا اور اسطرح جمہوریت کا راستہ بند ہونے کے بجائے کشادہ رہتا۔

مسٹر بھٹو کو سزائے موت

بہر حال ابھی پاکستان کی جمہوری منزل متعین نہیں ہوئی تھی کہ نواب احمد خاں قصوری کے مقدمہ قتل میں مسٹر بھٹو کو لاہور ہائیکورٹ نے سزائے موت کا حکم سنا دیا۔ یہ شاید عدالتی نظام کی تاریخ میں پہلا موقع تھا کہ سیشن جج کی بجائے براہ راست مقدمہ قتل کی سماعت ہائیکورٹ نے کی تھی۔

اس مقدمے کے مدعی نواب احمد خاں مرحوم کے صاحبزادے احمد رضا خاں قصوری تھے جو کبھی پیپلز پارٹی کے کرتا دھرتا اور مسٹر بھٹو کے معتمد خاص سمجھے جاتے تھے۔ پھر بقول انکے مسٹر بھٹو انکے مخالف ہو گئے اور یہ مخالفت دشمنی میں تبدیل ہو گئی جو بالآخر ان کے والد کے قتل پر منتج ہوئی۔

اس واقعے نے ملک میں کافی ہلچل پیدا کی۔ مسٹر بھٹو اب تک اپنے خلاف مقدمہ قتل کو شاید مذاق سمجھ رہے تھے لیکن اسمیں جب انہیں سزائے موت سنائی گئی تو انہیں پتہ چلا کہ بات یہاں تک بڑھ گئی ہے۔ چنانچہ سپریم کورٹ میں انکی طرف سے اس فیصلے کے خلاف اپیل دائر کر دی گئی اور انکی پارٹی اپنے مستقبل کے متعلق سوچنے لگی۔

جنرل ضیاء کا انتخابات سے اجتناب

جنرل ضیاء جہاں اس مقدمے کے عواقب و نتائج پر نظر رکھے ہوئے تھے وہاں اپنی حکومت کے استحکام کی فکر میں بھی لگے ہوئے تھے اس سلسلے میں انہوں نے ایک بار قومی حکومت کا شوشہ بھی چھوڑا اور مختلف سیاسی رہنماؤں سے صلاح مشورے بھی کئے لیکن بعض سیاسی جماعتیں اس سے متفق نہ ہوئیں۔ خاص طور پر تحریک استقلال کے ایئر مارشل اصغر خان نے اس کی ضرورت سے ہی انکار کر دیا میری رائے

میں اگر قومی حکومت قائم کر دی جاتی اور اس کے ذمہ صرف یہ کام ہوتا کہ وہ ملک میں انتخابات کا اہتمام کرے تو ملک کے حق میں بہتر ہوتا چنانچہ قومی اتحاد کا بھی یہ مؤقف تھا کہ اگر قومی حکومت قائم ہوتی ہے تو وہ واقعی قومی حکومت ہو اور اسے ملک میں جمہوریت بحال کرنے اور آزادانہ و منصفانہ انتخابات کے لئے انتظامات کرانے کا مکمل اختیار ہو، لیکن اس سلسلے میں سیاسی لیڈروں کے صدر جنرل محمد ضیاء الحق سے جو مذاکرات ہوئے وہ نتیجہ خیز ثابت نہیں ہو سکے۔

اس کے بعد جنرل ضیاء نے قومی حکومت کی تشکیل کا ارادہ ترک کر کے سول حکومت کے قیام کی تجویز پیش کی سیاسی جماعتوں میں اس کی بھی پذیرائی ہوئی اور قومی اتحاد نے سول حکومت کے بجائے انتخابات کی حتمی تاریخ کے اعلان کا مطالبہ زیادہ شدت سے کرنا شروع کر دیا۔اس رد عمل پر حکومتی دوائر میں یہ باتیں ہونے لگیں کہ حکومت کچھ عرصے کے لئے تمام سیاسی جماعتوں کو کالعدم قرار دے دے۔ پھر ان کی نمائندہ قومی حیثیت پروگرام اور نظریات کا جائزہ لے اور جو جماعت مقررہ معیار پر پوری اترے صرف اسے بحال کیا جائے۔

سیاسی جماعتوں پر اس کا ردّ عمل بھی خوشگوار نہ ہوا اور وہ یہی اصرار کرتی رہیں کہ ملک میں سیاسی سرگرمیاں بلا تاخیر جاری کرنے کی اجازت دی جائے بعد میں وہ اس حد تک راضی ہو گئی تھیں کہ اگر کوئی غیر سیاسی سول حکومت قائم کی جاتی تو وہ انتخابات تک اس سے تعاون کریں گے۔

بات پھر اس سے آگے بڑھی تو متحدہ محاذ نے شرط پیش کی کہ مجوزہ سول حکومت میں وزراء کی نامزدگی کا اختیار قومی متحدہ محاذ کو ہونا چاہئے لیکن صدر جنرل ضیاء کے نزدیک یہ شرط در خور اعتنا نہ تھی اور ہوتی بھی کیسے، متحدہ محاذ اپنا بھرم کھو چکی تھی پہلے تحریک استقلال کی علیحدگی نے اسے کمزور کیا تھا پھر جمعیت علمائے پاکستان کے ساتھ اس کے طرز عمل نے اس کی رہی سہی ساکھ بھی گنوا دی تھی۔

سول حکومت کی تجویز

صدر جنرل محمد ضیاء الحق کو قومی متحدہ محاذ سے مایوسی ہوئی تو انہوں نے سول حکومت کے قیام کی تجویز میں یہ ترمیم کی کہ وہ ایسی سول حکومت تشکیل دیں گے جو ماہرین اور سیاسی و غیر سیاسی افراد پر مشتمل ہو گی۔

قومی محاذ اسے اپنی سیاسی شکست سمجھتی تھی اس لئے اس نے صدر کی اس تجویز پر یہ فیصلہ کیا کہ متحدہ محاذ میں شریک جماعت کا کوئی رکن مجوزہ سول حکومت میں شامل نہ ہو گا اور اگر کسی نے اس فیصلے کی خلاف ورزی کی تو اسے قومی محاذ سے الگ کر دیا جائے گا۔

قومی محاذ کے اس فیصلے کے باوجود بعض جماعتوں کے ارکان صدر ضیاء کی سول حکومت میں شامل ہو گئے۔اس سے اور جماعتوں کو تو کوئی نقصان پہنچا یا نہیں لیکن مسلم لیگ جس کے مختلف دھڑے خدا خدا کر کے ایک ہوئے تھے پھر انتشار کا شکار ہو گئی کیونکہ مسلم لیگ کے چار ارکان اس میں شامل ہو گئے تھے۔

مسلم لیگی ارکان کی شمولیت سے صدر صاحب کے ہاتھ ہی مضبوط نہیں ہوئے انہیں اپنی سول حکومت کے قیام کی تجویز کو پروان چڑھانے کا بھی موقع اسی وجہ سے ملا۔ مسلم لیگ کے ساتھ جماعت اسلامی اور جمعیت علمائے اسلام بھی سول حکومت میں شامل ہو گئی تھی لیکن افسوس قومی محاذ نے اپنے فیصلے کے مطابق ان میں سے کسی کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی۔

اس صورت حال سے بددل ہو کر نیز متحدہ محاذ کے اس طرز عمل کے خلاف کہ محاذ میں شامل جماعتوں کو مساوی نمائندگی ملنی چاہیے اور تمام فیصلے کثرت رائے کے بجائے اتفاق رائے سے ہونے چاہئیں جمعیت علمائے پاکستان نے بطور احتجاج اس سے علیحدگی اختیار کر لی اور کئی جماعتیں بھی محاذ سے منسلک نہیں رہیں لیکن اس کے باوجود محاذ قائم رہا۔ گو اس کی وہ حیثیت جو تحریک کے وقت تھی باقی نہیں رہی۔

ملک مزید سیاسی افراتفری کا شکار

سیاسی جماعتوں کے ارکان کی وزارت میں شمولیت نے ملک کو سیاسی استحکام بخشنے کے بجائے مزید افراتفری کا سامان پیدا کر دیا۔ جو جماعتیں ایک جان دو قالب نظر آنے لگی تھیں الگ الگ ہو کر جماعتی آویزشوں اور ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی پر اتر آئیں۔ مسلم لیگ کے وہ دھڑے جنھوں نے اپنی انفرادیت ختم کر کے ایک جماعت میں خود کو ضم کر دیا تھا پھر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئیں۔ ایک دھڑے نے مسلم لیگ کے متفقہ صدر پیر پگاڑا کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ صدر ایوب کی کنونشن لیگ کے جنرل سیکرٹری ملک محمد قاسم خاص طور پر اس میں پیش پیش تھے۔ انہوں نے پیر صاحب کو صدارت سے علیحدہ کرنے کی باقاعدہ مہم شروع کر دی اور تحریک عدم اعتماد پیش کرنے کے لئے اجلاس بھی طلب کر لیا۔ یہ بات کس قدر افسوس ناک تھی کہ پیر صاحب جن کے ذاتی مقاصد کچھ نہیں تھے اور جو محض قومی مفاد کی خاطر سیاست میں آئے تھے اور جنھوں نے مسلم لیگ کی صدارت محض مسلم لیگ کی صفوں میں زیادہ سے زیادہ اتحاد پیدا کرنے کے لئے قبول کی تھی وہ سازشی عناصر کی فتنہ سامانیوں کا نشانہ بن گئے۔ خیر ان کے خلاف تحریک عدم اعتماد تو پیش نہیں ہو سکی لیکن اس سے اختلافات کی خلیج مزید وسعت اختیار کر گئی ایک موقع پر مسٹر محمد حسین چٹھہ کو مسلم لیگ کا سیکرٹری بنا کر حالات کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی گئی لیکن بالآخر وہ بھی بددل ہو کر کنارہ کر گئے۔

سپریم کورٹ نے مسٹر بھٹو کی سزائے موت کی توثیق کر دی

جماعتوں کی یہ کشمکش جاری تھی کہ مسٹر بھٹو کے مقدمہ قتل کے فیصلے کی سپریم کورٹ نے بھی توثیق کر دی اور ان کی سزائے موت بحال رکھی۔ پھر رحم کی درخواست بھی صدر ضیاء نے منظور نہیں کی خیال تھا کہ اس پر زبردست ہنگامہ برپا ہوگا لیکن بڑی خاموشی سے ان کی سزا پر عمل درآمد ہو گیا۔

۱۹۷۹ء میں بھی انتخابات نہ ہو سکے۔

صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے ۱۹۷۹ء کے سال کو انتخابات کا سال قرار دیا تھا امید تھی کہ مسٹر بھٹو کا قضیہ ختم ہونے کے بعد وہ کسی حتمی تاریخ کا اعلان کریں گے لیکن سیاسی حلقے وہ دن گنتے ہی رہ گئے۔

اصولاً تو انتخابات کی راہ میں اب کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہی تھی۔ بدعنوان حکومت کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ سیاستدانوں کے محاسبے کا عمل شروع ہو چکا تھا اور نظام مصطفےٰ کے نفاذ کی راہ بھی ہموار ہو چکی تھی لیکن رموز مملکت خویش خسرواں دانند کے مصداق نہ جانے اب کون سی مصلحت تھی جو انتخابات کرانے میں مزاحم تھی حکومت کی طرف سے بس اتنا کہا گیا کہ ابھی ملک کے حالات اس قابل نہیں کہ انتخابات کرائے جائیں۔ تھوڑی بہت گڑبڑ تو ملک میں ہوتی ہی رہتی ہے آخر پیپلز پارٹی کی حکومت کو ختم کیا گیا تھا مسٹر بھٹو کو کیفر کردار تک پہنچایا گیا تھا اور کافی لوگ تعزیر واحتساب کے عمل سے دوچار ہوئے تھے اس لئے اگر بعض گوشوں سے اس کے منفی اثرات کا پتہ چلتا تھا تو یہ کوئی تشویش کی بات نہیں تھی جب جمی جمائی حکومت اکھڑ سکتی تھی تو اس کے باقیات کی شورہ پشتی پر بھی قابو پایا جا سکتا تھا جہاں تک بین الاقوامی حالات کا تعلق ہے ان کے اتار چڑھاؤ تو ہوتے رہتے ہیں لیکن ان سے ڈر کر کوئی ملک اپنے کام بند نہیں کر دیتا۔ چنانچہ ہمارے سامنے ایسی کئی مثالیں ہیں کہ غیر معمولی نوعیت کے واقعات کے باوجود ملکوں کا نظم ونسق برقرار رہا اور معمول کے مطابق ان ملکوں میں انتخابات بھی ہوئے۔ چنانچہ بنگلہ دیش قتل وغارت گری کے عمل سے دوچار ہوا ملک کے صدر کو گولی کا نشانہ بنا دیا گیا' گلی کوچوں میں خون کی ندیاں بہہ گئیں لیکن انتخابات اپنے مقررہ وقت پر ہوئے۔ ایران کا انقلاب تو اس صدی کا سب سے بڑا انقلاب ہے سینکڑوں نہیں ہزاروں لوگ اس میں کام آئے۔ خانہ جنگی بھی ہوئی وزراء اور فوجی افسروں کو سزائے موت بھی دی گئی اس کے ساتھ عراق کی جارحیت نے جنگ کی صورت پیدا کر دی یعنی اندرون ملک جو شورش برپا تھی وہ تو تھی ہی ایران کی سرحدوں پر بھی گولہ باری شروع ہو گئی ان حالات میں ایران اگر جمہوری عمل سے گریز کرتا تو کسی کو تعجب نہ ہوتا لیکن تعجب اس پر ضرور ہے کہ وہاں ان غیر معمولی حالات نے انتخابات کو ملتوی نہ کرایا بلکہ حسب معمول انتخابات ہوتے رہے۔

ملک کے حالات انتخابات کیلئے کب موزوں ہوں گے۔؟

ان مثالوں کی موجودگی میں کسی کا یہ کہنا کہ پاکستان کے حالات انتخابات کے لئے موزوں نہیں قابل تسلیم کیسے ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیاسی جماعتیں بلا استثنا پاکستان میں جمہوری عمل کے اجراء اور فوری انتخابات کا مطالبہ کرتی رہی ہیں لیکن جنرل ضیاء اس سلسلے میں گومگو میں رہے وہ فرماتے تو ہمیشہ یہی تھے کہ ان کے کوئی سیاسی عزائم نہیں وہ ملک میں قابل عمل اسلامی جمہوری نظام کے تحت انتخابات میں ضرورت

سے زیادہ ایک دن بھی ضائع نہیں کریں گے۔

انہوں نے جو کام رضا کارانہ طور پر اپنے ذمہ لیا ہے اس کا جائزہ لینے اور اس کے مطابق عمل کرنے کا اختیار بھی انہیں کو ہے۔ وہ کس بات کو قابل عمل سمجھتے ہیں' ان کے نزدیک اسلامی نظام کے تقاضے کیا ہیں اور انتخابات کے لئے کون ساوقت موزوں ہو گا ان سب امور کا تعین انہیں خود کرنا ہے' لیکن کچھ دن بعد ہی وہ حکومت میں اپنے ہی وزیروں کے تقرر کو زیادہ دیر تک برداشت نہ کر سکے اور کچھ عرصے کے بعد ہی ان سے پیچھا چھڑا لیا۔

اس طرح سیاسی و غیر سیاسی وزیروں کے تقرر سے جو یہ توقع ہوئی تھی کہ ملک میں جمہوریت کی بحالی کا راستہ صاف ہو جائے گا پوری نہ ہوئی بلکہ اس کا نقصان ان افراد کو پہنچا جو کسی خوش فہمی میں ان کی کابینہ میں شامل ہونے پر آمادہ ہو گئے تھے سیاسی حلقوں میں ان کا وقار خاصا مجروح ہوا۔

صدر ضیاء کا ارشاد تو یہی رہا ہے کہ انکے کوئی سیاسی عزائم نہیں اور اقتدار کی پر امن منتقلی ہی انکا اصل مقصود ہے لیکن اس سلسلے میں ایک قدم بھی ایسا نہیں اٹھایا گیا جو منزل رسی کی امید کو پورا کر دیتا۔ یہ جو کبھی کبھی خبریں آتی رہی ہیں کہ وہ اسلام کے نظام شوریٰ کے نفاذ کے خواہاں ہیں یا غیر جماعتی بنیادوں پر انتخابات کا انعقاد انکے نزدیک زیادہ سود مند ہو گا۔ یا ایسے ہی دوسرے شوشے جو مختلف ذرائع سے چھوڑے جاتے رہے ہیں انکی حقیقت میرے نزدیک اور کوئی نہیں کہ وہ ان امور میں سیاستدانوں کو الجھائے رکھنا چاہتے ہیں تاکہ انکے اقتدار کی مدت طویل سے طویل ہوتی جائے۔

انہوں نے اسمبلیوں کے انتخابات سے پہلے غیر جماعتی بنیادوں پر بلدیاتی اداروں کے انتخابات یہ کہہ کر کرائے تھے کہ اس سے اگلا قدم عام انتخابات کیلئے ہو گا۔ لیکن یہ ادارے بھی اپنی ایک میعاد پوری کرنے والے ہیں۔ لیکن صدر صاحب کے نزدیک ملک کے حالات انتخابات کیلئے ساز گار نہیں ہوتے۔

انہوں نے صوبائی اور وفاقی مجالس شوریٰ کے قیام کو اسمبلیوں کا نعم البدل سمجھا تھا اور کچھ لوگوں کو سیاسی جماعتوں کی مرضی کے خلاف اس میں شامل کر کے یہ خیال کیا تھا کہ وہ لوگوں کو مطمئن کر دیں گے۔ لیکن شاید صدر صاحب تو اس حقیقت کو تسلیم کرنے کیلئے تیار نہ ہوں لیکن واقعہ یہ ہے کہ عوام انہیں بھی مسترد کر چکے ہیں۔ کیونکہ وزیر یا کوئی سیاسی ادارہ اسوقت تک لوگوں کے دلوں میں گھر نہیں کر سکتا جب تک انکے چناؤ میں انکا اپنا ہاتھ نہ ہو۔

صدر صاحب اکثر یہ کہتے ہیں کہ سیاسی جماعتیں متحد نہیں اور اسوقت کوئی جماعت ایسی نہیں جو انتخابات جیت کر کوئی مستحکم حکومت بنا سکے۔ میں سمجھتا ہوں کہ انتخابات کا التواء ہی سیاسی جماعتوں کے اتحاد کی راہ میں رکاوٹ بنا ہوا ہے۔ اگر انتخابات کا اعلان کر دیا جائے تو یہ اتحاد قائم ہو جائے گا

ویسے سیاسی جماعتوں کا عدم اتحاد کو انتخابات کے التواء کا جواز نہیں بنایا جا سکتا۔ سب جماعتوں کی اپنی انفرادی حیثیت ہے اور عوام میں سب کا اثر و نفوذ بھی کسی حد تک ہے۔ لیکن حکومت بنانے کا حق تو اسی جماعت کو

حاصل ہوتا ہے جو انتخابات میں اکثریت حاصل کرتی ہے۔ اگر کوئی ایک جماعت تنہا اتنی اکثریت میں کامیاب نہیں ہوتی جو حکومت بنا سکے تو ایک سے زیادہ جماعتوں کی مخلوط حکومت بنا دی جاتی ہے۔ لیکن یہ کبھی نہیں ہوتا کہ انتخابات کو جماعتوں کے اتحاد کے ساتھ مشروط کیا جائے۔

سیاسی جماعتوں کے اتحاد کی ضرورت تو صرف اس وقت لاحق ہوتی ہے جب ملک کے حالات قابو سے باہر ہو جائیں یا کسی آمر کو ہٹانا کسی ایک جماعت کے بس میں نہ رہے جیسا کہ مسٹر بھٹو کی آمرانہ حکومت کو ختم کرانے کیلئے متحدہ مساعی کی ضرورت تھی۔

اب بھی اگر سیاسی جماعتوں میں اتحاد نہیں ہے تو دراصل یہ موجودہ حکومت کے حق میں ہے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ اگر ملک میں سیاسی عمل پر اسی طرح پابندیاں عائد رہیں اور جمہوری روایات کے مطابق غیر معینہ عرصہ کیلئے انتخابات کو یوں ہی ٹالا جاتا رہا تو سیاسی جماعتیں اپنے تمام اختلافات ختم کر کے پھر اسی طرح متحد ہو جائینگی جس طرح مسٹر بھٹو سے گلو خلاصی کیلئے متحد ہوئی تھیں۔

جن جماعتوں کے خیالات میں ہم آہنگی ہے اور نظریاتی اعتبار سے کوئی بُعد نہیں انمیں اتحاد موجود بھی ہے اور اتحاد کو مزید استوار کرنے کیلئے بھی اقدامات کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ اتحاد کس کے خلاف ہو گا۔

سپریم کورٹ نے بھٹو حکومت کو ختم کرنے اور مارشل لاء حکومت کو آئین کے بعض حصوں کو عارضی طور پر معطل کرنیکا اختیار نظریہ ضرورت کے تحت دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ نظریہ ضرورت کی یوں تو کوئی حد نہیں لیکن اصولاً اگر دیکھا جائے تو انتہائی غیر معمولی حالات میں اسکا اطلاق ہوتا ہے اور مستقل طور پر کسی حکومت کے طریق عمل میں یہ شامل نہیں ہوتا۔

یوں بھی اگر دیکھا جائے تو ملک کا آئین ملک کی امانت ہوتا ہے اسے ترمیم و تنسیخ کا تختہ مشق بنانے کا حق کبھی کسی فرد واحد کو نہیں ہوتا۔ پاکستان کا آئین ایک متفقہ آئین تھا جسے ملک کی تمام سیاسی جماعتوں نے باہم رضامندی سے بنایا تھا اور یہ ہر لحاظ سے قابل عمل بھی تھا اور عوامی امنگوں کے مطابق بھی تھا۔ اگر مسٹر بھٹو نے اپنے دور حکومت میں اسے اپنے ذاتی مقاصد کیلئے مسخ کیا تو اسکی سزا بھی انہوں نے بھگتی۔ اس لئے مارشل لاء حکومت جو قطعی عارضی ہے اور مخصوص حالات میں اسے عنان حکومت سنبھالنی پڑی تھی ضرورتاً اس کے کچھ حصوں کو معطل کرنے کا اختیار سپریم کورٹ کے متذکرہ فیصلے کے مطابق اسے مل گیا تھا لیکن سپریم کورٹ نے اسے یہ حق نہیں دیا تھا کہ وہ اسے مستقل طور پر معطل رکھے اور اسکے بجائے کسی نئے آئین کی بات کرے۔

اس آئین کے بدلے اگر کوئی نیا آئین بنایا جا سکتا ہے تو عوام کے نمائندے ہی ایسا کرنے کے مجاز ہیں صدر جنرل ضیاء نہیں۔ لہٰذا انہیں اس سلسلے میں ہرگز سوچنا بھی نہیں چاہئے۔ انہیں ملک کے منظور شدہ آئین کے مطابق انتخابات کرا کے حکومت کی باگ ڈور عوامی نمائندوں کو سپرد کر دینی چاہیئے جسکے وہ مکلف

بھی ہیں اور جسکا وہ اعلان شروع دن سے آج تک کرتے آئے ہیں۔

رہا یہ اندیشہ کہ انتخابات سے مثبت نتائج کی امید فی الحال نہیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مارشل لاء حکومت اگر پانچ سال میں بھی ایسے حالات پیدا نہیں کر سکی تو آئندہ اس سے یہ توقع کیسے کی جا سکتی ہے اور کب تک پاکستانی عوام ایک غیر نمائندہ اور غیر جمہوری حکومت کو برداشت کرتے رہیں گے۔

مارشل لاء حکومت کے پانچ (۵) سال بقول جنرل ضیاء ملک کے حالات کو سنوارنے میں گزرے ہیں لیکن جن خرابیوں نے ان سے پہلے ملک کو تباہی کے کنارے پر لا کھڑا کیا تھا۔ انہیں اپنے پانچ سالہ دور میں انہوں نے کس حد تک دور کر دیا ہے۔ ہمارا مشاہدہ تو یہ کہتا ہے کہ حالات اب پہلے سے بھی زیادہ خراب ہو گئے ہیں۔ چوریوں اور ڈکیتیوں میں اضافہ ہی ہوا ہے۔ بدعنوانیاں عروج پر ہیں۔ رشوت کی گرم بازاری ہے۔ مہنگائی آسمان سے باتیں کر رہی ہے۔ بے حیائی اور بے غیرتی میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ عام قتل کے علاوہ سیاسی قتل بھی ہو رہے ہیں۔ تخریب کاری کے واقعات روز کا معمول بن گئے ہیں۔ امن و امان کی صورت سخت تشویش ناک ہے۔

ان حالات کی خرابیوں کے باوجود اگر یہ سمجھا جا رہا ہے کہ سب کچھ اچھا ہے تو یہ بہت خطرناک قسم کی خوش فہمی ہے۔ اکثر حکومتوں کا انہیں باتوں سے بیڑا غرق ہوا ہے۔

جنرل ضیاء بڑے زیرک انسان ہیں۔ وہ نہ جانے یہ کیوں نہیں سمجھ رہے کہ انکی طرف سے عوام کو اقتدار کی منتقلی میں جتنی دیر لگے گی اتنے ہی حالات بہتر ہونے کے بجائے خراب ہوتے جائیں گے۔ فضا میں حبس ہو تو آدمی لو کی دعا مانگنے لگتا ہے۔ بہر حال یہ امر مسلمہ ہے کہ آمریت کوئی رنگ بھی اختیار کر لے عوام میں مقبولیت کبھی حاصل نہیں کرتی، سختیاں اور پابندیاں لوگوں کو زیر زمین سرگرمیوں میں مصروف کر دیتی ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ اسوقت ایک ہی عنصر ہے جو تخریبی کارروائیوں میں منہمک ہے اور کسی نہ کسی طرح حکومت کا تختہ الٹنے کیلئے یہ سب کچھ کر رہا ہے۔ اگر سیاسی جماعتوں پر پابندی نہ ہو تو وہ عوام کے تعاون سے ایسے عنصر کا مقابلہ زیادہ بہتر طریقے سے کر سکتے ہیں۔ لیکن موجودہ حکومت نے انہیں بھی پابند و معذور کر دیا ہے اور اس طرح وہ ہمدردیاں جو انہیں حکومت سے ہونی چاہئیں تھیں عملاً وہ نظر نہیں آتیں۔ ایسے حالات میں تو عموماً یہ بھی ہوتا ہے کہ معقول طبقہ بھی نامعقول لوگوں کیساتھ مل جاتا ہے۔ ابھی اگرچہ پاکستان میں ایسے حالات پیدا نہیں ہوئے لیکن اس دن سے ڈر لگتا ہے جب تنگ آمد بجنگ آمد کے مصداق لوگ اس حربے پر بھی نہ اتر آئیں۔

کہا جاتا ہے کہ نفاذ اسلام کیلئے حالات سازگار بنانے میں دیر ہو رہی ہے چونکہ آج سے پانچ سال قبل جو عوامی تحریک چلی تھی اسکا تقاضا ہے کہ پاکستان میں اسلام کا بول بالا ہو اور چونکہ موجودہ حکومت نے بھی ملک کی باگ ڈور سنبھالنے کے بعد یہ عہد کیا تھا کہ نظام مصطفیٰ کیلئے عوام نے جو قربانیاں دی ہیں وہ رائیگاں

جانے نہیں دی جائیگی۔ اسلئے وہ اس عہد کو پورا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔
اول تو یہ بات سوچنے کی ہے کہ اگر نظام مصطفیٰ کیلئے ملک کی فضا سازگار نہ ہوتی تو عوام اتنی عظیم الشان قربانیاں کیسے دیتے۔ پھر اگر اسمیں کچھ رکاوٹیں حائل تھیں توانکے دور کرنے کیلئے پانچ سال کوئی کم نہیں ہوتے۔

سب کو معلوم ہے کہ اس ملک کی اکثریت اسلام کی شیدائی ہے اور وہ اس ملک میں اسلام کے علاوہ کسی نظام کو گوارا نہیں کریں گے۔ یہ جو چند لوگ سوشلزم یا کمیونزم کی بات کرتے ہیں انکی کوئی حیثیت نہیں۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں پیپلز پارٹی کو بھی "اسلام ہمارا دین" کا نعرہ لگانا پڑا تھا۔ اسکے علاوہ اسکی کامیابی میں اکثریت عوام کے ووٹوں کی نہیں تھی۔ اسلام پسند جماعتوں نے مجموعی طور پر پیپلز پارٹی سے زیادہ ووٹ حاصل کئے تھے۔

اسلام پسند جماعتوں نے ان انتخابات کے نتائج سے جو سبق حاصل کیا ہے وہ انکی نظر سے محو نہیں ہوا اور اب وہ ایسی غلطی نہیں کریں گے کہ عوام کے ووٹ بٹ کر کسی سوشلسٹ جماعت کے پلڑے کو بھاری کر دیں۔ ہم خیال جماعتوں میں ویسے بھی کافی حد تک اتحاد واتفاق ہے اور مجھے یقین ہے کہ جب انتخابات کا وقت قریب آیگا تو اتحاد واتفاق کی یہ صورت اور مستحکم ہوگی۔
اتنی بات تو بہرحال ہر شخص جانتا ہے کہ سوشلزم کو پاکستان کے عوام مسترد کر چکے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو نظام مصطفیٰ کیلئے عوام فقید المثال قسم کی قربانیاں کیوں دیتے۔ خود جنرل صاحب بھی اپنے دور اقتدار میں یہ مشاہدہ کر چکے ہوں گے کہ اسلام کے نام پر پاکستانی عوام کسی ایثار وقربانی سے دریغ نہیں کرتے اور جب بھی انہوں نے یہ نام لیکر کوئی اقدام کیا ہے اسے دل وجان سے سب نے قبول کیا ہے۔
واقعہ یہ ہے کہ نظام اسلام کیلئے جتنا موزوں وقت آج ہے شاید اس سے پہلے اتنا کبھی نہ ہوا ہو۔
لیکن اسکا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اگر اس سلسلے میں اب کے عوام کو مایوسی ہوئی تو یہ نعرہ بھی اپنی کشش کھو بیٹھے گا اور پھر کوئی اسلام کے نام پر گھر سے نہیں نکلے گا۔ خدانخواستہ اگر ایسا ہوا تو یہ پاکستان کی تاریخ کا سب سے بڑا المیہ ہوگا۔

ریفرنڈم اور اسمبلیوں کے انتخابات

کافی انتظار کے بعد صدر جنرل ضیاء الحق نے ۱۹ دسمبر ۱۹۸۴ء کو اپنی نشری تقریر کے مطابق اپنا ریفرنڈم کرایا اور لوگوں سے یہ رائے لی کہ جنرل ضیاء الحق مزید پانچ سال کیلئے بطور صدر اپنی ذمہ داریاں پوری کریں اور اسلامی نظام کے سلسلے میں جو اقدامات وہ کر رہے ہیں انہیں جاری رکھیں۔ اس کا مثبت جواب ملنے پر انہوں نے قومی اسمبلی' سینٹ اور صوبائی اسمبلیوں کے عام انتخابات کا اہتمام کیا۔ یہ انتخابات غیر جماعتی بنیاد پر کرائے گئے تھے۔ میں ضلع رحیم یار خاں سے قومی وصوبائی اسمبلیوں کی دو نشستوں سے امیدوار تھا۔ لوگوں نے بڑھ چڑھ کر انتخابات میں حصہ لیا۔ بہت عرصے کے بعد عوام کو یہ
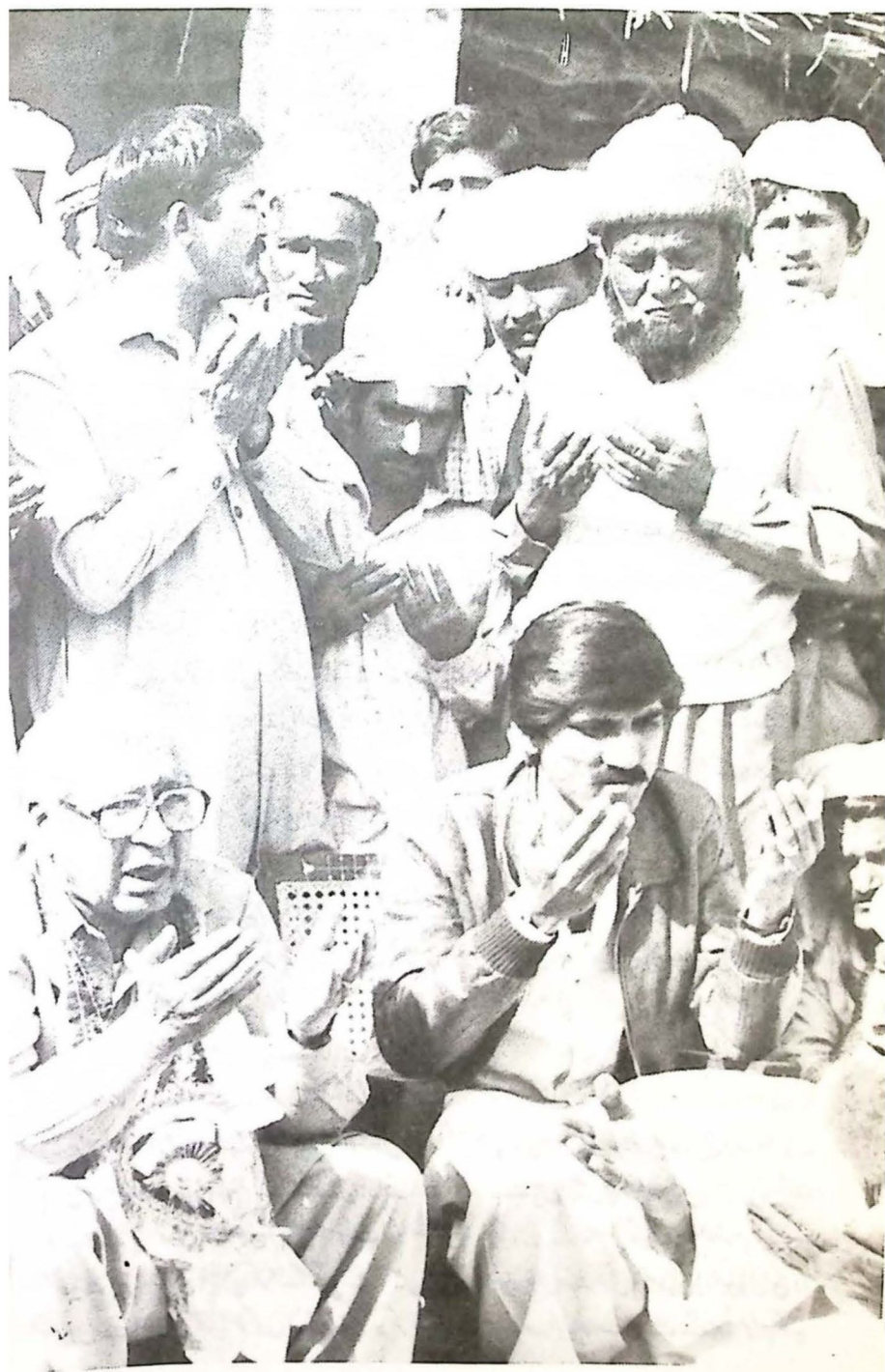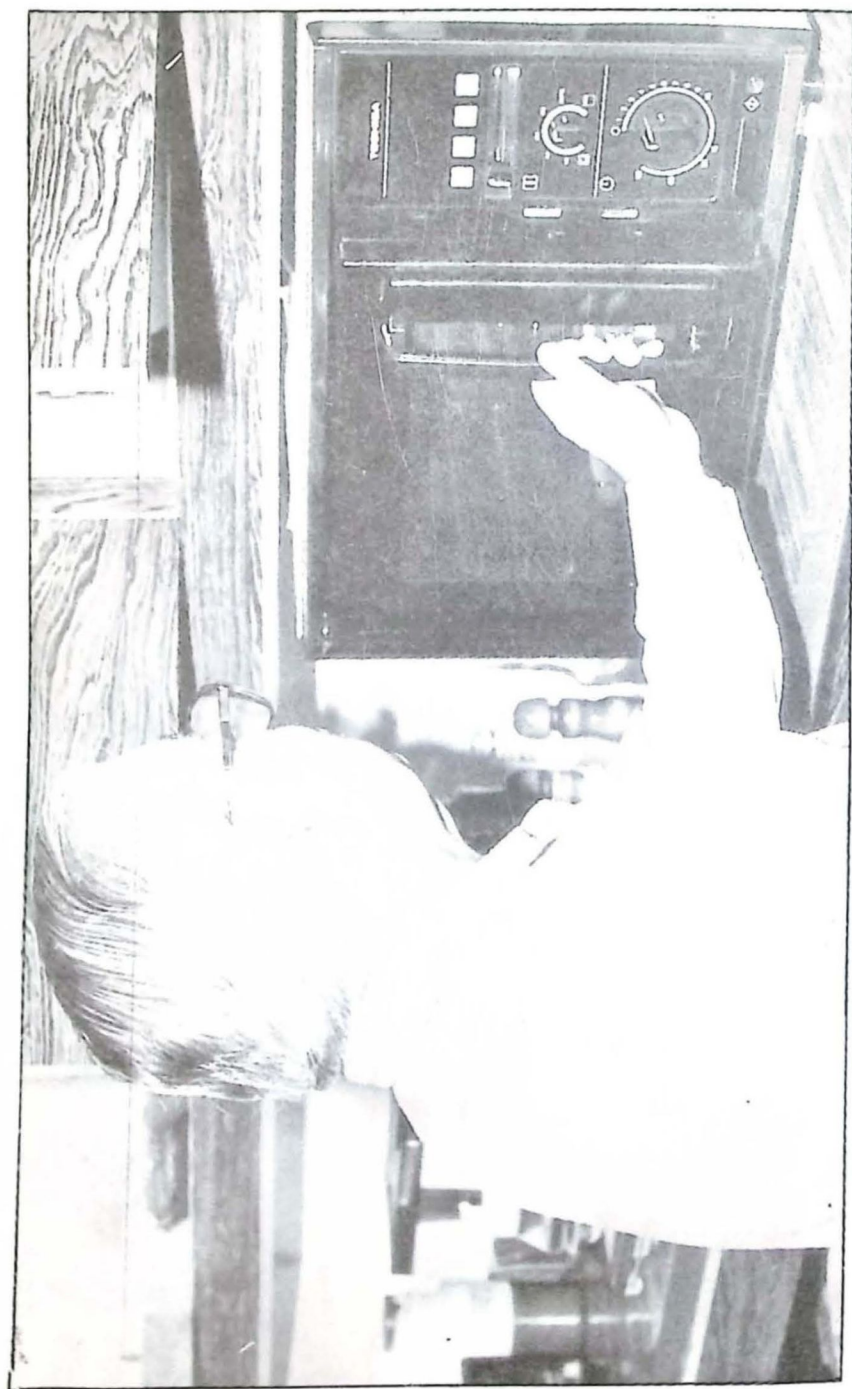
موقع ملا تھا اس لئے غیر معمولی جوش و خروش تھا۔ میں دونوں نشستوں سے کامیاب ہوا لیکن ان میں سے مجھے ایک نشست برقرار رکھنی تھی اور دوسری نشست سے استعفیٰ دینا تھا۔ میرے احباب کا خیال تھا کہ قومی اسمبلی میں مجھے اپنی نشست قائم رکھنی چاہئے۔ لیکن میں صوبے میں کام کرنے کو اہمیت دیتا تھا۔ صوبہ پنجاب ایک بہت بڑا صوبہ ہے۔ یہاں کے مسائل بھی کافی ہیں۔ خاص طور پر پنجاب کے دیہاتی عوام بھرپور نمائندگی سے محروم رہے ہیں اس لئے میں صوبائی اسمبلی کی نشست برقرار رکھ کر قومی اسمبلی کی نشست سے دستبردار ہو گیا۔

انتخابات کے بعد آئینی ترامیم کا مسئلہ حل طلب تھا کیونکہ اس کے ساتھ ہی مارشل لاء کا اٹھنا مشروط کر دیا گیا تھا۔ میں اس سلسلے میں اہم کردار ادا کر سکتا تھا لیکن میں نے اس پر پنجاب کی خدمت کو ضروری سمجھا بہرحال بعض ترامیم منظور کی گئیں اور یہ بھی طے ہو گیا کہ جنوری ۱۹۸۶ء سے پہلے مارشل لاء اٹھالیا جائے گا۔ چنانچہ یکم جنوری کو مارشل لاء اٹھالیا گیا۔ تمام پابندیاں ختم کر دی گئیں۔ اور وہ بنیادی حقوق جو برس ہا برس سے معطل چلے آرہے تھے بحال کر دیئے گئے۔ اس اقدام کا ملک میں خیر مقدم کیا گیا۔ خاص طور پر بنیادی حقوق کی بحالی کے اقدام کو سراہا گیا۔

مسلم لیگ کا متوقع انجام

انتخابات کے بعد محمد خان جونیجو کو وزیر اعظم پاکستان کے طور پر صدر پاکستان نے نامزد کیا اور تمام ممبران قومی اسمبلی نے متفقہ طور پر ان پر اعتماد ظاہر کیا۔ اسی طرح تمام صوبوں کیلئے وزیر اعلیٰ کا انتخاب عمل میں لایا گیا۔ پنجاب کے وزیر اعلیٰ کیلئے میرا نام بھی لیا جاتا رہا۔ میں اگرچہ خود امیدوار نہ تھا لیکن لوگوں کا خیال تھا کہ کسی شہری نمائندے کے بجائے دیہات سے تعلق رکھنے والا نمائندہ ہو کیونکہ شہروں سے زیادہ دیہات کے مسائل بہت گھمبیر قسم کے ہیں جن سے ان کا کوئی نمائندہ ہی عہدہ برآ ہو سکتا ہے لیکن ممبران اسمبلی کی خواہش کے برعکس گورنر پنجاب نے مسٹر نواز شریف کو وزیر اعلیٰ نامزد کر دیا اور اس طرح اسمبلی ممبران دو گروپوں میں بٹ گئے۔ ایک گروپ میرے ساتھ تھا جس نے حزب اختلاف کا کردار ادا کیا۔ مجھے اس گروپ کا لیڈر چنا گیا۔

میں بطور لیڈر آف حزب اختلاف اپنے فرائض ادا کر رہا ہوں۔ اور جہاں جس پہلو پر اظہار رائے کی ضرورت ہے تو بے دھڑک اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہوں۔

فیڈریشن آف چیمبرز آف کامرس نے نیشنل ٹیکس ریفامز کمیشن کو زرعی شعبے پر انکم ٹیکس لگانے کی سفارش کی تھی۔ میں نے اس اقدام کو انتہائی خطرناک قرار دیا تھا اور فوری طور پر ایک پریس کانفرنس بلا کر اس کے مضمرات پر روشنی ڈالی تھی، میں نے پریس کانفرنس میں کہا تھا کہ "اس کے نفاذ سے ملکی معیشت تباہ ہو جائے گی، معلوم ہوتا ہے کہ یہ موجودہ حکومت کے خلاف ایک سازش ہے۔ فیڈریشن نے غلط اعداد وشمار کے حوالے سے زرعی پیشہ سے وابستہ افراد پر انکم ٹیکس عائد کرنے کی جو تجویز پیش کی ہے اور کہا ہے کہ

زراعت کے شعبے سے وابستہ افراد کو قرضہ کم شرح پر دیا جاتا ہے اور زر تلافی بھی دیا جاتا ہے، یہ غلط ہے۔ فیڈریشن کے پاس اپنی اصل دلیل کے حوالے میں کوئی ثبوت ہو تو فیڈریشن قوم کے سامنے پیش کرے۔ اصل صورت حال یہ ہے کہ زمیندار کو قرضہ ۱۶ فیصد کی شرح سود پر ملتا ہے جسے رشوت کے بغیر حاصل کرنا ممکن نہیں۔ اور زراعت پیشہ طبقہ ان پڑھ ہونے کی وجہ سے ضروری کوائف پورے نہیں کر سکتا۔

پاکستان میں چاہے ہزاروں کارخانے لگائے جائیں لیکن ملکی معیشت زرعی ہی رہے گی۔ کیونکہ اس پیشے سے پچاس لاکھ افراد وابستہ ہیں۔ زرعی اصلاحات کے نفاذ سے ملک میں جاگیردار اور سرمایہ دار طبقہ ختم ہو گیا ہے۔ ملک میں سب سے زیادہ سہولتیں صنعت کار طبقہ حاصل کر رہا ہے۔ حالانکہ یہ سہولتیں زراعت پیشہ افراد کو ملنی چاہئیں کیونکہ زراعت پیشہ طبقہ سب سے زیادہ زر مبادلہ کما کر دیتا ہے۔ حالات اس بات کے متقاضی ہیں کہ کارخانوں میں محنت کشوں کو حصہ دار بنایا جائے اور جوں جوں صنعتوں کی پیداوار میں اضافہ ہو اس شرح سے ان کارخانوں میں کام کرنے والے محنت کشوں کی تنخواہ میں بھی اضافہ کیا جائے۔

ایکسپورٹ کیلئے جو قرضہ دیا جاتا ہے اس کی شرح سود صرف تین فیصد ہوتی ہے جبکہ زمیندار اپنی آمدنی میں زکوٰۃ، عشر اور آبیانہ بھی ادا کرتا ہے جس کی شرح میں ہر سال اضافہ ہو رہا ہے۔

فیڈریشن کی تجویز یہ ہے کہ دس ایکڑ سے زیادہ زمین رکھنے والے زراعت پیشہ افراد پر انکم ٹیکس لگایا جائے تاکہ اسی فیصد زرعی آبادی سے انکم ٹیکس حاصل ہو سکے۔

دس ایکڑ زمین رکھنے والے زمیندار اپنی اولاد کی ملازمتوں سے حاصل ہونے والی آمدنی سے گزارہ کرتے ہیں۔ زراعت سراسر نقصان کا کاروبار ہے کیونکہ اس پیشے سے وابستہ افراد کو قدرتی آفات کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ ان کا کوئی طے شدہ منافع نہیں ہوتا۔ بہر حال زراعت پیشہ طبقہ مزید بوجھ برداشت کرنے کے قابل نہیں"۔

اسی دوران مرکز میں مسلم لیگ کا تیا پانچہ کیا گیا۔ پیر صاحب نے اس سے استعفیٰ دے کر اپنی جگہ جونیجو صاحب کو مسلم لیگ کا صدر بنا دیا اور انہوں نے ممبران اسمبلی میں سے لوگوں کو اپنا ہم نوا بنا کر وفاقی اسمبلی میں مسلم لیگ پارٹی قائم کر لی۔ اسی پر بس نہیں کیا گیا تمام صوبوں میں بھی اس طرح مسلم لیگ کی حکومتیں قائم کی گئیں۔

میں نے اس طریقہ کار پر سخت احتجاج کیا کیونکہ میرے نزدیک یہ عمل مسلم لیگ کے قواعد و ضوابط کے خلاف تھا۔ اگر پیر صاحب کو استعفیٰ دینا تھا اور اپنی جگہ جونیجو صاحب کو مسلم لیگ کا صدر بنانا تھا تو مسلم لیگ کی کونسل کا اجلاس بلا کر اس کا فیصلہ کرنا چاہئے تھا۔ انہوں نے غیر قانونی طور پر اپنی اس نئی مسلم لیگ کی رجسٹریشن بھی کرا لی۔

یہ انداز مسلم لیگ کے عہدیداروں اور پرانے مسلم لیگیوں کے خلاف تھا کیونکہ کسی بھی سٹیج پر ان سے کسی معاملے میں صلاح مشورہ کی بھی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ میں مسلم لیگ کا نائب صدر تھا اور ایس۔ ایم۔ ظفر اس کے جنرل سیکرٹری تھے اصولاً تو پیر صاحب اگر مسلم لیگ سے علیحدہ ہو رہے تھے تو وہ اپنے تمام اختیارات نائب صدر کے حوالے کرتے جو مسلم لیگ کے آئین کے مطابق کونسل کا اجلاس بلا کر پیر صاحب کے استعفیٰ کو منظور کراتا اور آئندہ کیلئے نئے صدر کا انتخاب کراتا۔ لیکن ایسا کوئی تکلف نہیں کیا گیا۔

میں نے اور میرے ساتھیوں نے اس مسلم لیگ کو تسلیم نہیں کیا اور اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی کرنے کی سوچنے لگے۔ کہا جاتا ہے کہ پیر صاحب نے جونیجو صاحب کو مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی بنانے کیلئے یہ کام سونپا ہے۔ اول تو یہ کام سونپنے کیلئے بھی انہیں مسلم لیگ کونسل کا اجلاس بلانا چاہئے تھا اور پرانے مسلم لیگیوں کو اپنے اعتماد میں لینا چاہئے تھا۔ پھر اگر مسٹر جونیجو کو پیر صاحب نے مسلم لیگ کی پارلیمانی پارٹی بنانے کا اختیار دے دیا تھا تو انہیں اپنے آپ کو اس حد تک محدود رکھنا چاہئے تھا۔ وہ بطور پارلیمانی لیڈر اپنی جماعت کو منظم کر سکتے تھے۔ لیکن پورے مسلم لیگ کے ڈھانچے میں انہیں ردوبدل کا اختیار نہیں۔

یہی صورت صوبوں میں بھی درپیش ہے۔ صوبوں میں بھی چیف منسٹر مسلم لیگ کی اسمبلی پارٹیاں تو تشکیل دے سکتے ہیں لیکن اپنے طور پر مسلم لیگ کو منظم کرنے کا حق نہیں۔ یہ حق صرف مسلم لیگ کی جنرل کونسل کو حاصل ہے کہ وہی اپنے عہدیدار منتخب کرے۔

بہرحال پیر صاحب اور جونیجو صاحب نے ان اصولی اور قانونی اعتراضات کے باوجود اپنی مرضی کے مطابق عمل جاری رکھا ہوا ہے۔ مجھے خطرہ ہے کہ بالآخر یہ حرکتیں مسلم لیگ کا وقار بڑھانے کی بجائے اس کو مزید ناکام بنانے کا موجب ہوں گی۔

غیر جماعتی بنیادوں پر انتخابات کرانے کے بعد دوسری تمام جماعتوں کو نظرانداز کر کے صرف مسلم لیگ کیلئے کام کرنا بھی جمہوریت پسند حلقوں کو پسند نہیں۔ بہرحال اس کے باوجود مسلم لیگ کی تنظیم و تشکیل ہو رہی ہے۔ اسی اثناء میں پیپلز پارٹی بھی خاصی فعال ہوئی ہے۔ اس کی قائم مقام صدر مس بے نظیر بھٹو خود عائد کردہ جلاوطنی کے بعد پاکستان آئی ہیں اور انہوں نے پاکستان میں آتے ہی بے شمار جلسے کئے ہیں جو تعداد کے اعتبار سے تمام جلسوں پر بازی لے گئے ہیں۔ انہوں نے صدر سے مستعفی ہونے اور دوبارہ انتخابات کرانے کا مطالبہ کر دیا ہے۔ دیکھئے اس مہم کا کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ اور ان جلسوں کے جواب میں صدر ضیاء کیا اقدامات کرتے ہیں۔

سیاست دانوں کا ایک طبقہ مڈٹرم الیکشن کو تمام خرابیوں کا علاج تصور کرتا ہے جبکہ ممبران اسمبلی اس کے حق میں نہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ منتخب ممبران کو اپنی ٹرم پوری کرنی چاہئے۔

میرے مشغلے

مجھے کھیتی باڑی اور باغبانی کا شوق ہے خالی اوقات میں اپنے گھر کی روشوں کو درست کرنا' نئے نئے قسم کے پھول اگانا اور ننھی کلیوں سے دل بہلانا میرا محبوب مشغلہ ہے۔ میں بعض اوقات سارا سارا دن پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو میں کھویا رہتا ہوں۔

فطرت کی اس رنگینی کے علاوہ مجھے لذیذ و خوش ذائقہ کھانے بھی بے حد پسند ہیں اور اس کے لئے میں پکے پکائے کھانے پر ہی اکتفا نہیں کرتا بلکہ اس کی تیاری میں خود بھی حصہ لیتا ہوں کئی دیسی کھانوں کے علاوہ بدیسی کھانے پکانا جانتا ہوں لیکن اس کا مظاہرہ عموماً ان دنوں میں ہوتا ہے جب میں گھر میں مقید ہوں یا پھر کچھ بے تکلف دوست اکٹھے ہو جائیں تو میں اپنا یہ کرتب دکھاتا ہوں۔